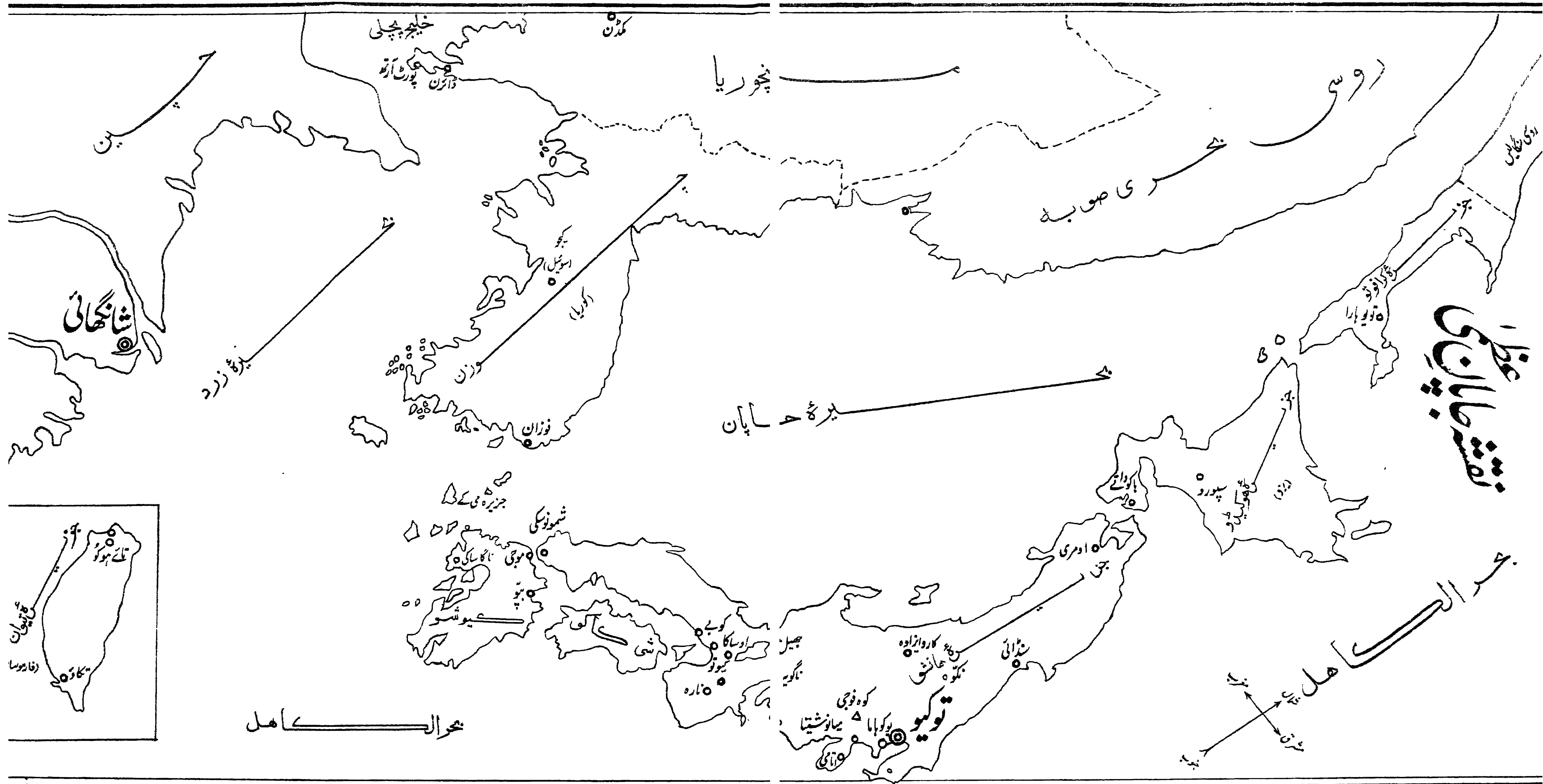


نقشہ جاپان عظمیٰ
روسی بحری صوبہ
منچوریا
چین
شانگھائی
بحیرۂ زرد
خلیج پچلی
مکڈن
پورٹ آرتھر
ڈائرن
کوریا
فوزان
بحیرۂ جاپان
جزیرۂ کرافوتو
تویوہارا
جزیرۂ ہوکیدو
سپورو
ہاکوڈاٹے
اومری
جزیرۂ ہانشو
کاروائزاوہ
نکو
سنڈائی
ٹوکیو
یوکوہاما
کوہ فوجی
میانوشیتا
ناگویہ
کوبے
اوساکا
کیوتو
نارہ
شی کوکو
کیوشو
موجی
ناگاساکی
شیمونوسکی
جزیرہ می کے
بحرالکاہل
تائی ہوکو
تکاؤ
جزیرۂ تائیوان
(فارموسا)



فہرست مطالب

تصاویر اور نقشوں کی فہرست

حصّہ اوّل

تمہید

آج جبکہ ریل، جہاز، تار برقی، اور لاسلکی نے دنیا کی طنابیں کھینچ کر دور دور افتادہ ممالک کا اعتباری فصل قریب کر دیا ہے کہ گویا دنیا ایک شہر اور مختلف ممالک اُس شہر کے محلّے اور بازار معلوم ہوتے ہیں۔ جبکہ مختلف اقوام و ملل کے باہمی تعلقات سیاسی و تجارتی اس قدر پیچیدہ و خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ہر قوم کی حیات ان بین الاقوامی تعلقات کے سمجھنے پر منحصر ہے۔ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ طبقے میں بھی غیر ممالک کا علم نہایت محدود ہے۔ بالخصوص شرق اقصیٰ یعنی چین و جاپان کے متعلق تو لاعلمی و غلط فہمی حد سے گذر رہی ہے۔ گذشتہ بیس سال سے ہمارے ابنائے وطن میں سیاست دانی کا ذوق اور اخبار بینی کا شوق بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے، اور لوگ ممالک غیر کے حالات بڑی دلچسپی سے سنتے اور پڑھتے ہیں، خصوصاً جاپان کی وطن پرستی، جنگِ روس و جاپان میں اس کا ایثار، صنعت و حرفت و تجارت میں اس کی حیرت انگیز ترقی، اپنی آزادی محفوظ رکھنے میں اُس کی قابل رشک کامیابی، ان امور سے ہمارے سیاسی لیڈر اپنی تقریروں میں اور اخبارات کے مدیر اپنے مضامین میں مثالیں پیش کر کے قوم کے دل گرماتے اور اس کی رگِ غیرت پھڑکاتے ہیں۔ نیز اخبارات و رسائل انگریزی کتابوں سے ترجمہ کر کے جاپانی افسانے یا جاپان کے متعلق مختصر حالات شائع کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں میں ذوق تو موجود ہے، مگر اس تشنگی کو سیراب کرنے کا سامان فراہم نہیں ہے۔

جاپان کے متعلق عمدہ لٹریچر یوں تو ہماری تمام ملکی زبانوں میں موجود نہیں ہے۔ لیکن اس خصوص میں اردو لٹریچر کی بے بضاعتی و کم مائگی تو نہایت افسوسناک ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اردو میں صرف تین کتابیں موجود ہیں۔ جاپان قدیم و جدید سنہ ۱۹۰۴ء میں مولوی خلیل الرحمٰن صاحب نے انگریزی سے ترجمہ کی تھی۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب کپورتھلہ نے اپنا سفرنامہ چین و

جاپان میں شائع کیا تھا۔ اور ۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر سید راس مسعود صاحب کی انگریزی کتاب کا ترجمہ "جاپان کا تعلیمی نظم و نسق" انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے شائع ہوا۔ یہی کل کائنات جس کی حقیقت یہ ہے کہ پہلی دو کتابیں بہت پرانی ہو چکی ہیں۔ اور نہایت مختصر ہیں۔ تیسری کتاب صرف ایک خاص موضوع پر ہے۔ عام حالات سے بحث نہیں کرتی۔ ان تین کتابوں کے علاوہ اردو میں نہ کوئی جاپان کی مفصل یا مختصر تاریخ موجود ہے۔ نہ کوئی جغرافیہ ہے۔ نہ وہاں کے فوجی نظام پر کوئی تصنیف شائع ہوئی ہے۔ نہ تجارتی و اقتصادی موضوعات پر کوئی کتاب لکھی گئی ہے۔

انگریزی زبان میں جاپان کے متعلق اس قدر کتابیں موجود ہیں کہ اگر یکجا جمع کی جائیں تو ایک چھوٹا سا کتب خانہ مرتب ہو جائے۔ مگر اول تو مغربی اقوام کا زاویہ نگاہ ہم سے بہت مختلف ہے۔ وہ لوگ جن چیزوں کو عیوب سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک خوبیاں ہیں۔ اور جن کو وہ خوبیاں خیال کرتے ہیں ہم اُن کو عیوب شمار کرتے ہیں۔ جاپان کو سیاسی صنعتی و تجارتی میدانوں میں وہ اپنا کامیاب حریف سمجھ کر اُس سے حسد کرتے ہیں۔ مگر جاپان کی ترقی ہمارے لئے باعث رشک ہے یا وجہ تقلید۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں یورپ کا معیار جاپان سے بلند تر ہے۔ اور جاپان کا ہندوستان سے۔ ایسی صورتوں میں یا تو یورپین و امریکن مصنفین سخت معترض ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہندوستانیوں کو اپنے ملک کی حالت دیکھتے ہوئے اعتراض سے گریز کرنا چاہیئے۔ یا بعض باتوں کو مغربی مبصرین اپنے لئے قابل اعتنا خیال نہیں کرتے۔ مگر ہندوستان کی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے اُن کا ذکر ازبس ضروری اور مفید ہوتا ہے۔

اِن اوراق کو عزیزانِ وطن کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہندوستان کی مخصوص ضروریات حتی الوسع ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ مصنف کو ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ اس کتاب میں کوئی موضوع نظر انداز نہیں ہوا۔ یا جن موضوعوں پر بحث کی گئی ہے اُن میں کمی یا قصور باقی نہیں ہے۔ یہ کوشش ضرور کی گئی ہے کہ زندگی کے تمام اہم شعبوں کے متعلق جو کچھ تحقیق ہو سکے وہ معرض تحریر میں آجائے۔ مصنف نے کتابوں سے استفادہ ضرور کیا ہے۔ مگر کسی ایسے امر کو قبول نہیں کیا جس کی تصدیق اس کو خود اپنے مشاہدے اور ذاتی تحقیقات سے نہ ہو گئی ہو۔ جس قدر اعداد و شمار درج کئے گئے ہیں سب جدید ترین ہیں، اور ان کا ماخذ سرکاری رپورٹیں ہیں۔ واقعات یا اعداد و شمار سے

نتائج اخذ کرنے اور رائے قائم کرنے میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور مذہبی یا ملکی تعصب سے قطعاً احتراز کیا ہے۔

وہ انگریز یا جاپانی احباب جنہوں نے اپنے ذاتی کتب خانوں سے کتابوں کا وافر ذخیرہ میرے لئے مہیا کیا۔ یا جنھوں نے جاپانی زبان سے میرے لئے تراجم کر کے مواد فراہم کیا۔ یا جنھوں نے اپنے تجربات و مشاہدات اور تحقیقات سے مجھے استفاضہ کا موقع دیا۔ یا جن کی مدد سے میں نے درسگاہوں۔ کتب خانوں۔ دفتروں۔ فیکٹریوں۔ پرائیویٹ عجائب خانوں اور باغات کی سیر کی۔ یہ سب حضرات میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ان اوراقِ پریشان کی ترتیب و تدوین ہرگز عمل میں نہ آتی اگر میرے محترم دوست شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی میری مدد نہ فرماتے۔

یہ ہدیۂ ناچیز عزیزان وطن کی خدمت میں اس تمنا کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں جاپان کے متعلق صحیح معلومات کی نشر و اشاعت ہو۔ جاپان اپنے سیاسی اقتدار و اپنی صنعتی و تجارتی فوقیت کے باعث ایشیائی اقوام کا سالارِ کارواں خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی محیر العقول ترقی کے اسباب و علل بصیرت افروز ہیں۔

آخر میں خداوند کریم کے حضور، خلوص دل سے دعا ہے کہ یا الٰہی ان اوراق کو قوم کے لئے نصیحت اور عبرت کا گنجینہ بنا۔ جاپان کے یہ حالات قوم کی بیداری کا موجب ہوں اور یہ بے ترتیب خیالات اور مشاہدات کا مجموعہ عزیزان وطن کے لئے مفید ذخیرہ ثابت ہو۔ ہمیں ان حالات کے پڑھنے سے اپنی اقتصادی۔ تجارتی اور تعلیمی پستی پر افسوس ہو۔ اور یہ افسوس ہمارے لئے ایک تازیانہ عبرت بن جائے۔ جس سے ہماری رگوں میں عمل کی قوت دوڑ جائے اور ہم بھی ترقی کے میدان میں اس فخر ایشیا قوم سے کسی طرح پیچھے نہ رہیں۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار

محمد بدر الاسلام فضلی

دہلی۔ ۱۵؍ اگست ۱۹۳۲ء

"دہلی سے توکیو تک"

دہلی سے روانگی

۱۹؍نومبر ۱۹۳۰ء چہارشنبہ کے روز آٹھ بجے صبح میرے احباب واقارب مجھے رخصت کرنے کے لئے دہلی اسٹیشن پر جمع ہوئے، جہاں وداعی مراسم ادا ہوتے اور میں چشم پرنم اور دل پُر از امید و بیم لئے ہوئے سب عزیزوں سے رخصت ہوا۔ جب فرنٹیر میل سرگرم رفتار ہو چکی، عزیزوں کی شکلیں آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئیں اور جذبات کو قدرے سکون ہوا، تو میں نے اپنی گذشتہ موجودہ اور آئندہ حالتوں پر غور کرنا شروع کیا۔

یکم نومبر ۱۹۳۰ء کو گورنمنٹ ہند نے میرا تقرر توکیو اسکول آف فارن لینگویجز (درسگاہ السنہ خارجہ) میں اُردو اور فارسی کی لکچراری پر فرمایا۔ اس کے بعد اٹھارہ دن اس طویل سفر کی تیاری میں اس قدر مصروفیت رہی کہ خدا کی پناہ۔ بارے وہ وقت ختم ہوا اب میرے سامنے مستقبل کے لئے ہزاروں منصوبے اور بیشمار تجاویز تھیں اور ان سب کی تکمیل کے لئے صرف ایک مضطرب دل۔

بمبئی پہنچنا

۲۱؍نومبر ۱۹۳۰ء پنجشنبہ کے روز صبح آٹھ بجے بمبئی پہنچا، اور اپنے ایک عزیز مولوی نصیر احمد صاحب (انجینیر ریکلیمیشن اسکیم بمبئی) کے بنگلے پر مقیم ہوا۔ شام کے وقت اپنے بھائی ڈاکٹر بدل الرحمٰن صاحب (پرنسپل اسمٰعیل کالج بمبئی) کے بنگلے پر ملنے کے لئے گیا، مگر وہ موجود نہ تھے ملاقات نہ ہو سکی اور مایوس واپس آنا پڑا۔ اگلے دن وہ خود انجنیر صاحب کے بنگلے پر ملنے کے لئے تشریف لائے ان سے تقریبًا چودہ برس کے بعد ملاقات ہو کر از حد مسرت حاصل ہوئی۔

جہاز کی روانگی

۹ بجے بلارڈ پائر پر پہنچا۔ طبی معائنہ کے بعد جہاز پر گیا۔ جو اجاب

یہاں تک پہنچانے کے لئے آئے تھے وہ بھی رخصت ہو گئے، اور جہاز بندرگاہ سے روانہ ہوا۔

جہاز "رانچی" کی کچھ کیفیت

ہمارے جہاز کا نام "رانچی" ہے جو "پی اینڈ او کمپنی" کے مشہور اور بہترین جہازوں میں سے ہے، اس کا وزن ساڑھے سولہ ہزار ٹن ہے۔ علاوہ ان منازل کے جو پانی کے نیچے ذخائر اور اسباب کے لئے ہیں، سطح آب سے اوپر پانچ عرشے ہیں، سب سے اوپر کے عرشے کا بیشتر حصّہ کھلا ہوا ہے، اس کے ایک حصّے میں ایک بڑا حوض نہانے اور تیرنے کے لئے بنا ہوا ہے، باقی حصّے پر کپتان اور انجنیروں کے کمرے ہیں، اور آلات جہازرانی نصب ہیں۔ تمام عرشے کے چاروں طرف کشتیاں لٹک رہی ہیں۔

اس کے نیچے الف عرشہ ہے۔ اس کے بھی تین حصّے ہیں۔ سامنے کی طرف تو جہاز پر سامان چڑھانے کی مشینیں لگی ہوئی ہیں، وسط میں اوّل درجہ کے کچھ کیبن ہیں۔ شراب کی دوکان، تمباکو نوشی کا کمرہ، موسیقی کا کمرہ، کتب خانہ اور لکھنے پڑھنے کے کمرے بنے ہوئے ہیں، اور چاروں طرف برآمدہ ہے، جس پر لوگ چہل قدمی کرتے ہیں، کرسیوں پر بیٹھ کر سمندر کی سیر دیکھتے ہیں، اور یہیں رات کے وقت محفل رقص و سرود گرم ہوتی ہے، اس برآمدے کے گرد پندرہ چکر ایک میل کے برابر ہوتے ہیں، اس عرشے کے ایک سرے پر دھوبی خانہ ہے جس میں افسرانِ جہاز کے کپڑے مفت اور مسافروں کے کپڑے اُجرت پر دُھلتے ہیں، کام عمدہ ہوتا ہے، اُجرت مناسب لی جاتی ہے۔ الف عرشے کے نیچے ب عرشہ ہے اس پر باورچی خانہ ہے دوسرے درجے کے لئے تمباکو نوشی اور لکھنے پڑھنے کے کمرے۔ کتب خانہ، شراب کی دوکان، ہسپتال، پرسر کا دفتر اور جہاز کا چھاپہ خانہ ہے۔ وسط میں اوّل درجے کے کیبن ہیں، اور کھانے کا کمرہ ہے، اس عرشے پر نائی کی دوکان بھی ہے، بال کٹوائی ایک شلنگ مقرر ہے، نائی مسافروں کے سوٹوں پر اُجرت لے کر استری کرتا ہے، علاوہ ازیں اس نے ایک مختصر سی دوکان بساط خانے اور متفرق سامان کی بھی کھول رکھی ہے۔

اس کے نیچے ج عرشہ ہے جس پر اوّل اور دوسرے درجے کے کیبن ہیں غسلخانے

اور پاخانے ہیں، اور دوسرے درجے کا کھانے کا کمرہ ہے۔ زنانہ غسلخانے اور پاخانے علیحدہ ہوتے ہیں۔ زنانہ غسل خانوں میں کپڑے دھونے کی جگہ بھی بنی ہوئی ہے، اور بجلی کی استری اور استری کرنے کی میز بھی موجود ہوتی ہے۔ ڈی عرشے پر صرف کیبن غسل خانے اور پاخانے ہیں۔

جب ہم بمبئی سے روانہ ہوئے تو جہاز مسافروں سے پُر تھا۔ بہت کم لوگ کیبن کے اندر رہتے تھے، عرشہ الف پر ایک اژدہام رہتا تھا، کچھ لوگ اپنی کرسیوں پر پڑے سو رہے ہیں، کچھ کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ بعض عورتیں بیٹھی اُونی جرابیں بُن رہی ہیں۔ کچھ لوگ محض ہنسی مذاق اور گفتگو سے دل بہلا رہے ہیں، بڑے بچے اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے کھیلتے کودتے پھر رہے ہیں، چھوٹے بچّوں کو اُن کی مائیں یا نرسیں گاڑیوں کے اندر لٹا کر گھما رہی ہیں۔ بعض لوگ کتب خانے میں بیٹھے کتب بینی اور اخبار بینی کر رہے ہیں، یا محض اونگھ رہے ہیں، بعض تاش یا شطرنج کھیل رہے ہیں۔ غرضیکہ ہر طرف زندگی کے آثار نمایاں ہیں۔ سہ پہر کو کُھلی چھت پر بعض لوگ حوض میں تیرتے اور نہاتے ہیں۔ اور بعض ٹینس کھیلتے ہیں، جہاز پر ٹینس گیند کی جگہ رسّی کے حلقوں سے کھیلی جاتی ہے، جس کو کھیلنے والے ہاتھ سے ایک سفید خط کے اِدھر اُدھر پھینکتے ہیں۔ شب کو مغربی رقص ہوتا ہے۔ بینڈ بجتا ہے، دس گیارہ بجے تک چہل پہل رہتی ہے، پھر کچھ لوگ اپنے کیبنوں میں چلے جاتے ہیں، کچھ وہیں عرشے پر کمبل بچھا کر سو جاتے ہیں۔ اِس جگہ کیبنوں کا حال بیان کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اوّل اور دوسرے درجے والے مسافروں کی بود و باش کے کمرے کیبن کہلاتے ہیں۔ یہ عموماً دو مسافروں سے چار مسافروں تک کے لئے ہوتے ہیں۔ یعنی ایک کیبن میں جتنے پلنگ ہوتے ہیں اُتنے ہی مسافر اس میں رہ سکتے ہیں۔ پلنگ نہایت چوڑے اور آرام دہ ہوتے ہیں، جہاز کی طرف سے بچھونے چادریں، تکیئے، اوڑھنے کی چادریں اور کمبل دیئے جاتے ہیں۔ اور چادریں اور تکیوں کے غلاف ہر تیسرے دن بدلتے رہتے ہیں۔ فرش پر بیش قیمت قالین بچھا ہوتا ہے، ایک طرف سنگار میز ہوتی ہے، ہر مسافر کے لئے علیحدہ علیحدہ

وارڈروب یعنی کپڑوں کی الماری بھی ہوتی ہے، ایک جانب منہ ہاتھ دھونے کی میز اور ٹھنڈے پانی کا پائپ ہوتا ہے جس سے ہر وقت پانی لے سکتے ہیں، روزانہ صابون بھی ملتا ہے، اور ہر مسافر کو دو دو تولیئے دیئے جاتے ہیں جو روزانہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ بریں حسب ذیل سامان بھی ہر مسافر کو کیبن میں ملتا ہے۔ پانی کے لئے شیشے کی صراحی اور شیشے کا گلاس قے کرنے کا طشت، پیشاب کرنے کا پیالہ، ایک چینی کا جگ۔

کمرے کی چھت میں دو بجلی کے قمقمے ہوتے ہیں، اور ہر پلنگ کے سرہانے بھی ایک ایک قمقمہ ہوتا ہے، جسکی روشنی تیز اور دھیمی کر سکتے ہیں، ہر ایک کمرے میں ایک یا دو گول کھڑکیاں سمندر کی طرف کھلتی ہیں جن کو "پورٹ ہول" کہتے ہیں، پورٹ ہول کا دروازہ تین انچ موٹے شیشے کا ہوتا ہے، اور اوپر کی طرف کھلتا ہے، عام طور پر یہ کھلا رہتا ہے، لیکن اگر سمندر ذرا بھی متلاطم ہوتا ہے تو جہاز کے خلاصی آکر اس کو بند کر دیتے ہیں اور مضبوط پیچوں سے کس کر محفوظ کر دیتے ہیں۔ ہر کیبن کے روشندان اندرونی راستوں کی طرف کھلتے ہیں چھت میں ہر پلنگ کے اوپر ایک نل لگا ہوا ہوتا ہے اور اس کے نیچے کے سرے پر ایک پیتل کا گولا چاروں طرف گھومنے والا لگا ہوتا ہے، اس گولے میں ایک سوراخ ہوتا ہے، اس میں سے ہر وقت تیز ٹھنڈی ہوا نکلتی رہتی ہے، اگر ضرورت ہو تو اس سوراخ کا رُخ اپنی طرف کرکے ہوا کا لطف اُٹھا سکتے ہیں، ورنہ اس کا رُخ دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔

جہاز پر کھانا پانچ دفعہ ملتا ہے۔ صبح چھ بجے چائے بسکٹ اور پھل ملتے ہیں۔ آٹھ بجے ناشتہ ہوتا ہے، بارہ بجے دوپہر کا کھانا۔ پانچ بجے سہ پہر کی چائے، اور سات بجے شب کو پھر کھانا اس کے علاوہ، چائے، قہوہ، یخنی، ہر وقت مسافروں کو تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ پھل لوگ مانگ مانگ کر کھاتے رہتے ہیں، سمندر کی صاف اور معتدل ہوا کا اثر ہے کہ اس قدر غذا ہضم ہو جاتی ہے اور ہر وقت بھوک لگتی رہتی ہے۔

بندرگاہ کولمبو ۲۳۔ نومبر ۳ بجے جہاز کولمبو پہنچ گیا۔ چونکہ اس بندرگاہ میں

وہاں رف نہیں ہے، اس لئے ساحل سے تین چار فرلانگ کے فاصلے پر سمندر ہی میں جہاز لنگر انداز ہوا۔ جہاز سے بکثرت لوگ کشتیوں میں سوار ہو ہو کر ساحل پر گئے۔ جہاز کی اپنی کشتیاں ہر آدھ گھنٹہ کے بعد ساحل پر جاتی اور واپس جہاز پر آتی ہیں۔ یہ جہاز کے مسافروں کو مفت لیجاتی ہیں۔ ان کے علاوہ موٹر بوٹ کا کرایہ ایک روپیہ ہے، جہاز سے ساحلِ لنکا دور تک نظر آتا ہے، جس پر ناریل۔ کھجور، کیلے، اور چھالیہ کے درخت اُگے ہوئے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم ساحل پر نہ جا سکے، یہ تمنا بشرطِ حیات واپسی کے لئے اُٹھا رکھنی پڑی۔

جہاز پر تمام دنیا سے لاسلکی پیغامات موصول ہوتے رہتے ہیں، اور دن میں دوبار اُن کو ٹائپ کر کے کئی کاپیاں لائبریری میں رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح مسافر دنیا کے حالات سے ایک دن کے لئے بھی بے خبر نہیں ہوتے۔ بندرگاہوں پر لوگ اخبار خریدتے ہیں۔

جہاز پر ڈاک کا انتظام بھی معقول ہے، ٹکٹ مل جاتے ہیں، اور جہاز کے ڈاک خانے میں خطوط ڈال دیتے ہیں، بندرگاہوں پر یہ خطوط ساحل پر بھیجدیتے جاتے ہیں۔

پنانگ اور سنگاپور

کولمبو سے روانہ ہو کر ۲۷ نومبر کو پنانگ پہنچے اور ۲۹ نومبر کو سنگاپور۔ یہاں تک سفر نہایت پُر لطف، موسم خوشگوار اور سمندر پُر سکون تھا۔

پنانگ اور سنگاپور دونوں بندرگاہیں جزیرہ نمائے ملایا کے قریب جزائر پر واقع ہیں، اور برطانوی نو آبادیات ہیں۔ دونوں جگہ علاوہ ملایا آبادی کے غیر ملکیوں میں چینی اور ہندوستانی جزوِ غالب ہے۔ ملایا کی معاشرت پر ہندوستانی معاشرت کا بھی بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ ملکی آبادی تمام مسلمان ہے۔

سنگاپور کی بندرگاہ نہایت وسیع ہے، اور جزیرۂ سنگاپور اور ساحلِ جزیرہ نمائے ملایا کے درمیان واقع ہے، چاروں طرف پہاڑی سلسلوں سے گھری ہوئی ہے، ان پہاڑیوں کے پہلو کثرتِ بارش کے باعث سبز پوش ہیں، اور نہایت دلفریب معلوم ہوتے ہیں۔

ہانگ کانگ پہنچنا

۳۰ نومبر کو سنگاپور سے چل کر چھٹے روز ۵۔ دسمبر کو ہانگ کانگ پہنچ گئے۔ ہمارے سفر کا یہ حصہ طویل ترین اور نہایت صبر آزما تھا، ہوا تند اور تیز چلتی رہی، اور کثرتِ بادو باران سے سمندر سخت متلاطم رہا، جہاز حالت وجد میں تھا، بیشتر لوگ دوران سر اور امتلا میں مبتلا تھے۔ کہتے ہیں کہ موسم سرما میں بحیرۂ چین اکثر متلاطم ہی رہتا ہے، بارے خدا خدا کر کے جہاز نے بندرگاہ ہانگ کانگ میں قرار پایا، طوفان دُور ہوا، دھوپ نکلی اور طبیعت بحال ہوئی۔

ہمارے سامنے ہانگ کانگ کا جزیرہ ہے جس کے ساحل پر بلند پہاڑیاں کھڑی ہیں، اُن میں سے بلند ترین کی اونچائی ڈیڑھ ہزار فٹ ہے، اس کی چوٹی پر کیبل ٹرین جاتی ہے، اور عموداً اُوپر چڑھتی ہے، پہاڑی کے ڈھلانوں پر چوٹی سے سمندر کی سطح تک برابر مکانات بنے ہوتے ہیں، ان میں شب کے وقت جب روشنی ہوتی ہے تو سطح آب پر منعکس ہو کر نہایت دلفریب منظر پیش کرتی ہے۔

گذشتہ سترہ روز میں حیرت انگیز موسمی تغیر ہوا ہے، دہلی سے روانگی کے وقت اچھی خاصی سردی تھی۔ ایک دن میں بمبئی پہنچتے پہنچتے کافی گرمی ہو گئی، بمبئی سے سنگاپور تک برابر گرمی بڑھتی رہی، اور اگر ابر نہ ہوتا تو ناقابل برداشت ہو جاتی۔ ہانگ کانگ پہنچنے تک پھر کافی سردی ہو گئی، اور ٹھنڈی ہوا بُری معلوم ہونے لگی۔

ہانگ کانگ پہنچنے پر ہمارے جہاز کی آبادی میں اسیؔ فیصدی کمی واقع ہو گئی، مسافروں کی کمی، اور سردی کی زیادتی نے جہاز کی رونق اور چہل پہل بہت گھٹا دی۔ عرشہ اول اب بالکل خالی پڑا رہتا ہے، جو لوگ باقی ہیں وہ بھی خاموش نظر آتے ہیں، اور زیادہ وقت کیبن میں گذارتے ہیں یا کتب خانے میں۔

ہانگ کانگ سے شنگھائی تک

ہانگ کانگ سے شنگھائی تک سمندر کا رنگ بجائے نیلگوں کے زردی مائل ہے، جس کا

باعث چین کے عظیم الشان دریا ہیں، جو چین کی زرد مٹی بہا کر لاتے اور سمندر میں ملاتے رہتے ہیں۔ ایک اور خصوصیت اِس سمندر کی یہ ہے کہ اسکا کوئی حصّہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے کبھی خالی نہیں رہتا، یہ ہزاروں کی تعداد میں چٹائی کے بادبان اٹھائے نہایت بہادری اور لاپروائی سے موجوں کا مقابلہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ چینی دنیا کے قدیم ترین ملاح ہیں اور مردوں سے زیادہ عورتیں کشتی رانی میں مہارت رکھتی ہیں، کس قدر عجیب منظر ہے کہ چینی عورت کے کمر پر بچہ بندھا ہوا ہے، کشتی کے چپّو کو حرکت دے رہی ہے، دس گیارہ برس کا بیٹا یا بیٹی پاس کھڑی مدد دے رہی ہے۔ ہانگ کانگ میں مجھے معلوم ہوا کہ اس بندرگاہ میں ستّر ہزار آدمی ایسے ہیں جنھوں نے اپنی ساری عمر کشتی ہی میں رہ کر گذار دی ہے اور کبھی خشکی پر قدم نہیں رکھا۔

بندرگاہ شنگھائی

۹ دسمبر صبح آٹھ بجے ہمارا جہاز بندرگاہ شنگھائی پر لنگر انداز ہوا، یہ بندرگاہ مشہور دریا یانگ ٹی۔سی۔کیانگ کی ایک شاخ وانگ پو پر دہانے سے ساڑھ میل اوپر کی طرف واقع ہے۔ جہاز دریا کے اندر داخل ہوکر میلوں لمبے پلیٹ فارم (وہارف) پر لنگر انداز ہوتے ہیں۔ دریا کے دونوں کناروں پر سر بفلک عمارات کھڑی ہیں۔ ان میں سے کچھ بندرگاہ کے متعلق دفاتر اور گودام ہیں اور کچھ تجارتی کوٹھیاں اور ہوٹل ہیں، یہاں بھی شب کے وقت چراغاں کا لطف قابلِ دید ہوتا ہے۔

ب عرشے پر اکثر چینی تاجر خوردہ فروش اسباب تجارت پھیلا کر فروخت کر رہے ہیں، ان کے پاس چینی صنعتوں کے بعض عمدہ نمونے ہیں۔ مثلاً چینی کے برتن، پیتل کے برتن، تصاویر اور نقاشی کے نمونے، مورتیں، کاغذ کی لالٹینیں لکڑی کے کھلونے، کچھ ریشمی کڑھے ہوئے کپڑے۔

شنگھائی چین کا سب سے بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز ہے، شہر تین حصوں پر منقسم ہے (۱) بین الاقوامی نوآبادی (۲) فرانسیسی آبادی (۳) اور چینی بستیاں، کل آبادی سترہ لاکھ ہے غیر ملکی اقوام (برطانوی، امریکی، جاپانی وغیرہ) کی کل تعداد ستائیس ہزار ہے۔ بندرگاہ کی

پشت پر ایک طویل بازار ہے جو براڈوے کے نام سے موسوم ہے، میں نے اسکا صرف ایک جزو دیکھا ہے، مگر یہ جزو بھی تین میل سے کم نہ ہوگا، سڑک کچھ زیادہ کشادہ نہیں، دہلی کے چاندنی چوک کے برابر سمجھنا چاہیئے، دونوں جانب دو تین منزلہ سے لیکر چھ سات منزلہ تک عمارات کھڑی ہیں۔ آمدورفت کی بہت کثرت ہے، ٹریم کاریں، موٹریں، لاریاں، ٹیکسیاں، بسیں، سائیکلیں، اور رکشائیں، سینکڑوں اِدھر سے اُدھر بھاگتی پھرتی ہیں۔ دونوں طرف تنگ پٹریاں بھی پیدل چلنے والوں سے پُر رہتی ہیں، مگر یہاں جانوروں سے سواری یا باربرداری کا کام لینے کا رواج نہیں چینیوں میں عسرت و افلاس کی زیادتی ہے، اس لئے چینی مزدوروں کے غول کے غول بازاروں میں پھرتے اور بھاری بھاری بوجھ لے جاتے نظر آتے ہیں۔ مگر بوجھ سر پر نہیں اُٹھاتے، بلکہ بھاری بوجھ ایک موٹے بانس پر لٹکا کر ڈولی کی طرح دو آدمی بانس کے دونوں سرے کندھوں پر رکھ لیتے ہیں اور چلتے ہوئے زور زور سے چیختے ہیں "ہے ہے! ہا ہا! ہو ہو! ہے ہے! ہا ہا! ہو ہو" ان آوازوں سے ہر وقت بازار گونجتے ہیں، اور یہ نغمۂ بے ہنگام سننے والے کے دل پر عجیب پریشان کن اور غنودگی انگیز اثر پیدا کرتا ہے۔ دریا کے کنارے کنارے شہر کے مختلف حصّوں میں جانے کے لئے کشتیاں بھی بکثرت مستعمل ہیں، اور ہر وقت دریائے وانگ پو پر رواں دواں رہتی ہیں۔

چینی مرد و عورت کی جفاکشی دیکھ کر اور چین کی قدرتی دولت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ خیال گذرتا ہے کہ اُن کا افلاس محض جہالت، نااتفاقی اور قدامت پسندی کا نتیجہ ہے، اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو دنیا کا کوئی ملک چین کی ہمسری نہ کرسکتا۔

شنگھائی میں صرّافوں کی دوکانیں بڑی کثرت سے ہیں، مگر یہاں یہ لوگ زیور بیچنے یا سود پر قرض دینے کا کام نہیں کرتے، صرف سکّوں کے تبادلہ کا کام کرتے ہیں، ہوٹلوں کی بھی ازحد کثرت ہے، جس کی وجہ آنے جانے والے مسافروں کی فراوانی ہے۔

یہاں کی پولیس میں بیشتر تعداد ہندوستانی سکھوں کی نظر آئی، اور اسی طرح

ہانگ کانگ، سنگاپور، اور پنانگ میں بھی بکثرت سکھ محکمہ پولیس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شنگھائی اجنبیوں کے لئے نہایت خطرناک جگہ ہے، اور بالخصوص موٹر میں بغرض سیر جانا اکثر ہولناک نتائج کا باعث ہوتا ہے، موٹر ڈرائیور اکثر غیر معروف اور سنسان مقامات میں لیجا کر لوٹ لیتے ہیں یا جان لینے کی دھمکی دے کر کسی جگہ قید رکھتے ہیں، اور بغیر ایک زر خطیر وصول کئے نہیں چھوڑتے۔

شنگھائی میں ہندوستانی تجّار کی تعداد کافی ہے، اور یہی حالت ہانگ کانگ سنگاپور اور پنانگ کی ہے، ان میں بمبئی احاطے کے پارسی۔ سندھی۔ خوجے۔ بوہرے، زیادہ ہیں۔ کچھ بنگالی اور پنجابی بھی ہیں۔ مگر افسوس کہ خالص اُردو بولنے والے لوگ یہاں قطعًا نہیں پاتے جاتے۔ یہ لوگ وطن کی فاقہ کشی میں مست ہیں، اور ترک وطن کو موت سے بھی بدتر خیال کرتے ہیں۔

۱۱ر دسمبر کو ہم شنگھائی سے روانہ ہوتے، اور شام تک دریا سے گذرتے رہے، اس کے دونوں کناروں پر جو منظر دکھائی دیا وہ وادیٔ گنگا سے اِس قدر مشابہ تھا کہ وطن عزیز کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگی، وہی وسیع میدان، وہی نشیب و فراز کا فقدان، وہی لہلہاتے ہوئے کھیت اور گھنے باغات اور جنگلات۔

بحیرۂ جاپان

۱۲ر اور ۱۳ر دسمبر کو جہاز بحیرۂ جاپان سے گذرتا رہا، جو دنیا کے خوبصورت ترین سمندروں میں شمار ہوتا ہے، پہلے تو چھوٹے چھوٹے سرسبز جزائر سے گذرے اور پھر سمندر اتنا تنگ ہوگیا کہ جہاز سے دونوں جانب ساحل نظر آنے لگے جو سرسبزی و شادابی کے باعث تصویر کی طرح دلفریب معلوم ہوتے ہیں۔

جاپان کی پہلی بندرگاہ موجی

ہمارا جہاز جاپان کی پہلی بندرگاہ موجی کے قریب کچھ دیر کے لئے ٹھیرا۔ جاپان کی ڈاک جہاز پر آئی اور میرے لئے بھی ایک خط لائی، توکیو اسکول آف فارن لینگویجز کے

ڈائرکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ وہ میری آمد کا انتظار کر رہے ہیں، اور یوکوہاما کی بندرگاہ میں جہاز پر میرے خیر مقدم کا انتظام کریں گے۔ یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ فی الحال میرے عارضی قیام کے لئے کالج کے قریب ہی ایک ہوٹل میں انتظام کر دیا ہے، اسی مضمون کا ایک خط مجھے شنگھائی میں موصول ہو چکا تھا، اور ایک روز بعد ایک لاسلکی پیغام بھی آیا تھا جس کے جواب میں میں بھی جہاز سے لاسلکی پیغام روانہ کر چکا ہوں۔

حدودِ جاپان میں پہلا طبّی معائنہ

۱۴- دسمبر صبح سات بجے بندرگاہ کے جاپانی افسر ہمارے جہاز پر آئے اور ہم سب مسافر اوّل درجے کے سموکنگ روم میں طبّی معائنہ کے لئے طلب کئے گئے۔ مگر عجیب و غریب طبّی معائنہ تھا۔ سلام و مزاج پرسی کے بعد نام پوچھا گیا اور ناموں کی فہرست پر نشان لگا کر رخصت کر دیئے گئے۔ اس کے بعد دوسری جگہ پاسپورٹ دیکھے گئے ایک فارم بھروا کر اپنے پاس رکھ لیا اور پاسپورٹ واپس کر دیا۔ پاسپورٹ دیکھتے ہوئے ہر مسافر سے کچھ نہ کچھ سوال بھی کرتے جاتے تھے، چنانچہ مجھ سے میرے سفر کی غرض و غایت دریافت کی۔ جواب دینے کے بعد پوچھا آپ کیا مضمون پڑھائیں گے۔ میں نے کہا کہ "ہندوستانی زبان"۔ بڑی مشکل سے ان کے سمجھ میں آیا کہ "ہندوستانی" کیا چیز ہے۔ جب سمجھ گئے تو بہت محظوظ ہوئے۔

بندرگاہ کوبے

نو بجے جہاز کوبے کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ کوبے بلحاظ اپنے محلِ وقوع وسعت اور تجارت کے جاپان کی بہترین بندرگاہ ہے وسیع بندرگاہ میں چار بڑے بڑے پائر (پلیٹ فارم) ہیں، جن پر بیک وقت ۱۶ بڑے بڑے جہاز لنگر انداز ہو سکتے ہیں۔

۱۱ بجے رکشا لے کر شہر کی سیر دیکھنے روانہ ہوئے۔ شہر نئی وضع کے ہندوستانی شہروں سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ عمارات بالعموم چھ سات منزلہ ہیں اور پختہ اینٹ چونے سیمنٹ یا پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں لکڑی کے مکانات بھی نظر آتے ہیں۔ طرزِ تعمیر میں کسی قسم کی

دلکشی یا آرٹ کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ سڑکیں عموماً کشادہ اور مصفا ہیں۔ مگر بعض مقامات پہ تنگ و تاریک گلیاں بھی نظر آئیں۔

بازار دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن پر بڑی بڑی یورپین وضع کی دوکانیں واقع ہیں۔ ان میں تمام خرید و فروخت دکان کے اندر ہوتی ہے، دوسرے قسم کے بازار خالص جاپانی وضع کے ہیں، جن میں دوکانیں چھوٹی چھوٹی ہیں، بالعموم خرید و فروخت باہر ہی کھڑے ہو کر ہوتی ہے، رنگ آمیزی کی کثرت اور شوخی ان کی شان امتیازی ہے، ناموں کے بورڈ ان دوکانوں پر لکڑی یا دھات کے نہیں ہوتے بلکہ لمبے لمبے سرخ کپڑوں پر سفید کپڑے سے حرف کاٹ کر سی دیئے ہیں، اور اُن کی لمبائی کو ایک عمودی خط میں لٹکا رکھا ہے، اِن بازاروں میں برقی روشنی کی کثرت بھی قابل توجہ ہے، نہایت قریب قریب دو رویہ بجلی کے کھمبے کھڑے ہیں، اور ایک ایک کھمبے پر سات آٹھ قمقمے نصب ہیں، اِن کے علاوہ دوکانوں نے علیحدہ اپنی آرائش بجلی کے قمقموں سے کی ہے، بعض لوگ سڑک ہی پر عارضی دوکانیں لگائے مال بیچ رہے ہیں۔

بازاروں میں عورتوں کی کثرت بھی قابل توجہ ہے، جن کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے، یہاں خرید و فروخت زیادہ تر عورتیں ہی کرتی ہیں، عورتوں کی وضع پچیس تیس فیصدی انگریزی، یا یہاں کے محاورے میں بدیشی ہے، باقی خاص جاپانی لباس پہنے ہوتے ہیں۔

مرد قریب قریب تمام انگریزی یا نیم انگریزی وضع میں ہیں، جاپانی لباس مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں ہوتا ہے، سر کا لباس کچھ نہیں۔

عورتیں اپنے بالوں کو اس طرح پھُلا کر سنوارتی ہیں کہ ایک دستار کی سی شکل پیدا ہو جاتی ہے، پیروں میں بجائے جوتوں کے کھڑاویں پہنی جاتی ہیں، جو ہندوستانی کھڑاؤں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں، ایک خاص قسم کے کپڑے کے موزے بھی پہنتے ہیں، اور

کھڑاؤں کی وجہ سے اس موزے میں انگوٹھا دوسری انگلیوں سے علیحدہ رہتا ہے، جسم پر پہننے کے لئے دو قسم کے کپڑے ہوتے ہیں بنیان، اور جانگیہ پہن کر اوپر سے ایک قبا پہنتی ہیں جو اسقدر لمبی ہوتی ہے کہ کندھوں سے ٹخنوں تک تمام بدن ڈھک لیتی ہے۔ آستینیں سب سے زیادہ عجیب ہوتی ہیں۔ یہ بہت چوڑی اور کندھے کے اوپر سے جڑی ہوتی ہیں۔ مگر بغل کی طرف سے اُن کا مُنہ کھلا رہتا ہے اور نیچے کی طرف علیحدہ لٹکتا ہے، آگے کی طرف آستینوں میں ہاتھ نکالنے کے لئے جگہ کھلی ہوتی ہے باقی حصّہ آگے سے بھی بند ہوتا ہے، اِس طرح یہ آستینیں جیب کا کام دیتی ہیں، اِس قبا میں بٹن نہیں ہوتے آگے سے بالکل کھلی ہوئی ہوتی ہے، جاپانی زبان میں اس قبا کو "کمونو" کہتے ہیں۔ سردی کی وجہ سے کئی کئی کمونو اوپر نیچے پہن لیتے ہیں اور پھر دونوں بیٹ اوپر نیچے کر کے کمر پر ایک پٹکا باندھ لیتے ہیں، عورتیں اس پٹکے کی بجائے کمر پر ایک بالشت چوڑی پٹی باندھے رکھتی ہیں، اسکو کمر کے گرد لپیٹ کر پشت پر ایک بہت بڑی پھولدار گرہ لگاتی ہیں۔ کمونو کے اوپر ایک گھٹنوں تک نیچا اُورکوٹ ہوتا ہے، جو شکل میں کمونو سے ملتا جلتا ہوتا ہے، مگر اس کو سامنے کی طرف کھلا رکھتے ہیں اور صرف ایک چھوٹا ریشمی بند دونوں بیٹوں کو ملائے رکھتا ہے اس اُورکوٹ کو "ہوری" کہتے ہیں۔ بالعموم عورتوں کا لباس نہایت خوبصورت، سوتی، ریشمی، یا اونی چھینٹوں کا ہوتا ہے بعض عورتیں ان میں روئی بھی ڈلواتی ہیں، ہر عورت شانوں پر ایک چوڑا خوبصورت گلوبند ڈالے رکھتی ہے۔ بالحیث المجموع عورتوں کا یہ لباس نہایت نظر فریب اور دلکش معلوم ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ از حد درجہ ستر پوش بھی ہے۔

یہاں کی ہر چیز زبانِ حال سے اِس قوم کی دولت اور محنت کی شاہد ہے، مگر پھر بھی کہیں کہیں کچھ غریب اور معذور لوگ سرِ بازار بھیک مانگتے نظر آئے۔ ان کے بعد غریب طبقے میں رکشا اور ٹھیلے چلانے والے قلی فیکٹریوں کے مزدور کھیتوں میں کام

کرنے والے ہیں- ان کے چہروں پر افلاس کا اثر قطعاً نہیں، ان میں سے ہر شخص کا جسم اور لباس حد سے زیادہ صاف اور چہرے بشاش ہیں-

تعجب ہے کہ ایسے ملک میں جہاں ہر کام مشین سے ہوتا ہے اور بجلی "گیس" اور دخانی قوتیں اسقدر مستعمل ہیں، وہاں رکشا اور ہاتھوں کے ٹھیلے بھی موجود ہیں، بھاری ٹھیلے گھوڑے بھی کھینچتے ہیں، جو بہت جسیم اور قوی معلوم ہوتے ہیں- بیل بھی بار برداری کے کام آتے ہیں، یہاں کے گائے بیل ہندوستان سے بالکل مختلف شکل کے ہوتے ہیں ان کا رنگ عموماً بھورا ہوتا ہے، اونچے کم ہوتے ہیں لمبے زیادہ، منہ بھینس کی طرح بھاری ہوتا ہے، اور گردن بالکل کمر کی سیدھ میں ہوتی ہے-

آمد و رفت کی بڑی کثرت ہے، ریلیں بیچ شہر سے گذرتی ہیں- ٹریم کاریں، موٹریں، ٹیکسیاں، بسیں بے شمار ادھر سے اُدھر دوڑتی پھرتی ہیں، چوراہوں پر جاپانی پولس مین نیلی وردی پہنے بڑی ہوشیاری سے ان بے شمار گاڑیوں کو ادھر سے اُدھر گذارتا ہے، ہر قسم کی گاڑیاں چلانے والے بڑی احتیاط سے اُن کو چلاتے ہیں اور بائیں کا خیال رکھتے ہیں، مگر رکشا چلانے والے اس عام قاعدے سے بالکل بے نیاز ہیں عموماً بیچ سڑک میں چلتے ہیں، کبھی داہنی طرف بچتے ہیں اور کبھی بائیں جانب، پیدل چلنے والوں کے لئے سڑکوں کے دونوں جانب پٹریاں ہیں، مگر پیدل چلنے والے بھی عموماً بیچ سڑک پر چلتے ہیں-

غروب آفتاب کے بعد پھر تنہا ٹہلنے کے لئے شہر کی جانب چلا گیا، یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا، کہ بندرگاہ کے قریب بازاروں میں بیشتر دوکانیں سرِ شام سے بند اور بڑی بڑی عمارات بالکل بے چراغ تھیں- سڑکیں عموماً سنسان پڑی تھیں، اور اُن پر کافی روشنی بھی نہ تھی-

بندرگاہ یوکوہاما ۱۶- دسمبر کو ہمارا جہاز منزل مقصود یعنی بندرگاہ یوکوہاما

جا پہنچا۔ پروفیسر گاموصاحب جو مجھے لینے کے لئے تشریف لائے تھے، جہاز پر آئے۔ اُن سے تعارف ہوا، پھر اُن کی زیرِ نگرانی ہمارا اسباب جہاز سے اُتر کر کسٹم ہاؤس پہنچا، اور معمولی معائینہ کے بعد وہاں سے رخصت ہوکر ہم سب یوکوہاما کے ریلوے اسٹیشن پر آئے، اور الکٹرک ٹرین میں بیٹھ کر ۴۵ منٹ کے بعد دارالسلطنت جاپان ٹوکیو جا پہنچے، تھوڑی دیر بعد اپنے عارضی قیام گاہ یعنی ہوزن کاکو ہوٹل میں پہنچ کر ایک بڑے اور آرام دہ کمرے میں مقیم ہوگئے۔



"توکیو[1] پر ایک سرسری نظر"

ایشیا کا سب سے بڑا شہر
توکیو ایشیا کا سب سے بڑا شہر ہے، اور بلحاظ آبادی اور وسعت دنیا میں چھٹے درجے پر شمار ہوتا ہے، اپنی عالیشان عمارتوں، مصفا و کشادہ سڑکوں، پُر رونق بازاروں، اور قدیم و جدید دلفریبیوں کے حیرت انگیز اختلاط و امتزاج کے باعث قابلِ رشک مقام ہے۔

وسعت و آبادی
یہ شہر بحر الکاہل کی ایک شاخ "خلیج توکیو" پر ہلالی شکل میں آٹھ میل لمبا اور سات میل چوڑا پھیلا ہوا ہے، اس کے چاروں طرف میلوں تک ملحقہ آبادیاں بستی چلی گئی ہیں، جوں جوں شہر پھیلتا جاتا ہے یہ آبادیاں شہر میں مدغم ہوتی جاتی ہیں۔ صرف شہر کی آبادی اکیس لاکھ ہے، اور اگر ملحقہ آبادیوں کو شامل کرلیا جائے تو تیس لاکھ ہو جاتی ہے۔

شہر کے حصّے
شہر دو حصّوں پر منقسم ہے۔ سمندر کے کنارے کنارے میدان پر جو حصّہ واقع ہے، اُس میں شاہی محل، پبلک پارک، بازار، تجارتی کوٹھیاں بینک، اور سرکاری دفاتر ہیں، اور جو حصّہ بلندی پر آباد ہے، اس میں بود و باش کے لئے مکانات ہیں، میونسپل کارپوریشن نے شہر کو پندرہ وارڈوں پر تقسیم کیا ہے جن کو "کُو" کہتے ہیں۔

محل شاہی
وسط شہر میں محل واقع ہے جس کے گرد چھ میل لمبی مرتفع سنگین فصیل اور صاف شفاف پانی سے لبریز تیس چالیس فٹ چوڑی خندق ہے فصیل کے پتھروں کی سیاہی اور اُسکے اوپر سے جھانکنے والے پُرانے شمشاد و صنوبر کے درخت اس تعمیر کی قدامت پر شہادت دیتے ہیں۔

[1] عام طور پر ہندوستان میں اس نام کا تلفظ ٹوکیو، مشہور ہے، مگر جاپانی زبان میں ٹ کوئی تلفظ ہی نہیں ہے۔ صحیح تلفظ توکیو ہے۔

وجہ تسمیہ و تاریخ بناء

بارہویں صدی کے اواخر میں مشہور قائد اعظم "مینا موتو یوری تومو" نے اِس مقام پر شہر آباد کر کے اپنے ایک جنرل کے نام پر اسکا نام "ییدو" رکھا تھا، سنہ ۱۵۹۰ء میں توکوگاوا خاندان کے بانی "امی اے یاسو" شوگن (قائد اعظم) نے اِس شہر "ییدو" کو اپنا مستقر بنا کر یہ قلعہ اور محل اپنے اور اپنے دربار کے لئے تعمیر کیا اور اس کے گرد سات فصیلیں اور خندقیں اندر باہر بنائیں آج کل صرف اندرونی فصیل اور خندق باقی ہے، بیرونی فصیلوں کے نشانات و آثار کہیں کہیں باقی رہ گئے ہیں۔ "توکوگاوا" خاندان نے اِس شہر کو خوب سجایا اور سنوارا، لیکن چونکہ لکڑی کی عمارات بکثرت تھیں اس لئے آتشزدگی سے بسا اوقات نقصان پہنچتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ جاپانی زبان میں "گُلِ ییدو" معنی آتشزدگی محاورہ بن گیا۔ کئی بار تمام شہر عام آتشزدگی کے باعث بالکل برباد ہو گیا، مگر ہر بار جو نیا شہر تعمیر ہوا پہلے سے زیادہ خوبصورت بنا۔

سنہ ۱۸۶۸ء میں جب شوگن کا دورِ حکومت ختم ہوا، اور شاہنشاہیت نے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کیا تو شاہنشاہ میجی نے "کیوتو" کا قیام ترک کر کے ییدو کو اپنا دار السلطنۃ قرار دیا، اور "توکیو" یعنی مشرقی دار السلطنۃ اِس کا نام رکھا، اسوقت سے اس کی دلفریبیوں اور عظمت کو چار چاند لگ گئے۔

سنہ ۱۹۲۳ء کا زلزلہ اور توکیو کی کایا پلٹ

یکم ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء کو قیامت خیز زلزلے اور ہولناک آتشزدگی نے پھر اس شہر کو جلا کر خاک کر دیا۔ بظاہر جاپان کے لئے یہ ایک ناقابلِ تلافی مصیبت تھی، مگر اس شہر کے لئے یہی مصیبت باعثِ صد برکت بن گئی، کیونکہ اس بلائے ناگہانی نے قدیم وضع کی تنگ و تاریک اور پیچ در پیچ گلیاں اور چھوٹے چھوٹے مکانات کو جلا کر زمین صاف کر دی، پھر ایک بیدار مغز قوم کی حیرت انگیز الوالعزمی اور قابلِ تعریف ہمت نے



توکیو کا «ھیبیا» پارک

اِس قلیل مدت میں ایک نئی وضع کا شاندار شہر بنا کر کھڑا کر دیا۔

شہر کا بہترین حصّہ

شاہی محل کے گرد جو وارڈ ہے "کوجی ماچی کو" کہلاتا ہے۔ قلبِ شہر میں واقع ہونے اور غالباً محل کے قرب کی وجہ سے یہ شہر کا بہترین حصّہ ہے، پارلیمنٹ کی قدیم و جدید عمارتیں، تمام وزارت خانے، عدالتیں، سرکاری دفاتر، بیشتر سفارتخانے، بڑے بڑے بینک اور تجارتی کوٹھیاں اسی وارڈ میں واقع ہیں۔

محل کے جانبِ شرق ایک اتنی کشادہ سڑک ہے کہ دہلی کے چاندنی چوک سے تقریباً دوگنی ہوگی۔ ذرا مشرق کو ہٹ کر اِس کے متوازی ایک اِس سے بھی زیادہ چوڑی سڑک ہے جو تقریباً چار میل تک شمالاً جنوباً بالکل سیدھی چلی گئی ہے، اِس پر کہیں دونوں جانب اور کہیں ایک طرف مسلسل سات آٹھ منزلہ عمارات دور تک چلی گئی ہیں۔ اسی سڑک سے مزید مشرق کی جانب ایک بہت وسیع میدان ہے جو منقطع ہونے والی کشادہ اور خوشنما سڑکوں، روشوں، اور سبزہ زاروں کے باعث نہایت دلفریب معلوم ہوتا ہے، اِس میدان کی شکل تقریباً نصف دائرہ کی سی ہے، جس کے قطر کی لمبائی میں ادھر سے ادھر تک ٹوکیو سنٹرل اسٹیشن اور ملحقہ ہوٹل کی عمارات پھیلی ہوتی ہیں، اِس میدان کے جنوب میں سنٹرل پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف آفس کی خوشنما سفید عمارت اور مغرب کی جانب **مارونو اوچی** اسٹور کی ہشت منزلہ عمارت اور دیگر کوہ رفعت عمارات جاذبِ نظر ہیں، جس سڑک کا اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے اُس پر اگر جنوب کی طرف جائیں تو داہنی طرف محکمہ پولیس کے صدر دفاتر کی عمارات دور تک پھیلی ہوتی ہیں، جن کی دیوار محل کی قدیم دوسری یا تیسری فصیل کا ایک ٹکڑا ہے، اِس دیوار اور سڑک کے درمیان چالیس فٹ چوڑی خندق ہے جو ہمیشہ شفاف پانی سے لبریز رہتی ہے۔

بائیں جانب بہت سی خوشنما اور بلند عمارتوں سے گذر کر امپیریل تھیٹر کی عمارت

جاذبِ توجہ ہوتی ہے، کچھ دور اور آگے بڑھ کر داہنی جانب سڑک کے کنارے ہیبیا پارک پھیلا ہوا ہے جس نے سینتالیس ایکڑ زمین گھیر رکھی ہے، اس کے اندر ٹاؤن ہال کی دہ منزلہ عمارت واقع ہے۔ ہیبیا پارک کے مقابل سڑک کی دوسری طرف ایک نہایت خوبصورت شہ منزلہ عمارت میں "می متسو" اسٹور ہے، اسی طرف، کچھ دور آگے چل کر امپیریل ہوٹل کی وسیع عمارت ہے جو ۱۹۲۳ء کے زلزلۂ عظیم میں انہدام سے محفوظ رہی ہے۔

اِسی سڑک پر "ہیبیا" پارک سے ایک میل جنوب کی طرف "شیبا" پارک ہے، جس میں اب تک قدامت کی شان پائی جاتی ہے، اُس کے اندر سڑک سے متصل زوجوجی کا مشہور اور نہایت قدیم مندر ہے، اس کے پیچھے توکوگاوا خاندان کے مقابر ہیں جو اپنی صناعی کی نفاست و دلاویزی کے باعث نکّو کی شہرہ آفاق عمارتوں کے حریف خیال کئے جاتے ہیں۔

اِس پارک کے قریب ایک نہایت بلند پہاڑی پر توکیو ریڈیو اسٹیشن ہے، مذکورہ بالا سڑک کے متوازی مگر توکیو سنٹرل اسٹیشن کے پشت پر جو سیدھی سڑک دور تک پھیلی ہوئی ہے "نہان باشی"، "کیو باشی" اور "گنزہ" کہلاتی ہے۔ یہ بڑا پُر رونق اور مشہور بازار ہے، جس کے دونوں طرف سر بفلک عمارات کھڑی ہیں۔ صبح چھ بجے سے رات کے دو تین بجے تک آمد و رفت کی کثرت سے میلہ لگا رہتا ہے اور ہر وقت خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اسی بازار میں "متسوزاکایا"، "متویا"، "مسکوشی" اور "مثروکیا"، کے بے مثل ڈیپارٹمنٹ اسٹور واقع ہیں، جن میں ہر قسم کی اشیاء نہایت معقول اور ارزاں نرخ پر فروخت ہوتی ہیں۔ آٹھ آٹھ نو نو منزل کی سنگین اور بیش قیمت عمارات ہیں، جن کی آرائش سے نمائش کا دھوکہ ہوتا ہے۔

مگر گنزہ کی اصلی شہرت کا باعث اُس کے بے شمار ریسٹورنٹ، کیفے، اور شراب خانے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی مخصوص آرائش کے باعث آرٹ کا ایک نادرہ کار نمونہ ہے،

یہی مقامات شرمناک عیاشی اور حیا سوز بدمستیوں اور سیہ کاریوں کے مرکز ہیں، جہاں تجارت کے پردے میں حسن فروشی کا بازار گرم رہتا ہے، شب کے وقت جب پٹریوں پر گزری بازار لگتا ہے اور تمام بازار بجلی کی روشنی سے رشک نیمروز بن جاتا ہے، ہر عمارت ایک انوکھے انداز سے روشنی کر کے تماشائیوں کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہے، اور جب قہوہ خانوں، اور شراب خانوں سے نغمہ وسرود کی مسحور کن آوازیں بلند ہوتی ہیں تو ایک نووارد سیاح پر عجیب پُرسرور کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اس عالم سنگ وخشت سے بہت دور وہ کسی عالم تخیل میں پرواز کر رہا ہے۔

شہر کے شمال میں ویئو پارک واقع ہے، جو ٹوکیو کا سب سے بڑا پارک ہے۔ اس کا رقبہ شیبا پارک سے دوگنا اور ہبیا پارک سے چوگنا ہے، موسم بہار میں جب چیری کے درختوں پر پھول آتا ہے تو اس پارک پر عجیب جوبن ہوتا ہے، اس کے اندر چڑیا گھر، آرٹ گیلری، امپیریل میوزیم، امپیریل لائبریری، آرٹ اسکول، میوزک اکیڈیمی وغیرہ بہت سی مشہور اور قابل دید عمارات ہیں، اس پارک سے متصل ایک خوشنما چھوٹی سی جھیل ہے، موسم گرما میں اس جھیل پر سینکڑوں کشتیاں نظر آتی ہیں جن میں نوجوان مرد وعورت اور بچے لطف زندگی سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

ویئو پارک سے مغرب کی طرف امپیریل یونیورسٹی واقع ہے جو ۸۲ ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی ہے قانون، اقتصادیات، ادبیات، انجینئرنگ، سائنس، طب، غرض ہر فیکلٹی کے لئے علیحدہ علیحدہ وسیع اور شاندار عمارتیں ایک خوبصورت پارک میں پھیلی ہوئی ہیں۔

یونیورسٹی کے شفاخانے اور کتب خانے کی عمارات خاص طور پر قابل دید ہیں۔

یونیورسٹی کے ماتحت زراعتی کالج اور متعلقہ فارم شہر سے باہر واقع ہے، علاوہ بریں یونیورسٹی سے متعلق مگر بالکل علیحدہ شہر ہی میں چالیس ایکڑ زمین پر بوٹینیکل گارڈن لگایا گیا ہے جس میں تمام دنیا کے عجیب وغریب درخت اور پودے اُگے ہوتے ہیں۔ ٹوکیو میں اکیس [۲۱]

یونیورسٹیاں ہیں۔ ہر ایک کی عمارات، دار العمل، ہسپتال، اور کتب خانے قابل دید ہیں۔

یوں تو پبلک لائبریریاں بھی بہت ہیں لیکن اورئینٹل لائبریری بالخصوص قابل ذکر ہے اس میں مختلف السنہ مشرقیہ کی ڈھائی لاکھ کتابیں ہیں اور ساٹھ ہزار بیش قیمت قدیم نسخے ہیں۔ چینی سیکشن خاص طور پر نہایت عمدہ اور بہت وسیع ہے۔

اگرچہ توکیو میں بیشمار ہوٹل جاپانی اور مغربی وضع کے موجود ہیں، مگر مغربی وضع کے چند بہترین ہوٹلوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) اسٹیشن ہوٹل۔ توکیو سنٹرل اسٹیشن کے اندر ہی واقع ہے، اس میں ایک سو بیس کمرے ہیں۔ شرح کرایہ فی کمرہ علاوہ کھانے کے کم از کم چار ین اور زیادہ سے زیادہ سات ین ہے

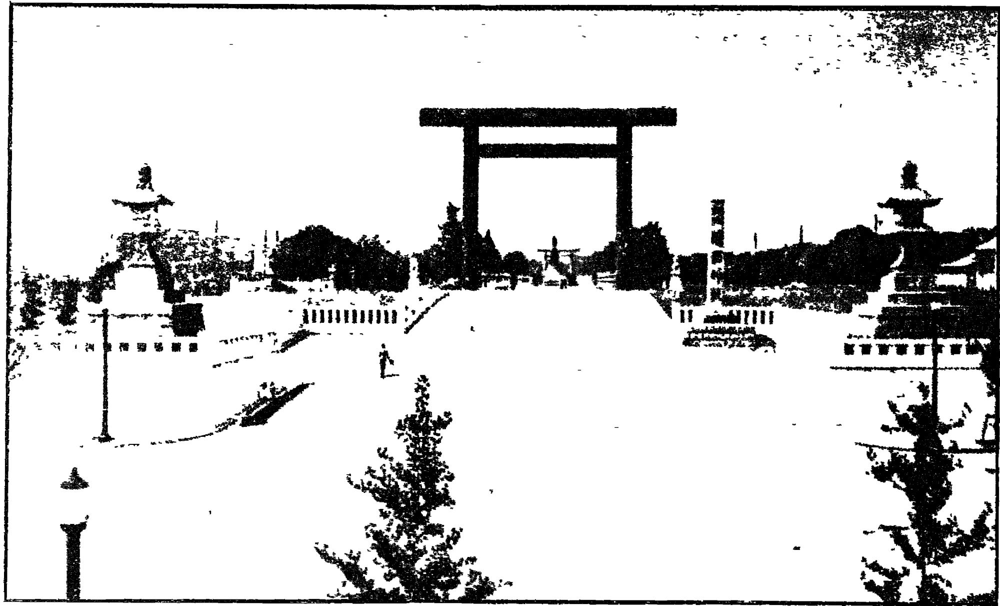
(۲) **ماروننواوچی ہوٹل**۔ توکیو سنٹرل اسٹیشن سے نہایت قریب واقع ہے۔ کمروں کی تعداد ایک سو اسی ہے۔ عمارت نہ منزلہ نہایت شاندار ہے۔ کرایہ کم از کم پانچ ین فی کمرہ ہے۔

(۳) **امپیریل ہوٹل** ہبیا پارک کے قریب واقع ہے۔ یہ سب سے زیادہ مشہور ہوٹل ہے کمروں کی تعداد چار سو تیس ہے۔ کرایہ علاوہ کھانے کے کم از کم سات ین ہے، ہوٹل کی عمارت میں "جاپان ٹورسٹ بیورو" کی ایک شاخ، بک اسٹال، نائی کی دکان، درزی کی دکان، کیوریو شاپ، میوزیم، اور ایک سینما ہال موجود ہے۔

جن لوگوں کو دو چار ماہ یا اس سے زیادہ قیام کرنا منظور ہو، اُن کے لئے ہوٹلوں کے بجائے اپارٹمنٹ میں رہنا زیادہ آرام دہ اور کم خرچ ہوتا ہے "بنکا اپارٹمنٹ" اور یوشنکان، اپارٹمنٹ بہت مشہور اور واقعی نہایت آرام دہ ہیں، ماہوار کرایہ کم از کم ساٹھ ستر ین ہوتا ہے، اِن سب مقامات میں انگریزی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

چند دیگر قابل دید مقامات

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند مزید قابلِ دید مقامات کا ذکر بھی مختصراً کر دیا جائے۔



شہدان ملّت کی یادگار

جہاں ہر سال خود شاہنشاہ پھول چڑھاتے ہیں

(۱) وسط شہر میں ایک مقام کوڈان ہے، یہاں اُن سپاہیوں کی یادگار بنی ہوئی ہے جو ۱۸۶۸ء سے اِس وقت تک مختلف جنگوں میں کام آچکے ہیں، اِس یادگار کا دروازہ نہایت بلند ہے۔ جاپان میں یہ سب سے بڑا دہات کا دروازہ ہے۔ اِس یادگار کے قریب ہی جنگی عجائب خانہ ہے، جہاں قدیم اسلحہ اور آلات جنگ رکھے ہوئے ہیں۔

(۲) "ہراجوکو" اسٹیشن کے قریب ایک وسیع پارک کے اندر شاہنشاہ میجی (عہد حکومت ۱۸۶۸ء تا ۱۹۱۲ء) کا مندر ہے۔ چونکہ جاپان کی موجودہ عظمت وترقی اِس اولوالعزم اور رعایا پرور بادشاہ کی رہین منت ہے، اس لئے یہ مندر تمام قوم کی اخلاص مندی اور ارادت کا مظہر ہے، اِس مندر کے پارک میں ایک بیس بال گراؤنڈ اور کشتی کا دنگل ہے جس میں بیک وقت پندرہ ہزار تماشائی بیٹھ سکتے ہیں۔

اس دنگل کے قریب ہی ایک آرٹ گیلری بھی ہے جس میں شاہنشاہ میجی کے عہد حکومت کے حالات تصاویر کے ذریعہ نہایت خوبی کے ساتھ واضح کئے گئے ہیں۔

(۳) سومیدہ دریا کے کنارے ایک وسیع میدان میں ۱۹۲۳ء کے زلزلۂ عظیم کی یادگار بنی ہوئی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مذکورہ بالا حادثے کے وقت لوگ چاروں طرف سے بھاگ بھاگ کر پناہ گزین ہوئے تھے، لیکن آگ نے ان کا تعاقب کیا اور چاروں طرف سے راہ فرار مسدود کرکے تیتیس (۳۳) ہزار آدمیوں کو ہلاک کرڈالا تھا۔ ان حادثات کو تصاویر نیم سوختہ اشیاء اور ماڈلوں کے ذریعہ سے خوب دکھایا ہے۔

(۴) مذکورہ بالا یادگار کے قریب ہی کوکوگیکان ایک زبردست مدور عمارت ہے جس پر ایک عظیم الشان گنبد بنا ہوا ہے۔ یہاں کشتیاں ہوتی ہیں یا نمائشیں منعقد کی جاتی ہیں۔

توکیو کی مرکزی حیثیت

توکیو جاپان میں قومی، ملکی، سیاسی، تعلیمی، صنعتی وتجارتی مرکز ہے، جاپانی قوم کو اپنے دارالسلطنت پر بڑا ناز ہے یہاں کی زبان اور یہاں کا تمدن تمام ملک کے لئے معیار ہے، جو لوگ توکیو میں پیدا

ہوتے ہیں وہ فخریہ یدوکو (طفل توکیو) کہلاتے ہیں۔

ذرائع آمد و رفت

اگرچہ عہد میجی (۱۸۶۸ء تا ۱۹۱۲ء) ہی میں توکیو کی تعمیر یورپین اور امریکن شہروں کی وضع پر شروع ہوچکی تھی، لیکن جن لوگوں نے توکیو کو ۱۹۲۳ء کے زلزلے سے قبل یا اس کے فوراً بعد دیکھا تھا وہ موجودہ شہر کا ذرا بھی انداز نہیں لگا سکتے۔ زلزلے سے قبل چند شاہراہوں کے علاوہ تمام سڑکیں نہایت خراب گندی تنگ اور ناہموار تھیں۔ موٹروں کا رواج بھی بہت کم تھا۔ زلزلے سے تمام پرانی عمارات منہدم ہوگئیں اور اُن کی جگہ عالیشان ہشت منزلہ و نہ منزلہ عمارات نے لے لیں۔ سڑکیں ہموار کشادہ اور مصفا بن گئیں۔ میونسپلٹی نے بیش قرار رقم خرچ کرکے اخراج آب کا نہایت معقول انتظام کیا۔ سڑکوں کی صفائی اور اُن پر آب پاشی کا انتظام بھی اتنا اچھا ہے کہ ہر وقت دھلی دُھلائی صاف و شفاف آئینہ سی سڑکیں اور پٹریاں دیکھ کر دل خوش ہوجاتا ہے۔ ہندوستان کے دو سب سے بڑے شہروں میں آج تک گھوڑے بیل اور بھینسوں سے چلنے والی گاڑیاں بڑی کثرت سے مستعمل ہیں۔ ان جانوروں کی موجودگی بڑی حد تک ان شہروں میں غلاظت کی ذمہ دار ہے۔

توکیو میں شاذ و نادر یہ جانور سڑکوں پر نظر آتے ہیں۔ ان کی جگہ موٹروں کی اس قدر کثرت ہے، کہ ہر کوچہ و بازار اور شاہراہ پر بسوں، ٹیکسیوں اور ذاتی کاروں کا تانتا سا بندھا رہتا ہے، اور بجز چوراہوں کے جہاں پولیس مین آمد و رفت کی نگہداشت کرتا ہے، سڑک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر جانا ممکن نہیں ہے، بسوں کا کرایہ ایک سیکشن کے لئے دس سین ہے۔ ایک سیکشن تقریباً پانچ میل لمبا ہوتا ہے ٹیکسیاں بھی نہایت ارزاں ہیں۔ شہر میں کہیں سے کہیں چلے جائیں پچاس سین کرایہ لیتے ہیں، اور اگر فاصلہ کم ہو اور کرایہ ٹھیرالیں تو تیس سین تک لے لیتے ہیں۔

تمام شہر میں سٹی ٹریم لائن کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے، اور شہر کے ہر حصہ میں اس کے



شاہنشاہ میجی کا مندر

ذریعہ سے جا سکتے ہیں۔ کرایہ صرف سات سین ہے، خواہ کتنی ہی دور جانا ہو اور کتنی ہی بار کار تبدیل کرنی پڑے، مزدوروں اور طالب علموں کو رعایتی ٹکٹ پانچ سین میں ملتا ہے۔ اگرچہ ٹریم کار سب سے سستی سواری ہے لیکن ایک اجنبی کے لئے اس سے فائدہ اُٹھانا نہایت دشوار ہے، ہر ٹریم پر منزلِ مقصود کا نام جاپانی زبان میں لکھا ہوا ہوتا ہے، نیز ہر لائن کے نمبر بھی علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے کہاں کہاں کار تبدیل کرنی پڑیگی اور کس کس نمبر کی ٹریم کار میں بیٹھنا چاہیئے۔ اُس وقت تک ٹریم کار میں سفر نہیں کر سکتے۔

شہر میں زیر زمین برقی ریل بھی چلتی ہے، مگر یہ ابھی تک بہت محدود ہے، اُمید کی جاتی ہے کہ عنقریب اس کی توسیع ہوگی اور سٹی ٹریم لائن کم کر دی جائیگی، کیونکہ ٹریم کے تاروں اور پٹریوں سے شہر کی خوشنمائی میں فرق آتا ہے، زیر زمین برقی ریل کا کرایہ دس سین ہے۔ ٹکٹ لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسٹیشن کے دروازہ میں ایک مشین لگی ہوتی ہے اُس کے اندر دس سین ڈال دینے سے دروازہ کھلتا ہے اور صرف ایک آدمی اندر جا سکتا ہے اُس کے بعد پھر دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔

بالائے زمین بھی ایک برقی ریل شہر کے گرد جاتی ہے، اور دوسری اس دائرے کو قطر کی طرح قطع کرتی ہے، ان دونوں لائینوں پر ریلیں ہر پانچ منٹ کے بعد چلتی ہیں۔ گول لائن کے مختلف اسٹیشنوں سے ہر طرف مضافات میں اسی قسم کی بجلی کی ٹرینیں چلتی ہیں باوجود اس قدر ذرائع آمد و رفت ہر وقت ہر قسم کی سواریوں میں اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ جس قدر لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اُسی قدر کھڑے رہتے ہیں۔

موٹر بسوں۔ ٹریم کاروں اور برقی ریلوں میں نشست نہایت آرام دہ مخملی گدّوں کی ہوتی ہے، درجہ ایک ہی ہوتا ہے۔ پہلے، دوسرے، اور تیسرے کا امتیاز نہیں ہے۔

ٹوکیو میں مشرقی و مغربی تہذیب کا امتزاج

تمام جاپان میں سب سے زیادہ مغربی تہذیب کا اثر ٹوکیو ہی میں نظر آتا ہے، لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مشرقی و ملکی تہذیب کی دلفریب رنگ آمیزی بالکل مٹ چکی ہے۔ برخلاف اس کے کوئی گوشہ اور کوئی حصہ مشرقیت کی جھلک سے خالی نہیں ہے۔ مغربی طرز کی کوہ رفعت عمارات کے پہلو بہ پہلو یک منزلہ و دو منزلہ مشرقی وضع کی دوکانیں بھی موجود ہیں، جن میں مچھلیاں، گوشت، ترکاریاں، پھل، کپڑا، کھڑاؤیں، چھتریاں، کھلونے، کتابیں، غرض ہر چیز اس طرح صفائی اور خوبصورتی سے سجا کر رکھتے ہیں، کہ سڑک پر سے گذرنے والا سارا سامان ایک نظر میں دیکھ لیتا ہے اور خریداری پر مائل ہوتا ہے۔

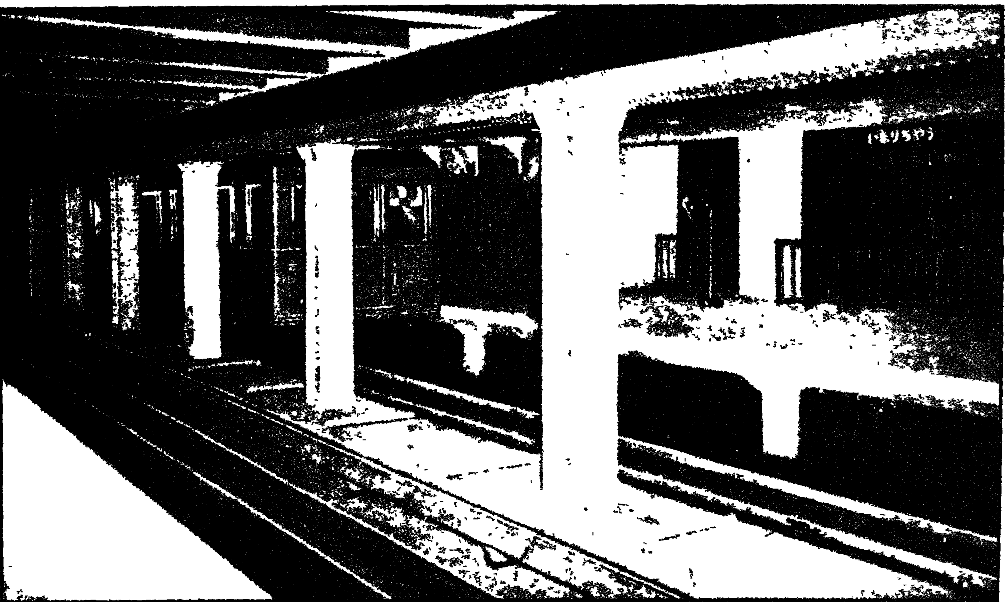
چند بڑی بڑی عمارتوں پر انگریزی حروف میں بھی نام لکھے ہوتے ہیں، مگر ہر طرف عجیب و غریب چینی رسم الخط کی عبارتیں دلوں پر رعب بٹھاتی ہیں۔

مغربی وضع کا لباس بڑی کثرت سے مستعمل ہے، مگر ہنوز اس کی سادگی، چستی اور روکھی پھیکی واقعیت مشرقی لباس کے حسن، آن بان، شان و شوکت اور رومانیت پر غالب نہیں آئی۔

قیام ٹوکیو کے حالات

ہوزن کا کو ہوٹل

۱۶ ردسمبر ۳۰ء - جہاز سے اتر کر جہاں ہم مقیم ہوتے ہیں مغربی وضع کا اوسط درجے کا ہوٹل ہے، اس کا نام "ہوزن کا کو" ہوٹل ہے، صفائی آرائش اور انتظام ہر طرح قابل اطمینان ہے، منیجر انگریزی جانتے ہیں ہوٹل کے تمام ملازمین مسافروں کے آرام کا خوب خیال رکھتے ہیں۔ میرے پاس جو کمرہ ہے اُس کا تمام فرنیچر نہایت عمدہ اور بالکل نیا معلوم ہوتا ہے، دو بڑی بڑی مسہریاں جن پر



زیر زمین چلنے والی ریل - ٹوکیو

ریشمی لحاف و توشک بچھی ہوئی ہیں اور سفید چادریں لگی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ ایک سنگار میز، ایک اسکرین، ایک ہیٹ ریک، ایک کپڑے ٹانگنے کی الماری، دو میزیں، چار کرسیاں، ٹھنڈے اور گرم پانی کا نل، برقی روشنی، برقی گھنٹی، اور سامان آرائش موجود ہے، گیس کی انگیٹھی سے کمرہ ہر وقت گرم رہتا ہے، تولئے اور چادریں ہر تیسرے روز تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

جاپانی ڈاکٹر

۷ ار دسمبر ۱۹۳۶ء۔ آج صبح سے بچی کو تیز بخار چڑھا ہوا ہے، ہوٹل والوں سے کہا تو انہوں نے اپنا ایک نوکر ہمارے ہمراہ کر دیا۔ بچی کو ساتھ لے کر قریب ہی ایک جاپانی ڈاکٹر کے مطب میں پہنچے۔ جوتے ڈیوڑھی میں اُتار کر فرشی سلیپریں پہن لیں اور ایک کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے، یہ کمرہ خوب گرم ہو رہا تھا، ایک میز پر بہت سے جاپانی اخبار و رسائل رکھے تھے، ڈاکٹر صاحب صرف بچوں کا علاج کرتے ہیں، اسلئے کمرے میں کئی جاپانی عورتیں اپنے بچوں کو لئے بیٹھی تھیں، ہر بچہ کپڑوں میں لپٹ کر فٹ بال کی شکل بنا ہوا تھا۔ خود عورتیں بھی بہت زیادہ کپڑے ریشمی، اونی، اور روئی بھرے ہوئے پہنے ہوئے تھیں، یہاں بچوں کو گود میں لینے کا رواج نہیں ہے، اور نہ اتنے کپڑے پہن کر گود میں لینا ممکن ہے، بچے کو کمر پر بٹھا کر ایک کپڑے سے باندھ لیتے ہیں، اوپر سے ایک روئی دار فرغل اس طرح پہن لیتے ہیں کہ تمام بچہ ڈھک جاتا ہے صرف منہ اور سر کھلا رہتا ہے۔

آدھ گھنٹے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنے پاس بلایا اور حال دریافت کیا۔ اب یہ دشواری پیش آئی کہ ڈاکٹر صاحب صرف جاپانی اور جرمن زبانیں جانتے تھے اور میں ان دونوں زبانوں سے ناواقف تھا، جو کچھ وہ پوچھتے تھے میں نہ سمجھتا تھا اور جو میں بیان کرنا چاہتا تھا وہ ڈاکٹر صاحب نہ سمجھتے تھے، اتفاقاً مسٹر گامو آپہنچے اور ہمارے درمیان ترجمان کا کام سرانجام دینے لگے۔ ڈاکٹر صاحب نے تھرمامیٹر لگا کر

ٹمپریچر دیکھا۔ پھر پیٹ زبان حلق سینہ دیکھا، اور آخر میں ایک چھوٹی سی ہتوڑی نکال کر جوڑوں پر مار مار کر دیکھتے رہے۔ علاوہ معمولی سوالات کے کچھ عجیب سوالات بھی کئے مثلاً "بچی کس دن پیدا ہوئی تھی؟" اس کے بھائی کی صحت کیسی ہے؟۔ وغیرہ وغیرہ۔

پانچ ین دوا، کی قیمت اور معائنے کی فیس ادا کی گئی۔ دوا، دی گئی اور شام تک طبیعت بالکل درست ہو گئی۔

اسکول آف فارن لینگویجز

ڈاکٹر کے یہاں سے واپس آکر مسٹر گاموکے ہمراہ مدرسے گیا مدرسے کی عمارت وسیع تو بہت ہے مگر خوشنما نہیں ہے۔ لکڑی کی عارضی عمارت ہے، مسٹر گاموں نے بتایا کہ ۱۹۲۳ء کے زلزلے عظیم سے قبل مدرسہ نہایت عمدہ عمارت میں تھا۔ مگر اس حادثہ کے وقت یہ عمارت نذرِ آتش ہوئی، اُس وقت سے مدرسہ عارضی عمارت میں ہے، عنقریب ایک عالیشان عمارت مدرسہ کے لئے تعمیر کی جائے گی۔

ڈائرکٹر صاحب (پرنسپل) سے ملاقات ہوئی، نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ مزاج پرسی اور سفر کے حالات دریافت کرنے کے بعد اپنے ہمراہ لے جاکر مدرسے کی عمارت دکھائی۔ آخر میں اُس بڑے ہال میں پہنچے، جہاں مدرسے کے پروفیسر خالی اوقات میں آرام کرتے ہیں۔ پروفیسر صاحبان سے میرا تعارف کروایا، اور پھر مجھے ہمراہ لئے ہوئے اپنے کمرے میں واپس آگئے۔ یہاں معاہدے پر طرفین کے دستخط ہوئے۔

اس کے بعد ڈائرکٹر صاحب نے برطانیہ کے سفارتخانہ کو ٹیلیفون کر کے دریافت کیا کہ سفیر صاحب سے اس وقت ملاقات ہو سکے گی یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ کل گیارہ بجے ملیں گے

ڈائرکٹر صاحب سے رخصت ہو کر مسٹر گاموکے ہمراہ اُردو پڑھنے والی جماعتوں میں گیا۔ مدرسہ کا نصاب چہار سالہ ہے۔ غیر ملکی زبانوں میں سے انگریزی، فرنچ، جرمن، اطالوی، ڈچ، ہسپانوی، پرتگیزی، روسی، منگولین، چینی، ملایا، فارسی اور ہندستانی

(اُردو) پڑھائی جاتی ہیں۔ ہر زبان کا ایک ایک شعبہ جداگانہ ہے، ہر شعبہ میں حسب ضرورت کچھ غیر ملکی پروفیسر ہیں کچھ جاپانی۔ انگریزی پڑھنے والے طلبہ کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے اس شعبہ میں چار انگریز اور پانچ جاپانی پروفیسر ہیں، روسی اور جرمن شعبوں میں بھی دو روسی اور دو جرمن پروفیسر ہیں، اور باقی شعبہ جات میں صرف ایک ایک غیر ملکی پروفیسر ہیں۔ جاپانی پروفیسروں کی تعداد غیر ملکی پروفیسروں سے کئی گنی ہے۔ کیونکہ ہر طالب علم کو علاوہ ایک غیر ملکی زبان کے کئی اور مضمون، مثلاً اقتصادیات، تاریخ، جغرافیہ، جاپانی لٹریچر، ٹائپ رائیٹنگ، فوجی ڈرل وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور یہ تمام کام صرف جاپانی پروفیسروں سے لیا جاتا ہے،

طلبہ مڈل اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد اس مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں۔ داخلہ کے لئے ایک سخت مقابلہ کا امتحان ہوتا ہے، داخلہ کے وقت طلبہ کی عمر کم از کم اٹھارہ سال ہوتی ہے۔

ہر شعبہ میں داخلہ ہر سال ہوتا ہے، مگر ملایا اور ہندوستانی شعبہ جات میں ایک سال داخلہ ہوتا ہے، ایک سال نہیں ہوتا۔ اس طرح ایک وقت میں صرف دو جماعتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ آج کل صرف پہلی اور تیسری جماعتیں موجود ہیں۔ پہلی جماعت میں صرف پندرہ طلبہ ہیں اور تیسری میں دس۔

پہلی جماعت نے آٹھ ماہ میں خاصی اچھی ترقی کی ہے، اُردو کی تیسری کتاب جو یو، پی میں رائج ہے، خوب صفائی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں، املا صحیح لکھتے ہیں اور کچھ گفتگو بھی کر لیتے ہیں۔

مسٹر گامو طلبہ کو اُردو کے معنی جاپانی زبان میں سمجھاتے ہیں۔ لیکن غیر ملکی پروفیسروں کو مدرسہ میں جاپانی زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں، اُردو کے معنی اُردو ہی میں سمجھانے چاہئیں، ورنہ ضرورت کے وقت انگریزی بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

سفیر برطانیہ سے پہلی ملاقات

۸ اردسمبر کو دس بجے مدرسے گیا۔ کچھ دیر تک پروفیسروں کے کمرے میں بیٹھا۔ پھر پہلی جماعت میں جاکر مسٹر گاموکو پڑھاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ گیارہ بجے ڈائرکٹر صاحب آئے اور مجھے اپنے ہمراہ برطانوی سفارتخانے لے گئے۔ سب سے پہلے مسٹر ڈیوس فرسٹ سیکریٹری سے ملاقات ہوئی۔ پھر وہ ہم دونوں کو اپنے ہمراہ لے گئے اور دوسرے سکریٹریز سے ملاقات کروائی۔ آخر میں سفیر صاحب کے پاس لے گئے۔ مسٹر سنو اس وقت قائم مقام سفیر ہیں۔ جوان اور وجیہ آدمی ہیں۔ نہایت خلیق اور خوش گفتار ہیں۔ بڑے تپاک سے ملے اور دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ ان سے رخصت ہوکر پھر مسٹر ڈیوس کے کمرے میں آئے۔ میرے قیام کے متعلق اُنہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ سفارتخانہ کے ایک سکریٹری مسٹر براڈ عنقریب جاپان سے جا رہے ہیں، اُن کا مکان خالی ہو رہا ہے، یہ مکان لے لیا جائے۔ ڈائرکٹر صاحب نے کسی مصلحت سے یہ تجویز پسند نہ کی اور بہ لطائف الحیل ٹال گئے۔ رخصت ہوتے ہوئے مسٹر ڈیوس نے مجھ سے کہا "آپ تنہائی سے پریشان نہ ہوں، ہم سب لوگ آپ کی ہر وقت مدد کرنے کے لئے تیار ہیں، اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو بلا تکلف مجھ سے کہدیجئے، اور وقتاً فوقتاً ملتے رہیئے"

سفارتخانے سے واپس آکر مسٹر گامو مجھکو کتب خانے کی سیر کرانے کے لئے لے گئے ایک کالج کے لئے خاصی اچھی لائبریری ہے۔ پندرہ مختلف زبانوں کی تقریباً ایک لاکھ کتابیں اس میں موجود ہیں، جاپانی، چینی، انگریزی، فرانسیسی، اور جرمن زبانوں کا ذخیرہ زیادہ ہے۔ ہندوستانی سیکشن میں بھی تقریباً دو ہزار کتابیں موجود ہیں۔ شبلی۔ حالی۔ آزاد۔ نذیر احمد۔ بشیر الدین۔ سرشار۔ شرر۔ سدرشن اور پریم چند کی اکثر تصانیف کے علاوہ بیشتر کتابیں ایسی ہیں جو انگریزی زبان میں ہندوستان کے متعلق لکھی گئی ہیں

ہندی اور بنگالی کی بھی کچھ کتابیں نظر آئیں۔

مسٹر پے پروفیسر زبان ڈچ

شام کو چار بجے مسٹر گامو، مسٹر عبد الغنی (پروفیسر زبان ملایا) اور مسٹر پے (پروفیسر زبان ڈچ) میرے قیام گاہ پر مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ مسٹر پے نے دوران گفتگو میں مجھ سے دریافت کیا "کیا ہندوستان میں ہر شخص کے لئے انگریزی زبان سیکھنا لازمی ہے؟" میں نے بتایا کہ مدارس میں انگریزی لازمی مضمون ہی نہیں، بلکہ علوم کی تحصیل اسی غیر ملکی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ مسٹر پے نے بیان کیا کہ وہ نسلاً ڈچ ہیں، مگر بلجیم کے باشندے ہیں۔ بلجیم میں ان کی قوم کو فرانسیسی زبان کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ لوگ اِس بات سے سخت بیزار ہیں، اور اپنی حکومت پر زور دے رہے ہیں کہ اُن کے بچوں کو تعلیم اُن کی مادری زبان کے ذریعہ سے دی جائے۔

مسٹر پے سوشلزم کے زبردست حامی ہیں، اور تقریر و تحریر کے ذریعہ ان خیالات کی نشر و اشاعت بھی کرتے ہیں، بڑا وسیع تجربہ رکھتے ہیں، اور تمام دنیا کا سفر کر چکے ہیں۔ دو سال سے یہاں کام کر رہے ہیں۔ اس عرصہ میں بھی اکثر لمبی تعطیلات میں سیر و سیاحت ہی کرتے رہتے ہیں۔ گذشتہ سال سائبیریا اور سوویٹ روس کی سیاحت پر گئے تھے۔ وہاں کے دلچسپ حالات بھی سنا رہے تھے، اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ سائبیرین ریلوے کے ذریعے سے ٹوکیو سے پیرس تک کل سفر پندرہ روز کا ہے، حالانکہ ریلیں چھکڑوں کی رفتار سے چلتی ہیں۔ کئی کئی روز کے بعد اسٹیشن آتے ہیں، اور آبادی نظر آتی ہے۔ صرف اکھری لاتن ہے، اس ریل پر سفر کرنے کے قواعد بھی بڑے عجیب و غریب ہیں۔ روسی روبل کی قیمت بیرونجات میں بہت کم ہے، مگر اپنے ملک میں شرح تبادلہ بہت گراں رکھی ہے۔ چنانچہ جب مسافر روسی سرحد پر پہنچتا ہے تو اُس کی تلاشی لی جاتی ہے، اور اگر اُس کے پاس روسی روبل موجود ہوتے ہیں تو وہ بحقِ سرکار ضبط ہو جاتے ہیں۔ اور بعض

حالتوں میں ویزہ بھی منسوخ ہو جاتا ہے، ہر مسافر کو تمام سفر میں خرچ کرنے کے لئے اسّی روبل خریدنے لازمی ہیں، اگر کوئی مسافر اسّی روبل دوران سفر میں خرچ نہ کرے تو اختتام سفر پر باقیماندہ روبل ضبط کر لئے جاتے ہیں، اتنا غنیمت ہے کہ سفر میں مسافروں کے آرام کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ کھانا نہایت عمدہ ملتا ہے، سونے اور بیٹھنے کی گاڑیاں بھی بہت آرام دہ ہیں۔ مسٹر پے کی گفتگو نہایت دلچسپ تھی، بہت خوش مذاق آدمی ہیں۔ موسیقی کے زبردست ماہر بھی ہیں، ایکٹر بھی۔ اور کامیاب جرنلسٹ بھی۔ فرانسیسی زبان میں روزانہ اخبارات کے لئے لمبے لمبے آرٹیکل لکھتے ہیں، مدرسہ کی تنخواہ کے علاوہ یہ بھی ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ ہے۔

ڈچ تو اُن کی مادری زبان ہے۔ فرانسیسی اور جرمنی زبانوں کے بھی فاضل ہیں مدرسہ میں بھی فرانسیسی اور ڈچ دونوں زبانیں پڑھاتے ہیں۔ انگریزی میں اپنا مطلب ادا کر لیتے ہیں۔ اچھی اور صحیح انگریزی نہیں بول سکتے۔ کیونکہ انگریزی انہوں نے جاپان آکر سیکھی ہے۔

"مسٹر عبدالغنی پروفیسر زبان ملایا"

۱۹ ردسمبر ۱۹۳۱ء صبح دس بجے، میں اور مسٹر گاموں مسٹر عبدالغنی کے مکان پر گئے۔ مسٹر عبدالغنی ملایا کے مسلمان ہیں، آٹھ سال سے اس کالج میں ملایا زبان کے پروفیسر ہیں۔ نہایت خلیق اور یار باش آدمی ہیں۔ توکیو میں ہر طبقہ کے لوگوں میں اُن کے سینکڑوں دوست موجود ہیں۔ کچھ دیر اُن کے یہاں بیٹھ کر ہم تینوں یوکوہاما گئے۔ آج مسٹر عبدالغنی کے ایک دوست جاپانی جہاز چی چی بامارو سے امریکہ جا رہے تھے اُن کو رخصت کرنے کے لئے جہاز پر گئے۔ اس جہاز کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا، اب تک میں یہ سمجھتا تھا کہ جاپانی جہاز نہایت خراب قسم کے اور بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس جہاز کو دیکھ کر اس غلط خیال کی تصحیح ہوگئی۔ جہاز کیا ہے گویا پانی پر تیرتا ہوا محل کھڑا کر دیا ہے۔ اس کی صفائی

آرائش اور سازو سامان قابل دید ہے، بالخصوص جہاز کے بیچ میں تیرنے کے لئے ایک حوض سنگ مرمر کا بنایا ہے، جو اپنی خوبصورتی اور نزاکت کے باعث تصویر معلوم ہوتا ہے

"ہمارا جاپانی مکان"

یوکوہاما سے واپس آکر مسٹر عبدالغنی کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا، انہوں نے بتایا کہ اُن کے مکان سے قریب ہی ایک مکان کرائے کے لئے خالی ہے، جاکر مکان دیکھا۔ پسند آیا۔ اُسکے متعلق گفت وشنید ہوکر یہ بات قرار پائی کہ کرایہ پینتیس ین ماہوار ہوگا۔ اور سو ین بطور ضمانت پیشگی جمع کرنے پڑینگے۔ کرائے کے مکان میں نقد ضمانت لینے کا یہاں عام دستور ہے، جاپانیوں سے بھی لی جاتی ہے۔ جس وقت مکان چھوڑتے ہیں اس وقت یہ رقم واپس مل جاتی ہے۔

۲۰ دسمبر ۱۹۳۰ء صبح دس بجے ہوٹل کا حساب کردیا۔ موٹریں منگا کر اسباب ان میں رکھوایا اور اہل وعیال کے ساتھ مسٹر عبدالغنی کے مکان پر آیا، یہ مقام ڈینچوف کہلاتا ہے ٹوکیو کے مضافات میں سے ایک بستی ہے۔ ہمارے مدرسہ سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شرفاء اور امراء کی آبادی ہے، اس لئے ہر طرف نہایت خوشنما عمارات نظر آتی ہیں، نئی آبادی ہونے کے باعث ابھی تک گنجان بھی نہیں ہے، بازار بھی موجود ہے ضرورت کی تمام اشیاء مل جاتی ہیں۔

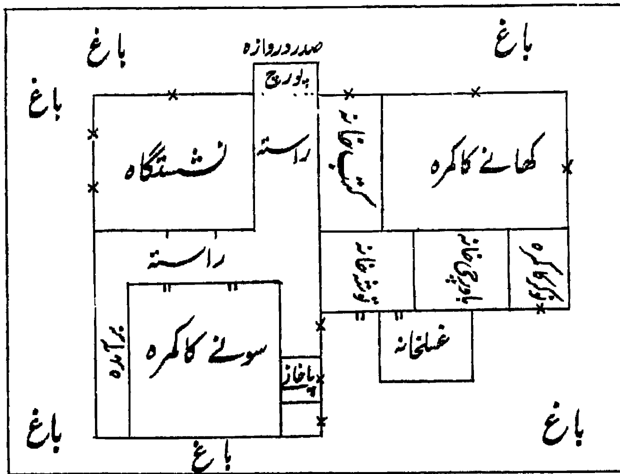
مکان کی صفائی ہوئی، ضروری سامان خریدا گیا۔ اور شام کا کھانا مسٹر عبدالغنی کے یہاں کھاکر اپنے مکان میں منتقل ہوگئے۔

یہاں پلنگوں یا مسہریوں کا دستور نہیں، تمام جاپانی لوگ فرش ہی پر بچھونے بچھاکر سوتے ہیں۔ انگریزی وضع کی مسہریاں ملتی ہیں، مگر ایک مسہری کی قیمت ڈیڑھ سو ین (تقریباً دو سو روپیہ) سے کم نہیں ہوتی۔ لحاف توشک ہم اپنے ہمراہ لے گئے تھے اور احتیاطاً لحافوں میں آٹھ آٹھ سیر روئی ڈلوائی گئی تھی۔ مگر سمندر کی مرطوب ہوا سے

نئی روئی راستہ ہی میں خراب ہوگئی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ لحاف و توشک بالکل بیکار ہیں۔ نئے بنوانے پڑیں گے۔ لحافوں میں کم از کم پندرہ پندرہ سیر روئی ڈلواتے ہیں۔ اور توشک میں دس دس سیر، جاپانی عموماً ایسے موٹے موٹے دو لحاف اوڑھتے ہیں اور دو توشکیں نیچے بچھاتے ہیں، لحافوں کے نیچے کمبل لگانے بھی ضروری ہیں۔

نئے لحاف بچھونوں کے لئے اُسی وقت آرڈر دیدیا گیا۔ شب کو مسٹر عبد الغنی کے یہاں سے مستعار لے لئے۔ چینی کی ایک بہت بڑی انگیٹھی میں آگ روشن کرکے سونے کے کمرے میں رکھدی گئی۔

ہمارے مکان کا نقشہ حسب ذیل ہے۔



یہ مکان بلندی پر واقع ہے، ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں سے بہت دور تک منظر دکھائی دیتا ہے، یہ جاپانی وضع کا مکان ہے، مکان کے چاروں طرف مختصر پائیں باغ ہے تمام مکان لکڑی شیشہ اور کاغذ کا بنا ہوا ہے۔

جاپانی مکانات یہاں کے مکانوں کی ساخت اور وضع ہندوستانی

مکانوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ زلزلوں کے خطرے سے بچنے کے لئے لکڑی کے مکانات بنائے جاتے ہیں۔ اوّل تو لکڑی کے مکانات زلزلے کی حرکت کو زیادہ اچھی طرح برداشت کر سکتے ہیں، دوسرے اگر لکڑی کا مکان گرتا ہے تو رہنے والوں کو جان و مال کا اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا اینٹ پتھر کے مکانات میں پہنچ سکتا ہے، زلزلوں کی اس قدر کثرت ہے کہ ہفتہ میں دو بار ضرور آتا ہے، اور بعض اوقات روزانہ اور ایک دن میں کئی کئی بار کی نوبت بھی آجاتی ہے، سال بھر میں ایک بار کافی زور سے آتا ہے، دس سال میں ایک بار خوفناک زلزلہ آتا ہے، مگر ساٹھ سال میں ایک بار ایسا قیامت خیز زلزلہ آتا ہے کہ لاکھوں جانیں ضائع ہوتی ہیں، اور شہر کے شہر مسمار و منہدم ہو جاتے ہیں۔

لکڑی کے مکانات بنا کر زلزلوں سے تو کچھ حفاظت ہو جاتی ہے لیکن آتش زدگی کا امکان بڑھ جاتا ہے، اور باوجود انتہائی احتیاط کے اکثر اس سے نقصان پہنچتا رہتا ہے دوسرے لکڑی کے مکانات میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ یہ سردی سے پوری طرح حفاظت نہیں کر سکتے۔ عام طور پر رہنے کے مکانات یک منزلہ بناتے ہیں۔ بعض مکانات دو منزلہ بھی ہوتے ہیں، مگر سہ منزلہ لکڑی کے مکانات نوادر میں سے خیال کئے جاتے ہیں۔

ان لکڑی کے مکانات میں زمین کھود کر گہری بنیادیں قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، زمین ہموار کر کے اُس پر صرف ایک اینٹ چوڑی اور دو تین اینٹ اونچی بنیاد سیمنٹ سے جما دیتے ہیں، اس پر ڈیڑھ فٹ اونچے لکڑی کے پائے قائم کرتے ہیں، ان پر شہتیر اور تختے لگا کر مکان کا فرش بناتے ہیں جو زمین سے دو ڈھائی فٹ اونچا رہتا ہے، راستوں کے فرش پر چھ انچ چوڑے عمدہ صاف پالش کئے ہوئے تختے برابر جڑتے ہیں اور اُن کو ڈھکتے نہیں، لیکن کمروں کا فرش معمولی تختوں کا ہوتا ہے اور اس پر ایک خاص قسم کی چٹائیاں بچھاتے ہیں۔

یہ چٹائیاں ہمیشہ چھ انچ موٹی، تین فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی ہوتی ہیں، ان کے

کناروں پر سیاہ، پھولدار ریشم کی گوٹ لگی ہوتی ہے، بھاری اور موٹی ہونے کی وجہ سے جب یہ کمرے میں ایک بار برابر برابر بچھا دی جاتی ہیں تو اس طرح پھنس جاتی ہیں کہ بغیر اٹھائے ہوتے اپنی جگہ سے نہیں ہلتیں، دو سال میں ایک بار مکان دار اُن کو تبدیل کروا دیتے ہیں اور سال میں دو بار قانوناً ان چٹائیوں کو ہٹا کر نیچے کے تختوں کی صفائی کرنی پڑتی ہے۔ جاپان میں کمروں کی پیمائش ہمیشہ ان چٹائیوں کی تعداد کے ذریعہ بتائی جاتی ہے۔ دیواریں اس طرح بناتے ہیں کہ شہتیر عموداً کھڑے کر کے اُن کے بیچ میں پتلی پتلی لکڑیوں کی جعفری بناتے ہیں اور پھر اس پر مٹی کی لپائی کرتے ہیں، کمروں کے اندر کی جانب اس ہموار لپائی پر نہایت خوبصورت پھولدار یا سادہ رنگین کاغذ نہایت صفائی کے ساتھ چڑھاتے ہیں، مکان کی بیرونی دیواروں پر لمبے اور پتلے تختے اس طرح ایک دوسرے پر کنارہ چڑھا کر جڑتے ہیں کہ بارش کا پانی اندر نہیں مر سکتا۔ ان تختوں پر کسی رنگ کا روغن اور پالش بھی کر دیتے ہیں۔ ایسی دیواروں میں نہ طاق یا الماریاں بن سکتی ہیں اور نہ اُن کا رواج ہے، کوٹھریاں بھی نہیں بناتے تو پھر متفرق سامان کہاں جاتا ہے؟

جاپانیوں کے یہاں اول تو اس قسم کا بہت سامان ہوتا ہی نہیں، جو چیز ہوتی ہے وہ آرائشی و نمائشی ہوتی ہے، اس لئے کمروں ہی میں سجا کر رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو علیحدہ رکھی جائیں، اُن کے لئے یہ انتظام ہوتا ہے کہ بعض کمروں میں دوہری دیوار بنا کر ایک بخاری بناتے ہیں اور اس کے بیچ میں الماری کی طرح ایک تختہ بھی لگا دیتے ہیں۔ دراصل یہ بخاری اس غرض کے لئے ہوتی ہے کہ صبح کو بچھونے تہ کر کے اُن کے اندر رکھ دیتے ہیں، اور متفرق سامان بھی اس میں آجاتا ہے، ان بخاریوں کے دروازے بھی ایسے ہوتے ہیں کہ خواہ الگ نکال کر رکھ دو خواہ لگا کر بخاری بند کر دو۔

چھتیں ہمیشہ دوہری بنائی جاتی ہیں اور بہت بھاری ہوتی ہیں۔ بارش چونکہ

تمام سال ہوتی رہتی ہے، اس لئے اوپر کی چھت ہمیشہ کھپریل کی ہوتی ہے۔ کھپریل ہندوستان کی سی کمزور، بدنما، اور سستی نہیں ہوتی، بلکہ نہایت مضبوط اور خوبصورت ہوتی ہے، اور باوجود اس قدر بارش کے چھتیں شاذونادر ٹپکتی ہیں۔ بعض مکانات میں کھپریل کی جگہ سلیٹ یا سیسے کی چادریں بھی چوکھونٹی کاٹ کر برابر برابر کنارہ اوپر نیچے کرکے جڑ دیتے ہیں۔ نیچے کی چھت چونکہ محض چھت گیر کا کام دیتی ہے، اس لئے صرف نمائشی ہوتی ہے اور بہت باریک مگر نہایت خوبصورت تختوں کی بنائی جاتی ہے، اعلیٰ قسم کی عمارتوں میں یہ لکڑی کی چھت گیر بہت بیش قیمت ہوتی ہے،

ان چھتوں کے متعلق یہ بات نہایت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ مکان بننے سے قبل زمین پر لکڑی کی چھت مکمل بنالی جاتی ہے اور اس کی مضبوطی کی آزمایش کرنے کے بعد پھر پیچ وغیرہ کھول کر اس کے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ کرلیتے ہیں۔ مکان کی دیواریں کھڑی کرنے کے بعد پھر یہ چھت کے ٹکڑے اوپر لیجاکر اپنی اپنی جگہ کس دیتے ہیں اور پھر اوپر سے کھپریل ڈالدیتے ہیں۔

ان مکانات کے دروازے بھی نہایت عجیب اور دنیا بھر سے انوکھے ہوتے ہیں۔ یہ دروازوں کا بھی کام دیتے ہیں اور دیواروں کا بھی۔ یہ دروازے لکڑی کے فریم ہوتے ہیں۔ اسی شکل کے جیسے تصاویر کے فریم ہوتے ہیں، مگر ان فریموں کے اندر باریک لکڑی کا ایک چارخانہ سا بنا ہوتا ہے، اِس فریم کے ایک طرف نہایت صفائی سے باریک کاغذ چپکا دیتے ہیں، یا بعض اوقات لکڑی کا بڑا چارخانہ بنا کر اس میں بجائے کاغذ کے شیشے لگا دیتے ہیں چھت اور فرش میں اوپر اور نیچے اس قسم کے دوہرے لمبے لمبے خانے بنے ہوتے ہیں جن میں یہ فریم پھنسا دئے جاتے ہیں، اور ان خانوں کے اندر یہ فریم اِدھر اُدھر سرک سکتے ہیں۔ جب یہ فریم کھینچ کر برابر برابر کھڑے کردئے جاتے ہیں تو دو کمروں کے بیچ میں ایک عارضی دیوار بن جاتی ہے، ان میں سے ایک فریم کو سرکا کر دوسرے کے پیچھے کردیں تو اسی عارضی دیوار میں ایک دروازہ کھُل جاتا ہے۔ شب کو یہ فریم برابر کرکے کمرے

بند کردیئے جاتے ہیں، اور دن کے وقت اِن فریموں کو اُتار کر ایک کونے میں کھڑے کر دیتے ہیں تو گویا تمام مکان ایک ہو جاتا ہے، اور باہر کی ہوا اور دھوپ خوب گھر میں آسکتی ہے۔

مندروں، ہوٹلوں، اور اُمرا کے مکانات میں اِن فریموں پر ریشمی کپڑا چڑھا کر اُس پر نقاشی کرتے ہیں اور بعض وقت ایک ایک فریم پر کئی سو ین لاگت آتی ہے۔

تمام مکان خوبصورتی، صفائی، نفاست اور نزاکت کی وجہ سے گڑیوں کا گھر معلوم ہوتا ہے۔ نزاکت کی یہ حالت ہے کہ اگر آندھی چلتی ہے یا بادل گرجتے ہیں تو تمام گھر پتّے کی طرح ہلتا ہے۔ عمدہ سے عمدہ گھر باوجود مرمت کرتے رہنے کے بیس برس میں اس قابل ہو جاتا ہے کہ دوبارہ تعمیر کیا جائے۔

مکانات کے بیچ میں صحن نہیں ہوتا۔ پردہ کا رواج نہ ہونے اور آب و ہوا سرد ہونے کے باعث صحن کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

اپنے گھر کا ذکر کرتے کرتے بر سبیل تذکرہ جاپانی گھروں کی عام کیفیت بیان ہو گئی۔ اب میں پھر اپنے مکان کا حال عرض کرتا ہوں۔

اس مکان کے دو کمرے مغربی وضع کے ہیں۔ اسی حد تک جس حد تک ایک لکڑی کے مکان میں ایسے کمرے بنائے جا سکتے ہیں۔ ان کمروں کے دروازے اور کھڑکیاں اسی قسم کی ہیں جیسی ہندوستان میں بنگلوں اور کوٹھیوں میں ہوتی ہیں۔ ان کے فرش بھی جاپانی چٹائیوں سے محروم ہیں، اِس لئے ان کے لئے دری، قالین اور فرنیچر لازمی ہے۔ ان کمروں میں چھت گیر بھی بجائے لکڑی کے سیمنٹ سے بناتے گئے ہیں۔

بیرونی دروازے کے قریب ڈیوڑھی کا کچھ حصہ نیچا ہے اور اس کا فرش سیمنٹ کا ہے جوتے یہیں اُتار دئے جاتے ہیں۔ باقی حصہ اونچا ہے یعنی کمروں کی سطح کے برابر ہے۔ اس پر لکڑی کا فرش ہے۔ گھر میں نل بجلی اور گیس موجود ہے۔ بجلی اور گیس یہاں اس قدر سستی ہے کہ بافراط استعمال کرنے کے باوجود دونوں کا ماہوار بل چھ سات ین سے زیادہ نہیں ہوتا۔

اسی لئے تقریباً ہر گھر میں یہ آسانیاں موجود ہیں۔ اور غربا بھی ان سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں
گیس کی وجہ سے نہ تو گھر دھوئیں سے کالا ہوتا ہے اور نہ آگ روشن کرنے میں کوئی زحمت
ہوتی ہے۔ پیچ کھول کر دیا سلائی دکھانے کی ضرورت ہے۔ فوراً شعلہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے
ایک منٹ میں پانی کھولنے لگتا ہے۔ گیس ہی کی وجہ سے یہاں کھانا پکانے میں آدھ گھنٹے
سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا۔ افسوس ہمارا ملک ابھی تک اس چیز سے محروم ہے۔

شیبویہ

۲۱ر دسمبر ۳۰ء صبح دس بجے مسٹر عبد الغنی کے ہمراہ شیبویہ گیا۔ یہ ٹوکیو سے
بالکل ملحق نہایت بارونق اور عمدہ بستی ہے۔ ابھی تک یہ ٹوکیو شہر میں
شمار نہیں ہوتی لیکن عنقریب اس کا الحاق ہونے والا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً اسی ہزار ہے۔
یہاں ایک دکان سے فرنیچر خریدا، ڈرائنگ روم، اور ڈائننگ روم کے لئے دوسٹ،
اور کچھ متفرق سامان لے کر دکان دار کو مکان کا پتہ بتا دیا۔ دکان دار خود تمام سامان
بحفاظت گھر پہنچا دے گا۔ یہاں تمام بڑی بڑی دکانوں پر اس قسم کا انتظام ہوتا ہے۔
اس کام سے فارغ ہو کر ٹوکیو کے مشہور سر برآوردہ روزانہ اخبار "نیچی نیچی" کے
دفتر میں پہنچے۔ بڑی شاندار عمارت ہے۔ سینکڑوں آدمی دفتر میں کام کر رہے تھے۔ خادمہ
کے لئے ہم اشتہار شائع کرانا چاہتے تھے۔ ایک کھڑکی کے سامنے اشتہار کا مضمون پیش کیا
اُجرت خزانچی کو دی اور رسید لے کر گھر چلے آئے۔

۲۲ر دسمبر ۳۰ء آج صبح سے ابر و باراں کے باعث سخت سردی ہو رہی ہے۔
صبح ہمارے یہاں نل میں پانی یخ بستہ ہو گیا تھا۔ ہمارے لئے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ آج
ہمارے ڈرائنگ روم میں چمنی دار انگیٹھی بھی لگ گئی۔ اس میں پتھر کا کوئلہ جلتا ہے اور
ایک بار کوئلہ ڈال کر کمرہ دو تین گھنٹے تک خوب گرم رہتا ہے۔
فرنیچر بھی شیبویہ سے آج صبح ہی آیا، اور قرینے سے اپنی اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ اب یہ کمرہ
آرام دہ اور بیٹھنے کے قابل ہو گیا۔ سردی کی وجہ سے اس کمرے سے باہر جانے کو دل نہیں چاہتا

مضافات کی برقی ریل

۲۳ر دسمبر ۱۹۳۶ء بارہ بجے دن کا کھانا کھا کر مسٹر عبد الغنی کے ہمراہ توکیو گیا۔ برقی ریل کا اسٹیشن ہمارے مکان سے بالکل قریب ہے۔ یہاں سے توکیو تک کرایہ ۴۲ سین ہے۔ بیچ میں ایک مقام پر ریل تبدیل کرنی پڑتی ہے۔ مگر یہ ریلیں ہر پانچ منٹ کے بعد روانہ ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے آمد و رفت میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ صبح کے وقت کاروباری لوگ اور تعلیم پانے والے لڑکے اور لڑکیاں مضافات سے توکیو جاتے ہیں۔ اور شام کے وقت توکیو سے اپنے مستقر پر واپس آتے ہیں اس لئے ان اوقات میں بہت بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے۔ بعض دفعہ تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مرد و عورت، بوڑھے جوان بچے سب ایک دوسرے سے چپک جاتے ہیں اور دم گھٹنے لگتا ہے۔ مگر ایسی حالت میں بھی مرد مسکراتے اور نوجوان عورتیں قہقہے لگاتی ہیں۔ نہ کوئی کسی کو خواہ مخواہ تنگ کرتا ہے نہ کوئی جھگڑا ہوتا ہے، نہ کوئی غصّہ میں آکر آپے سے باہر ہوتا ہے جوان اور تندرست لوگ بچوں اور بچے والی ماؤں کے لئے جگہ خالی کر دیتے ہیں، اور خود کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حیف یہ صورتِ حال ہندوستان سے کس قدر مختلف ہے۔

آتشزدگی کا بیمہ

توکیو پہنچ کر "توکیو بیمہ کمپنی" کے دفتر میں گئے اور گھر کا ساز و سامان تین ہزار ین میں بیمہ کرایا۔ سال بھر کے لئے ساڑھے چھ ین پریمیم ادا کیا۔ چونکہ آتشزدگی اس ملک میں بہت عام ہے۔ اس لئے آتشزدگی کا بیمہ کرانا نہایت ضروری ہے۔ بیمہ کرا کر آدمی بالکل بے فکر ہو جاتا ہے، کیونکہ حادثے کے وقت اس کو صرف جان بچانے کی فکر ہوتی ہے، مال و اسباب کی فکر نہیں ہوتی۔

عبد الغنی صاحب سے معلوم ہوا کہ ایک ہندوستانی صاحب نے کچھ عرصہ ہوا، اپنے اسباب کا بیمہ پانچ ہزار ین میں کروایا، اور جب یہاں سے جانے لگے، تو سب سامان فروخت کر کے گھر کو آگ لگا دی۔ تیسرے روز بیمہ کمپنی نے پانچ ہزار ین ادا کر دئے۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہی۔ مالی فائدہ ان کی ذات کو پہنچا۔ مگر ہمارا ملک جو پہلے ہی غیروں کی

نظروں میں ذلیل ہے اور زیادہ بدنام ہوا۔

جاپانی خادمہ

۲۴ر دسمبر ۱۹۳۰ء سہ پہر کو توکیو گیا، اور کچھ خرید و فروخت کے بعد شام کو گھر واپس آیا۔ اشتہار کے جواب میں دو نوکریں ملاقات کے لئے موجود تھیں۔ ان میں سے ایک نے کچھ ایسی سخت شرائط پیش کیں کہ اس کو تو فوراً رخصت کر دیا گیا۔ دوسری نے ہماری شرائط منظور کر لیں۔ اس لئے معاملہ طے پا گیا۔

یہ عورت کچھ انگریزی بھی جانتی ہے، انٹرنس پاس ہے۔ ٹرینڈ نرس ہے، اور دو سال تک ایک ہسپتال میں بھی نرس کا کام کر چکی ہے۔ خانہ داری کے متعلق ہر قسم کا کام کرنے کے لئے تیار رہے۔

جاپان میں نوکروں کے ساتھ بالکل مساوات کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ عورت آکر ہمارے پاس کرسی پر بیٹھی۔ اور نہایت آزادانہ گفتگو کرتی رہی۔ مگر باوجود آزادی کے تعلیم یافتہ ہونے کے باعث یہ عورتیں نہایت شائستہ اور سمجھدار ہوتی ہیں۔ آقا کا ادب و لحاظ بہت زیادہ کرتی ہیں۔ اور نہایت محنت اور ایمانداری سے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں۔ اس قدر خوش پوش و خوش وضع ہوتی ہیں کہ بعض جاپانی گھروں میں تو ان پر مالکہ کا شبہ ہوتا ہے۔ اور باہر سے آنے والے لوگ یہ غلطی کرتے ہوئے نوکر کو اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ گویا وہ صاحب خانہ کی بیوی ہے۔ اور جب وہ اپنی غلطی پر مطلع ہوتے ہیں تو سخت ندامت اٹھاتے ہیں۔

جاپانیوں میں متوسط طبقے کے لوگ خادمہ نہیں رکھتے ہیں۔ اُمراء کے یہاں بھی اکثر صرف کھانے اور کپڑے پر لڑکیاں نوکر ہوتی ہیں۔ متوسط طبقے کے لوگ اپنی لڑکیوں کو بخوشی اِس قلیل معاوضہ پر کام کرنے کے لئے بھیج دیتے ہیں، کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ اس طرح گھر سے باہر رہ کر لڑکیوں کو دنیا کا تجربہ حاصل کرنے اور اعلیٰ خاندانوں میں رہ کر تمیز و شائستگی سیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔

غیر ملکیوں کو خادمہ تین چالیس ین مشاہرہ سے کم پر نہیں مل سکتی۔ پھر بھی یہ عورتیں غیر ملکیوں کی ملازمت کو اچھا نہیں سمجھتیں، اور اُن کو ہمیشہ یہ شکایت رہتی ہے کہ غیر ملکی ان کے جذبات کا احترام نہیں کرتے۔

۲۶ ردسمبر ۱۹۳۰ء صبح ہی خادمہ اپنا سامان لے کر آگئی، اور خیال ظاہر کیا کہ عرصہ سے مکان کی صفائی نہیں ہوئی۔ اس لئے ایک مددگار خادمہ صرف ایک روز کے لئے بلالی جائے، تاکہ ایک دفعہ تمام مکان صاف کرلیا جائے۔ پھر روزانہ صفائی خود کرتی رہے گی۔ مسٹر عبدالغنی نے ٹیلیفون پر ایک عارضی خادمہ کا انتظام کر دیا۔

یہاں بڑے بڑے شہروں میں ایسی عورتوں کی ایک انجمن ہوتی ہے۔ جو روزانہ اجرت پر کام کرنا پسند کرتی ہیں، انجمن کے دفتر کو ٹیلیفون کرتے ہی خادمہ مکان پر آجاتی ہے۔ ایک ین روزانہ اور دوپہر کا کھانا اُن کی مقررہ اجرت ہے۔ اس میں سے کچھ کمیشن انجمن کو ادا کرنا پڑتا ہے، جس روز اراکین انجمن کو مزدوری نہیں ملتی۔ اُس روز دوپہر کا کھانا انجمن کی طرف سے ملتا ہے، یہ ایک عمدہ انتظام ہے، جس سے بے روزگار عورتوں کو کام بآسانی مل جاتا ہے، اور ضرورتمند لوگوں کو کام کرنے والی آسانی سے دستیاب ہوجاتی ہے۔

۲۷ ردسمبر ۱۹۳۰ء۔ صبح درزی کچھ کپڑے سی کر لایا تو خادمہ دیر تک جاپانی زبان میں اُس سے کچھ کہتی رہی۔ زبان سے ناواقف ہونا بھی بڑی بے چارگی کا باعث ہوتا ہے۔ درزی نے خادمہ کی گفتگو کا خلاصہ مسٹر عبدالغنی سے جا کر بیان کیا۔ یہ عورت ہمارے یہاں اس دھوکے میں ملازم ہوئی تھی کہ ہم امریکن ہیں۔ یہ دریافت ہوجانے کے بعد کہ ہم امریکن نہیں ہندوستانی ہیں اُس کو سخت مایوسی ہوئی اور اب وہ ہمارے یہاں کام کرنا پسند نہیں کرتی۔ عبدالغنی صاحب فوراً میرے مکان پر آئے۔ خادمہ کو بلا کر استفسارِ حال کیا۔ وہ اپنی غلطی پر سخت منفعل ہوئی۔ مسٹر عبدالغنی نے اپنے تجربے کی بنا پر مجھے بتایا "جو کچھ

خادمہ نے درزی سے بیان کیا یہ محض عذرِ لنگ تھا۔ وہ کام سے دل برداشتہ ضرور ہے مگر اس کے حقیقی اسباب اور ہیں۔ اوّل تو آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ موجود ہیں، اُن کی وجہ سے کام بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے، اور نگرانی بھی ہر وقت رہتی ہے۔ نیز شیطانی ترغیبات دلا کر آپ کو لوٹنے کا موقعہ بھی نہیں ہے۔ دوسرے وہ سمجھتی تھی کہ آپ نو وارد ہیں، جاپانی زبان سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے کم از کم آپ کی عدم واقفیت سے فائدہ اٹھا کر خوب ہاتھ رنگنے کا موقعہ ملیگا۔ مگر میری موجودگی اور مشورہ کے باعث اس فائدہ سے بھی محروم رہی۔

بہرحال بعد مشورہ خادمہ کو دو روز کی تنخواہ دے کر رخصت کر دیا۔

مسٹر عبدالغنی کے ذریعہ سے یہ انتظام ہو گیا کہ سبزی فروش گھر پر آکر ترکاریاں پھل اور انڈے دے جاتا ہے۔ دودھ والا دودھ، روٹی والا ڈبل روٹی، بسکٹ، مکھن اور مچھلی والا مچھلی دے جاتا ہے۔ دھوبی روزانہ آکر میلے کپڑے لے جاتا ہے، اور تیسرے چوتھے روز دھو کر لے آتا ہے۔ کپڑے جیسے اچھے دھلتے ہیں اور جس قدر جلد مل جاتے ہیں اُس کے لحاظ سے دھلائی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ بڑے کپڑوں کی دھلائی ۲ر کپڑا، اور چھوٹوں کی ایک آنہ (۱ر) کپڑا دی جاتی ہے۔

ہماری غذا

ہماری غذا میں بہت زیادہ تبدیلی ہو گئی ہے۔ چپاتی پکانے کے لئے نہ یہاں آٹا دستیاب ہوتا ہے، نہ ہمارے ہمراہ توا آیا ہے، اور نہ یہاں کی نوکر چپاتی پکا سکتی ہے۔ اس لئے اس کی جگہ ڈبل روٹی استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ ذبیحہ نہیں ملتا اس لئے گوشت سے بھی محروم ہیں۔ اُس کی جگہ مرغ، مچھلی اور انڈوں کا استعمال کرتے ہیں۔ دالیں کسی قسم کی نہیں ملتیں۔ صرف کھڑے مونگ اور ہرے مٹر مل جاتے ہیں۔ انھیں کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ مسالوں میں پسی ہوئی کالی مرچیں، سرخ مرچ، پیاز، لہسن، اور ادرک مل جاتا ہے، باقی چیزیں نہیں ملتیں۔ چاول یہاں کے بہت میٹھے اور لیسدار ہوتے ہیں۔ ترکاریاں بافراط اور ہر قسم کی ملتی ہیں۔ پھلوں میں آج کل سنترے، سیب

اور کیلے نہایت عمدہ اور ارزاں ملتے ہیں، دودھ بہت گراں ملتا ہے، فیکٹریوں سے استرلائز ہو کر شیشیوں میں بند آتا ہے، اور ڈیڑھ آنہ شیشی کے حساب سے ملتا ہے۔ ایک شیشی میں تقریباً آدھ پاؤ دودھ ہوتا ہے۔ گھی کی جگہ مکھن استعمال ہوتا ہے جو ۱۲ پنس فی پونڈ کے حساب سے ملتا ہے۔ مگر نہایت عمدہ صاف اور لذیذ ہوتا ہے۔

جاپان میں سال کا آخری دن

۳۱ ر دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء مسٹر عبدالغنی سے معلوم ہوا کہ سال کا آخری دن جاپان میں بڑی مصروفیت کا دن ہے۔ اس ملک کا رواج ہے کہ سال بھر کا حساب آج کے دن ضرور بیباق کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو اپنی رقم دوسروں سے وصول کرنی ہوتی ہے وہ وصول کرتے ہیں، اور جن کو ادا کرنی ہوتی ہے وہ ادا کرتے ہیں۔ کاروباری لوگوں کا تو ذکر ہی کیا عوام اور غربا بھی آج تمام دن حساب کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ اگر سال بھر کے مطالبات و واجبات آج کے دن وصول نہیں ہو سکتے تو بعض لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ ایسی صورت کسی بڑی رقم کے لئے نہیں، سو پچاس ین کے لئے بھی پیش آجاتی ہے۔ میرے اہل وطن بمشکل اس بات پر یقین کریں گے، مگر اس ملک میں خودکشی بہت عام ہے۔

جاپان میں خودکشی کی کثرت

خودکشی کرنے والوں کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے لوگ اس کا بہانہ ہی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ناکام عشق کے باعث جان دینے والے تو خیر ہر ملک میں موجود ہیں۔ لیکن اس ملک میں خودکشی کے عجیب واقعات آئے دن سننے میں آتے ہیں۔ کوئی اس لئے جان دیتا ہے کہ کاروبار میں ٹوٹا آیا۔ کوئی آبشار پر اس لئے جست لگاتا ہے کہ ملازمت میں اس کی حق تلفی ہوئی اور دوسرے کو اس کے بجائے ترقی مل گئی۔ کوئی سربازار اس لئے پیٹ میں چھری بھونک لیتا ہے کہ کابینۂ وزارت کی پالیسی اس کی رائے میں غلط ہے۔ کوئی یوں زہر کھا لیتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کو کماحقہٗ سرانجام نہ دے سکا۔

بعض نوجوان امتحانوں میں ناکام رہ کر اس قدر منفعل ہوتے ہیں کہ ریل پر جا لیٹتے ہیں۔ خودکشی کرنے میں مرد و عورت برابر کے شریک بلکہ ایک دوسرے کے حریف ہیں۔

جاپان کا نوروز

یکم جنوری ۱۹۳۱ء آج نیا سال شروع ہوا۔ پرانے زمانے میں جاپانی سال ۱۷ جنوری کو شروع ہوا کرتا تھا۔ جب یورپ کی تقلید شروع ہوئی تو ایک شاہی اعلان نے اپنے سال سے سولہ دن کم کر دیئے۔ اور تمام قوم نے بلا پس و پیش یہ ترمیم قبول کر لی۔

جشن نوروز منانے کی رسم جاپان میں نہایت قدیم زمانے سے چلی آئی ہے۔ کئی روز پیشتر سے تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ کوچہ و بازار آراستہ کیے جاتے ہیں اور سڑکوں پر دونوں طرف پانچ چھ گز کے فاصلہ پر ایک ہرا بانس ایک ٹہنی صنوبر کی اور ایک شاخ بیر کی یکجا باندھ کر نصب کرتے ہیں اور ان ستونوں کے درمیان رسیاں باندھ کر کئی قسم کی سوکھی گھاس برابر برابر جھالروں کی طرح لٹکاتے ہیں۔ جاپانی روایات کے مطابق صنوبر سے مراد سرسبزی و خوشحالی اور درازی عمر ہے۔ ہرے بانس سے مطلب راستبازی اور طاقت ہے بیر کی شاخ بہادری اور وفاداری کو ظاہر کرتی ہے۔

گھروں کے دروازے پر بھی ایک جھاڑو، ایک سنترہ، اور ایک شاخ صنوبر کی باندھ کر لٹکائی جاتی ہے۔ نوروز کے دن گھر میں جھاڑو دینا منحوس خیال کرتے ہیں۔

آج کے دن تمام جاپان میں عام چھٹی ہوتی ہے۔ خرید و فروخت بھی بند رہتی ہے مگر بازاروں کی چہل پہل اور رونق دوبالا ہے۔ آج لوگ اپنا وقت دعوتیں کھانے، کھیل تماشوں میں شریک ہونے اور دوست احباب سے مل کر نوروز کی مبارکباد دینے میں صرف کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ چار روز تک جاری رہتا ہے۔

جاپانی دعوت

ایک بجے کے قریب میں اور مسٹر عبدالغنی اپنے مدرسے کے ڈائرکٹر۔ ڈاکٹر جنجی ناگایا کے مکان پر نوروز کی مبارکباد دینے گئے

ڈائرکٹر صاحب ہم دونوں کو آج دوپہر کے کھانے کی دعوت دے چکے تھے۔ ہمارے کارڈ دیکھتے ہی ڈائرکٹر صاحب باہر تشریف لائے اور اپنے ہمراہ نشست کے کمرے میں لے گئے۔ رسمی گفتگو کے بعد ہندوستان کے متعلق دیر تک مجھ سے سوالات کرتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد کھانا کشتیوں میں لگ کر آنا شروع ہوا۔ ڈائرکٹر صاحب ہر کھانے کا نام اور اُس کی تیاری کا طریقہ مختصر بتاتے رہے۔

ہمارے لئے کھانا میز کرسی پر چنا گیا تھا۔ مگر یہ غیر ملکی طریقہ کی تقلید تھی۔ ورنہ جاپانی فرش پر بیٹھتے ہیں اور کھاتے وقت سامنے نیچی نیچی میزیں رکھی جاتی ہیں۔ کھانا ہر شخص کے لئے علیحدہ علیحدہ کشتیوں میں لگ کر آتا ہے اور بیشتر کھانے پیالوں ہی میں رکھے ہوتے ہیں۔ نئے نئے کھانے آتے رہتے ہیں مگر جو پیالے ایک دفعہ آجاتے ہیں، وہ آخر تک اُٹھائے نہیں جاتے گھروں پر دعوت دینے کا رواج بھی بہت کم ہے۔ اکثر ہوٹلوں، چائے خانوں یا کلب گھروں میں دعوتیں دی جاتی ہیں۔ جاپانی دعوتیں بغیر طوائفوں کے جن کو یہاں گیشا کہتے ہیں مکمل نہیں ہوتیں۔ ہر مہمان کے لئے علیحدہ علیحدہ ایک ایک طوائف بلائی جاتی ہے۔ وہی کھانا کھلاتی ہے، ساتھ کھاتی ہے۔ اور کھانے کے دوران میں لطائف وظرائف سے دل بہلاتی ہے۔ کھانے کے بعد محفل رقص وسرود جمتی ہے، جاپان میں یہ امور متانت یا اخلاق کے منافی نہیں خیال کئے جاتے بلکہ معاشرت کا ایک لازمی جزو ہیں۔ اسی رسم کی وجہ سے دعوتوں پر جاپان میں دوسرے ممالک سے نسبتاً زیادہ صرف آتا ہے۔

دعوت کی ابتدا ہمیشہ شراب نوشی سے ہوتی ہے۔ جاپانی شراب جس کو "ساکے" کہتے ہیں چاول سے بنتی ہے چینی کی چھوٹی چھوٹی صراحیوں میں یہ شراب بھر کر صراحیاں گرم پانی میں رکھ دیتے ہیں۔ اور نیم گرم شراب چینی کی ننھی ننھی پیالیوں میں نکال کر پیتے ہیں دوستی ومحبت ظاہر کرنے کے لئے پیالیاں باہم بدلتے ہیں۔

ڈائرکٹر صاحب نے میری شراب سے تواضع کی۔ میں نے عذر کیا تو ان کو سخت تعجب ہوا

کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بغیر شراب پیئے زندہ رہ سکتے ہیں۔ خیر شراب کے بجائے لیمونیڈ پیش کیا گیا۔

جاپانی چھری کانٹوں کی جگہ دو لکڑی کی تیلیوں سے کھانا کھاتے ہیں جو پنسل کے برابر موٹی اور سات آٹھ انچ لمبی ہوتی ہیں۔ دونوں تیلیوں کو کچھ اس طرح داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں پکڑتے ہیں کہ چمٹا سا بن جاتا ہے۔ اس سے اٹھا اٹھا کر کھانا منہ میں رکھتے جاتے ہیں۔ بغیر مشق ان تیلیوں سے کام لینا سخت دشوار ہے۔ یہ تیلیاں ہمیشہ نئی استعمال کی جاتی ہیں، اور ایک دفعہ استعمال کرنے کے بعد توڑ کر پھینکدی جاتی ہیں۔

جس طرح ہندوستان میں عید کے دن سویّاں اور شبرات پر حلوہ گھر گھر پکتا ہے۔ اسی طرح جاپان میں نوروز کے موقعہ پر ہر گھر میں چاول کے آٹے کی ٹکیاں پکاتے ہیں، خود کھاتے اور مہمانوں کو کھلاتے ہیں۔ ان ٹکیوں کو موچی کہتے ہیں۔ چاول، مچھلی، اور ترکاریاں اس ملک کی مخصوص غذائیں ہیں، مگر نوروز کی دعوت میں اُبلے ہوئے چاول نہیں دئے جاتے۔

موچی کے بعد طرح طرح کی مچھلیاں پختہ و خام ہمارے سامنے آئیں۔ ان میں سے ایک مچھلی کا شیرہ تھا جس میں اس قدر لیس تھا کہ تار ٹوٹتا نہ تھا۔ جس پیالی میں یہ شیرہ پیش کیا گیا تھا، اُس کو منہ سے لگا کر سارا شیرہ یکبارگی سڑپ جاتے ہیں۔ کچی مچھلی کا تو ذکر ہی کیا۔ پکی ہوئی مچھلیوں میں بھی اس قدر بساندھ تھی کہ حلق سے اتارنا دشوار تھا۔ ترکاریاں دیکھنے میں بہت صاف ستھری اور خوشنما معلوم ہوتی تھیں مگر ذائقہ ان کا بھی ناقابل برداشت تھا ہندوستانی کھانوں کے مزے میٹھے نمکین یا کھٹے ہوتے ہیں مگر ان کھانوں میں یہ تینوں مزے ندارد تھے۔ یہ کھانے پھیکے، سیٹھے، بکبکے، کڑوے یا بساندے تھے۔ جاپانی لوگ اچاروں کے بڑے شوقین ہوتے ہیں، اور یہ بھی ان کے کھانوں کا لازمی جزو خیال کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک غریب آدمی کو اگر کچھ اور نہ ملے تو وہ صرف اچار اور چاول کھا کر گذر کرتا ہے۔ ان لوگوں کے اچار بھی ایسے ہی بدمزہ ہوتے ہیں۔ صرف بیر کا اچار کھٹّا

اور مزید ار ہوتا ہے۔ ان کھانوں کو چکھتے چکھتے یہ کیفیت ہو گئی کہ اگر آداب محفل اور معزز میزبان کی ناگواری طبع کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہیں استفراغ ہو جاتا۔ مگر قہر درویش برجان درویش۔ جس طرح ہو سکا ضبط کرنا ہی پڑا۔

دو گھنٹے تک کھانے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سے فارغ ہو کر ہم نے اپنے میزبان سے اجازت چاہی، معلوم ہوا کہ برفباری ہو رہی ہے۔ اس موسم سرما کی یہ پہلی برفباری تھی نوروز کے موقعہ پر پہلی برفباری ہونا بڑا مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ اور اس روز جو مہمان آتا ہے اُس کو بھی بہت مسعود اور باعث برکت سمجھتے ہیں۔ رخصت ہوتے وقت ڈائرکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ بھی تشریف لائیں، تعارف کے بعد مزاج پرسی کی، اور پھر جاپانی رسم کے مطابق فرش پر دو زانو بیٹھکر اپنا سر مہمانوں کے آگے جھکایا، ہم نے بھی کھڑے کھڑے سر جھکا کر سلام کا جواب دیا۔ ڈائرکٹر صاحب نے دو چھتریاں دیں اور اپنی خادمہ کو ہمارے ہمراہ بھیجا کہ ریلوے اسٹیشن تک پہنچا آئے۔

جاپان میں برفباری

مکان کے باہر عجیب سماں تھا۔ میرے لئے برفباری بالکل نئی چیز تھی۔ آسمان پر ابر سفید محیط، کرہ ہوائی برفباری سے سفید، اور زمین پر سفید فرش بچھا ہوا تھا۔ مکانوں کی چھتیں، اور درختوں کی شاخیں سب سفید پوش تھیں۔ یہ سفیدی کا عالم دیکھ کر شاہجہاں کا جشن مہتابی یاد آ گیا۔

گھر تک پہنچتے پہنچتے زمین پر تین انچ برف پڑ چکی تھی، اور زمین کی تمام ناہمواریاں ہموار ہو چکی تھیں۔ تمام شب برف باری ہوتی رہی۔ برفباری کے وقت سردی نسبتاً کم ہوتی ہے۔ مگر جب اس کے بعد مطلع صاف ہوتا ہے ہوا چلتی ہے، اور برف پگھلتی ہے اُس وقت سردی خوب ہوتی ہے۔

مدرسہ کی طرف سے نوروز کی تقریب

۴ جنوری ۱۹۳۱ء آج ہمارے

مدرسہ کی ایسوسی ایشن نے تمام پروفیسروں کو نوروز کی تقریب پر دعوت دی۔ یہاں تمام یونیورسٹیوں کی ایسوسی ایشنز نے الگ الگ اپنے فنڈ سے شاندار عمارات بنائی ہیں۔ جن میں اولڈ بائز یا پروفیسر چند روز مفت قیام کر سکتے ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ایسوسی ایشن کی مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ ہمارے مدرسہ کے پاس ابھی ایسی عمارت نہیں ہے، اس لئے جب ضرورت ہوتی ہے تو کمرشل یونیورسٹی سے اُن کی عمارت مستعار لے لیتے ہیں۔

یہ سہ منزلہ خوبصورت عمارت ہمارے مدرسے سے بالکل قریب واقع ہے، ساڑھے دس بجے ہم وہاں پہنچے نیچے کی منزل میں دروازے کے قریب کلوک روم ہے، یہاں کوٹ، ہیٹ اور چھڑی عمارت کے ملازمین کو دے کر تیسری منزل پر گئے جہاں تمام پروفیسر جمع تھے ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارکباد دیتے رہے اور دلچسپ گفتگو ہوتی رہی کئی پروفیسروں سے میرا تعارف ہوا۔ بارہ بجے دوسری منزل میں ایک بہت بڑے ہال میں آئے۔ جہاں کھانے کی میزیں سجی ہوئی تھیں۔ کھانا کچھ مغربی طریقہ کا تھا، کچھ جاپانی وضع کا۔ کھانے کے بعد سکریٹری نے تقریر کی اور تمام ممبروں کو نئے سال کی مبارکباد پیش کی۔ بعد ازاں مجھ کو اور فرانسیسی زبان کے پروفیسر مسٹر نوویٹ کو جو میری طرح ابھی نو وارد ہیں خیر مقدم کہا۔ اور اس کے بعد جلسہ برخواست ہو گیا۔

۸ جنوری ۱۹۳۱ء صبح دس بجے ہمارے مدرسے کے سب پروفیسر اور طلبہ مدرسہ کے ایک وسیع ہال میں جمع ہوئے۔ مدرسہ کے ایک ہزار طلبہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے۔ اسٹیج سے نیچے دونوں طرف مدرسے کے نوّے پروفیسروں کے لئے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ڈائرکٹر صاحب کے آتے ہی تمام طلبہ اور پروفیسر کھڑے ہو گئے، اور پھر بیٹھ گئے۔ ڈائرکٹر صاحب نے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ پڑھی، طلبہ کو کچھ نصائح کئے، اور آخر میں مجھکو اور فرانسیسی پروفیسر مسٹر نوویٹ کو طلبہ سے متعارف کرایا۔ اس کے بعد جلسہ برخواست ہوا۔

ہماری جرمن خادمہ مسٹر عبدالغنی کے ایک جاپانی دوست ہیں جو سات سال تک

برلن (جرمنی) میں مقیم رہے۔ وہیں ایک جرمنی لڑکی سے ان کا معاشقہ ہوا اور بالآخر شادی ہوگئی۔ چونکہ یہ صاحب حکومتِ جاپان کی ملازمت میں معزز عہدے پر متعین تھے جاپانی حکومت نے ان کی غیر ملکی بیوی کو شبہ کی نظر سے دیکھا اور ان کو ملازمت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ جاپان واپس آتے اور اپنی جرمن بیوی کو ہمراہ لائے۔ توکیو میں جرمنی بیوی کی سفارش سے ان کو ایک جرمن کمپنی میں ملازمت مل گئی۔ ان کے والد نے یہ صورتِ حال دیکھ کر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور عاق کرنے کی دھمکی دے کر ان کو مجبور کیا، اور بیوی کو طلاق دلوادی۔ وہ بھی آخر ایک آزاد قوم کی فرد تھی۔ فوراً جرمن سفیر نے اس کی حمایت کی اور یہ فیصلہ ہوا کہ دو سال میں پندرہ ہزارین اُس جرمن عورت کو اُس کا سابقہ جاپانی شوہر ادا کرے۔ کچھ عرصہ سے یہ جرمن عورت توکیو میں ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر رہتی تھی۔ اور جاپانی لڑکے لڑکیوں کو جرمنی زبان سکھا کر اپنا گذر کرتی تھی۔ چونکہ یہ وجہ معاش یقینی نہ تھی، اس لئے ملازمت کی خواہشمند تھی۔ مجھے بھی خادمہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے مسٹر عبدالغنی کے ذریعہ سے معاملہ طے ہوگیا، اور اُس نے میرے یہاں آج سے کام کرنا شروع کردیا۔ عورت نہایت خوش مزاج فرمانبردار خوش سلیقہ اور محنتی ہے۔ جاپانی اور انگریزی زبانیں بھی جانتی ہے۔

توکیو کے ڈیپارٹمنٹ اسٹور

مدرسے سے فارغ ہو کر آج سہ پہر کو توکیو کے بہترین ڈیپارٹمنٹ اسٹور دیکھنے کے لئے گیا۔ مسکوشی، متسویا، متسوزاکایا اور شرکیا، سب گنزہ بازار ہی میں واقع ہیں، اگرچہ ان کی بہت بڑی بڑی شاخیں شہر کے مختلف حصّوں میں بھی موجود ہیں۔

توکیو سنٹرل اسٹیشن پر ان تمام اسٹورز کی علیحدہ علیحدہ موٹریں کھڑی رہتی ہیں، اور مفت لوگوں کو بٹھا کر دکان تک لاتی اور واپس اسٹیشن پر پہنچاتی ہیں۔ یہ موٹریں ہر پانچ منٹ کے بعد روانہ ہوتی ہیں۔ بیس بیس مسافر بٹھاتی ہیں۔ پھر بھی ہمیشہ بھری ہوئی جاتی ہیں۔

لوگ ایک خیمہ کے اندر جمع ہوتے ہیں اور کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ موٹر خیمے کے سامنے آکر رکتی ہے، اور ایک لڑکی اس میں سے اُتر کر دروازے پر کھڑی ہو جاتی ہے، اور کہتی ہے آئیے، تشریف لائیے کرم فرمائیے، آپ نے بڑی زحمت گوارا فرمائی، ہماری قدر بڑھائی اندر تشریف رکھیئے" موٹر میں جتنے آدمیوں کی جگہ ہوتی ہے اتنے آدمی بیٹھ جانے کے بعد لڑکی ہاتھ کے اشارے سے باقی لوگوں کو روک دیتی ہے، اور خود موٹر کے اندر بیٹھ جاتی ہے موٹر روانہ ہوتی ہے، موٹر سجی سجائی دلہن بنی رہتی ہے۔ نشست کے لئے آرام دہ مخملی گدّے ہوتے ہیں، مسکوشی کی ایسی ہی موٹر سے ہم بھی روانہ ہوئے۔ مختلف بازاروں سے گذرتے ہوئے منزل مقصود پر جا اُترے۔ ہمارے سامنے ایک تیرہ منزلہ سنگین وسیع اور عالیشان عمارت ہے، تین منزلیں زیر زمین ہیں، اور باقی اوپر۔ بلند دروازے پر دونوں طرف سیاہ پتھر کے دو بہت بڑے بڑے شیر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک وسیع کمرے کے وسط میں ایک بہت بڑا حوض پانی سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔ اس کے کنارے ایک سنگین مورت کے منہ سے پانی نکل نکل کر حوض میں گر رہا ہے۔ حوض کے کنارے چاروں طرف پھولوں کے گملے رکھے ہیں۔

اس ہال کے وسط میں ایک عجیب وغریب متحرک زینہ ہے اُس پر کھڑے ہو جائیے آپ کو قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ زینہ خود بخود اوپر پہنچا دیگا۔ اِس زینے کی حرکت ہمیشہ اوپر کی طرف رہتی ہے۔ نیچے کی سیڑھی زمین کے اندر سے نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اوپر پہنچ کر دوسری منزل کے فرش میں غایب ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس زینہ سے صرف اوپر چڑھ سکتے ہیں نیچے نہیں اُتر سکتے۔ اس کے علاوہ معمولی زینے نہایت فراخ اور خوبصورت سنگ مرمر کے منزل بمنزل بنے ہوتے ہیں، اور ہر منزل کے نمبران پر پڑے ہوتے ہیں دوسری منزل پر ایک قطار میں آٹھ بڑے بڑے لفٹ (برقی جھولے) ہیں۔ ہر ایک اتنا بڑا ہے کہ بیک وقت دس بارہ آدمی اس کے اندر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ تماشائیوں

اور خریداروں کو یہ لفٹ ہر وقت اوپر نیچے لیجاتے رہتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں ان کو چلاتی ہیں۔ لفٹ کے ذریعہ سے ہم پہلے سب سے اوپر کی منزل پر پہنچے۔ یہ عجیب پُر فضا مقام ہے۔ یہاں سے کوسوں تک کا منظر دکھائی دیتا ہے، مگر کوئی جگہ مکانات سے خالی نظر نہیں آتی۔

اسی منزل پر کچھ سنگتراشی کے قدیم نمونے رکھے ہوئے ہیں۔ کچھ حصّہ پر سبزہ لگاکر روشیں بنائی ہیں اور پھولوں کے تختے سجائے ہیں۔ ایک طرف بچوں کے لئے جھولے پڑے ہوئے ہیں اس وقت بھی بکثرت بچے موجود ہیں۔ کچھ جھول رہے ہیں۔ کچھ سبزے پر کھیلتے کودتے پھرتے ہیں۔ ایک طرف ایک مشین کھڑی ہے۔ جس میں دس پین ڈالنے سے چاکلیٹ نکلتی ہے دوسری ایسی ہی مشین سگرٹ بیچتی ہے۔ سب سے زیادہ حیرت خیز امر یہ ہے کہ اس قدر بلندی پر فوارے چل رہے ہیں۔ چاروں طرف قدِّآدم بلند آہنی جال لگا ہوا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لوگ یہاں سے کود کر خودکشی کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ جال لگوادیا گیا۔

یہاں سے اُترے اور منزل بمنزل طرح طرح کی چیزیں دیکھتے ہوئے نیچے کی منزل میں آپہنچے۔ ہر منزل پر ایک ایک قسم کا سامان فروخت ہوتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ رنگ برنگ کی خوبصورت چڑیاں، ان کے پنجرے، مصنوعی گھونسلے، دانے، طرح طرح کے پھول، اُن کے بیج، باغبانی کے آلات ملتے ہیں۔ کسی منزل پر سلے ہوئے اور بغیر سلے ہوئے کپڑے ملتے ہیں۔ کہیں فرنیچر ہے۔ کہیں سامان آرائش ہے۔ کہیں تصاویر ہیں، کہیں انواع واقسام کے باجے ہیں۔ کہیں صرف کھلونے ہیں۔ کہیں کتابیں۔ ایک منزل پر ڈائننگ ہال ہے۔ سینکڑوں میزیں لگی ہوئی ہیں، اور لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔

الغرض ہر قسم کی چیز یہاں دستیاب ہوسکتی ہے۔ دو ہزار نوجوان لڑکیاں اس دوکان پر سودہ بیچتی ہیں۔ ہر ایک تعلیم یافتہ شائستہ، چست وچالاک، شوخ و طرار، باتوں باتوں میں خریدار بنا لینے والی، ایک چیز پسند نہ آئے تو نمونوں کا انبار لگا دیتی ہیں اس پر بھی اگر چیز پسند نہ آئے تو پیشانی پر بل نہیں پڑتا۔ الٹی خود معذرت کرتی ہیں۔

قیمت کی کمی زیادتی کا کوئی سوال ہی نہیں، ہر چیز پر انگریزی میں دام لکھے ہوتے ہیں۔ ہر شخص سے وہی دام لئے جاتے ہیں۔ دام بھی اس قدر واجبی کہ شہر بھر گھوم آئیے پیسہ کا فرق نہ نکلے گا۔ بلکہ معمولی دوکانوں سے یہاں قیمتیں نسبتًا کم ہوتی ہیں۔ اگر کوئی چیز اتفاقًا خراب نکل جائے تو گھر سے واپس کر دیجئے۔ جو سامان خریدئے اپنے گھر کا پتہ لکھوا کر گھر چلے جائیے۔ سامان وہیں پہنچ جائے گا۔ گھر تک پہنچنے میں ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری بھی خود کمپنی ہی کی ہے۔

یہاں کی آرائش و صفائی اور خوش معاملگی دیکھ دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے، یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا۔ ایک نمائش گاہ معلوم ہوتی ہے۔

ایک کمرے میں جاپان قدیم کی تہذیب و تمدن دکھانے کے لئے قد آدم مورتیں رکھی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ایک سردار کھڑا ہے اور اس کے سپاہی پیچھے کھڑے ہیں۔ ایک طرف کچھ کسان سر جھکائے گھٹنے زمین پر ٹیکے کھڑے ہیں۔ ایک اور جگہ جشن نوروز مناتی ہوئی متحرک مورتیں ایک طرف سے باجے بجاتی ہوئی نکلتی ہیں، اور دوسری طرف پردے کے پیچھے غایب ہو جاتی ہیں۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی چیزیں دکھائی گئی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے تاریخی معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہو سکتا ہے "مسکوشی" اسٹور دیکھنے کے بعد میں نے "متسویا" اور "شیروکیا" اسٹورز بھی دیکھے۔ انتظام و ترتیب تو قریب قریب سب جگہ یکساں ہے مگر آرائش میں ہر ایک اسٹور علیحدہ علیحدہ شان امتیازی رکھتا ہے۔

انڈو جاپانیز ایسوسی ایشن

توکیو میں ممالک غیر کے متعلق علیحدہ علیحدہ انجمنیں قائم ہیں جو رسالے اور کتابیں شائع کر کے نیز جلسوں اور تقریروں کے ذریعے سے ممالک غیر کے متعلق ہر قسم کی مفید معلومات فراہم کرتی ہیں۔ معلومات جمع کرنے کے لئے ان کو ممالک غیر سے براہ راست تعلق رکھنا پڑتا ہے۔

ہندوستان کے متعلق بھی اس قسم کی ایک انجمن قائم ہے۔ اس کے صدر توکیو کے عمائدین میں سے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ملنے کی تحریک کی۔ ملاقات کے لئے وقت و تاریخ

مقرر ہوگیا۔ مسٹر عبدالغنی کے ہمراہ ۲۴ جنوری کو میں مقررہ وقت پر ان سے ملنے کے لئے گیا افسوس ہے کہ یہ نہ اُردو جانتے ہیں نہ انگریزی۔ مسٹر عبدالغنی ترجمان ہوتے، دیر تک ہندوستان کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ پھر انہوں نے جاپان کے دوسرے عمائدین ومشاہیر کے نام تعارف کے خطوط میرے پاس بھیج دینے کا وعدہ کیا۔ دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔ مگر میں نے روزے کا عذر کیا۔ بڑی حیرت سے روزے کے متعلق مفصل حالات سنتے رہے رخصت ہوتے ہوتے اپنی انجمن کا ماہوار رسالہ اور چند دیگر مطبوعات بھی عنایت فرمائیں۔

چڑیا گھر

وینو پارک کے ایک حصّہ میں چڑیا خانہ واقع ہے۔ سہ پہر کو مسٹر عبدالغنی اور ایک جاپانی دوست کے ہمراہ یہ چڑیا خانہ دیکھنے کے لئے گیا۔ پندرہ پندرہ سین میں داخلہ کے ٹکٹ خریدے، اور اندر گئے۔ نہایت وسیع احاطہ کے اندر کہیں مصنوعی پہاڑیاں ہیں، کہیں میدان ہیں، اور کہیں جھیل وتالاب ہیں۔ ہر جانور کے لئے ایک قدرتی ماحول پیدا کیا ہے۔ مثلاً قطبی ریچھ جس جگہ رکھا ہے اُس کے چاروں طرف برف جیسی سفید چٹانیں کھڑی ہیں۔ اسی طرح اونٹ کے لئے مصنوعی ریگستان بنایا ہے۔ انواع واقسام کے عجیب وغریب بندروں اور چڑیوں کے علاوہ کمیاب جانوروں میں سے دریائی گھوڑا، قطبی ریچھ، سیل، بیور، اژدہا وغیرہ موجود ہیں۔

توکیو آرٹ گیلری

۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء کو توکیو آرٹ گیلری دیکھنے کے لئے گیا یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس آرٹ گیلری میں ہر سال موسم بہار وخزاں میں آرٹ کی نمائش ہوتی ہے۔ اُس وقت آرٹ گیلری دیکھنے کا بہترین موقع ہوتا ہے۔ یوں تمام سال آرٹ گیلری کھلی رہتی ہے، اور معمولی قسم کی تصاویر دکھائی جاتی ہیں۔

آرٹ گیلری کی وسیع عالیشان اور خوبصورت عمارت وینو پارک کے ایک حصہ میں واقع ہے۔ اس عمارت کا کچھ حصہ آرٹ کی تعلیم کے لئے وقف ہے، باقی حصہ میں



توکیو کا چڑیا گھر۔ سامنے چیری کے درخت ہیں

تصاویر کی نمائش کی جاتی ہے - پچاس سین کا ٹکٹ خرید کر اندر داخل ہوئے - آج کل نہ تو آبی تصاویر ہیں جو جاپان کا مخصوص آرٹ ہے، نہ سنگتراشی، لکڑی اور دھات کا کام ہے - صرف دو ڈھائی سو روغنی تصاویر ایک درجن بڑے بڑے کمروں میں لگی ہوئی ہیں - تصاویر کا سائز بالعموم ۴½ × ۳ یا ۶ × ۳ فٹ تھا - زمین سے تقریباً ایک گز کی بلندی پر آویزاں تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ روغنی تصاویر بنانا جاپان کا قدیم آرٹ نہیں ہے، صرف یورپ کی کورانہ تقلید ہے - ابھی جاپان اس تقلید میں پوری کامیابی یا اعلٰے معیار حاصل نہیں کر سکا جو تصاویر اس وقت دیکھیں ان میں سے ایک بھی اچھی نہ تھی۔ تخیّل اور ریجنیلیٹی تو بڑی چیزیں ہیں - کسی تصویر کی آنکھ ناک تک درست نہ تھی۔ بعض تصاویر پر قیمت بھی لکھی ہوئی تھی - جو کسی حالت میں ایک ہزار ین سے کم نہ تھی - یہ دیکھ کر میری حیرت میں اور اضافہ ہوا - اس سے قبل بعض عمائدین ٹوکیو کے مکانوں پر مجھے خالص جاپانی وضع کی تصاویر دیکھنے کا موقعہ مل چکا ہے، اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اپنے مخصوص طریقے میں ان کا معیار بہت بلند ہے -

اتامی کی سیر

اسٹیشنوں پر اشیائے خوردنی فروخت کرنے کا طریقہ

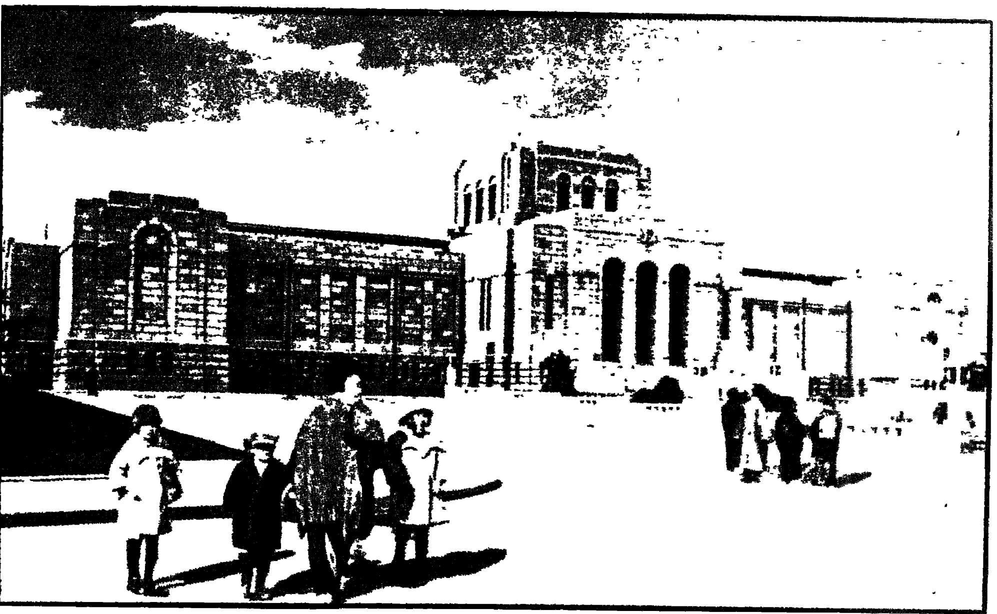
یکم مارچ ۱۹۳۱ء صبح چھ بجے بذریعہ ریل اتامی کو روانہ ہوئے، جاپان میں ریل کے ذریعہ سے میرا پہلا طویل سفر ہے، جاپان میں بیشتر ریلیں برقی طاقت سے چلتی ہیں - چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر کھانے پینے کی چیزیں، کھلونے، اخبارات، اور کتابیں بیچنے والے آوازیں لگا کر فروخت کرتے ہیں - اشیائے خوردنی بیچنے کا طریقہ بہت عمدہ اور قابل تعریف ہے - ہمارے ملک میں اکثر پتّوں یا ردی کاغذ کے پرزوں پر رکھ کر یا مٹی کے آبخوروں میں کھانے پینے کی چیزیں دیتے ہیں -

ہم اس گندے اور ذلیل طریقے کے اِس حد تک عادی ہو چکے ہیں، کہ اس کی قباحت کا کبھی خیال بھی دل میں نہیں آتا۔ جاپان میں دستور ہے کہ اسٹیشنوں پر لکڑی کے ڈبّوں میں رکھ کر کھانے کی چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ یہ ڈبے لکڑی کے بہت ہلکے اور پتلے مگر نہایت صاف اور چکنے تختوں کے بناتے ہیں۔ عموماً ان میں چار خانے ہوتے ہیں۔ ان کے اندر خشک کھانے رکھ کر ڈبہ بند کر دیتے ہیں، پھر ہر ڈبّے پر ایک کاغذ کا رومال اور لکڑی کی تیلیاں جن سے جاپانی کھانا کھاتے ہیں رکھ کر اوپر سے ایک کاغذ میں لپیٹ کر خوبصورتی سے پیک کرتے ہیں۔ باوجود ایسے پیکنگ کے قیمت میں برائے نام اضافہ ہوتا ہے۔ رقیق چیزیں شوربہ، دودھ، کوکو، وغیرہ بوتلوں میں بند اور سربمہر کر کے بیچتے ہیں۔

کھانے والے کھانا کھا کر خالی بکس اور بوتلیں اپنی نشست کے نیچے رکھتے رہتے ہیں۔ تمام گاڑیوں میں اندر ہی اندر راستے ہوتے ہیں۔ صفائی کرنے والے لڑکے جھاڑو اور کوڑا اُٹھانے کا ٹین لئے پھرتے ہیں اور ہر وقت صفائی کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ خالی ڈبّے بوتلیں وغیرہ بھی لے جاتے ہیں۔ ریلوں اور اسٹیشنوں کی صفائی دیکھ دیکھ کر دل کس قدر خوش ہوتا ہے اور ہندوستانی ریلوں کی غلاظت یاد آ کر کس قدر تاسف ہوتا ہے۔ خدا ہم ہندوستانیوں کو بھی صفائی کی توفیق عطا فرمائے۔ کاش ہم کو بھی صفائی کی ضرورت کا احساس پیدا ہو۔

ٹرینوں میں نشست کا انتظام

جو ٹرینیں سیدھی دور تک جاتی ہیں۔ اُن میں سونے اور کھانے کے درجے بھی ہوتے ہیں۔ بیٹھنے کے درجوں میں صرف دوسرا اور تیسرا درجہ ہوتا ہے۔ اوّل اور ڈیوڑھا نہیں ہوتا۔ نشست دوسرے اور تیسرے دونوں قسم کے درجوں میں یکساں آرام دہ خوبصورت مخملی گدّوں کی ہوتی ہے، ایک بنچ پر صرف دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ بیچ میں راستہ ہوتا ہے جو تمام ٹرین میں ایک سرے سے دوسرے تک چلا جاتا ہے۔ بنچ چوڑے تو کافی ہوتے ہیں، مگر لمبے اتنے نہیں ہوتے کہ کوئی ان پر لیٹ سکے۔ یہاں کے لوگ بھی ایسے شائستہ ہیں کہ کبھی



آرٹ گیلری

لیٹ کر دوسرے مسافروں کو تنگ نہیں کرتے۔ جو لوگ رات کو سونا چاہتے ہیں وہ سلیپنگ کار کا کرایہ دے کر وہاں آرام سے سوتے ہیں۔

سلیپنگ کار دوسرے اور تیسرے درجوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں۔ اور تیسرے درجے میں بھی کافی آرام ملتا ہے۔ تیسرے درجے کی سلیپنگ کار کا کرایہ ایک شب کے لئے ایک ین ہوتا ہے۔ سلیپنگ کار کی برتھ چونکہ ریزرو ہوتی ہے اس لئے یہ شکایت پیدا نہیں ہوتی کہ کرایہ دینے کے باوجود کسی کو جگہ نہ ملے۔ مختصر سامان بیٹھنے والے درجوں میں اپنے ہمراہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ مگر بھاری سامان بُک کرانا لازمی ہے، مسافر اپنے ہمراہ نہیں لیجا سکتے۔ کھانے کی گاڑی میں دوسرے اور تیسرے درجے کی تخصیص نہیں ہے۔ ہر مسافر اس میں جا کر کھانا کھا سکتا ہے۔

توکیو سے دور مقامات کے لئے ریلیں ہر آدھ گھنٹے کے بعد روانہ ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی بعض اوقات تیسرے درجے میں اتنے مسافر ہوتے ہیں کہ کچھ لوگ کھڑے رہ جاتے ہیں۔ تاہم یہ صورت کبھی پیش نہیں آتی کہ بیٹھنے کی جگہ پر لوگ لیٹ کر یا اپنا اسباب رکھ کر جگہ گھیر لیں۔ اور دوسرے مسافر کھڑے رہیں۔ اوّل تو خود لوگ اس قدر شائستہ ہیں کہ ایسی حرکت نہیں کرتے اور اگر کوئی کرے تو ریلوے کے ملازم خود آ کر اُن کو متنبہ کرتے ہیں، مسافروں کو شکایت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

قدرتی مناظر

ریل بڑی سرعت کے ساتھ سرسبز و تنگ وادیوں کو قطع کرتی پہاڑی ڈھلانوں کو ناپتی لمبی لمبی سرنگوں سے گذرتی چلی جارہی تھی، یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ پہاڑی ڈھلانوں پر سیڑھیاں سی بنا کر کاشت کرتے ہیں، اور نشیب میں جہاں کہیں چھوٹے چھوٹے میدان ہیں اُن پر گاؤں آباد ہیں۔ جاپانی گاؤں ہندوستان سے کس قدر مختلف ہوتے ہیں۔ مٹی کے کچے مکانوں کی جگہ یہاں لکڑی کے مکانات ہیں۔ نیم کیکر برگد۔ آم، جامن کے درختوں کے بجائے صنوبر، دیودار، میپل،

اور شاہ بلوط کے درخت نظر آتے ہیں۔ جا بجا اونچے اونچے لکڑی کے کھمبے اور برقی تار بتاتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی دورِ جدید کی آسانیوں سے محروم نہیں ہیں۔ ہندوستانی گاؤں میں ضرور کسی مسجد یا مندر کا کلس یا مینار مکانات کے اوپر سربلند کئے ہوتے نظر آتا ہے۔ یہاں اس کے بجائے گاؤں سے باہر کسی بلند مقام پر دو چار سنگین لوحیں زمین پر نصب ہوتی ہیں ان کے اوپر دو چار سرخ یا سفید رنگ کی کترنیں لٹکتی رہتی ہیں اور سامنے کچھ کھانے کی چیزیں مثلاً چاول وغیرہ پڑے رہتے ہیں۔ یہ شنتو مذہب کی قربانگاہ ہے۔ اس راستہ پر جو لمبی لمبی سرنگیں نظر آتی ہیں اس قوم کی جفاکشی، استقلال اور بیدار مغزی کا ثبوت دیتی ہیں۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے کے بعد داہنی جانب جاپان کا مشہور پہاڑ "کوہ فوجی" نہایت قریب نظر آنے لگا۔ بائیں جانب بحرِ ذخّار موجیں مار رہا تھا۔ ساحل کے برابر برابر ایک سنگین پشتے پر ریل بھاگی چلی جا رہی تھی۔ لہریں کھیلتی ہوئی آتیں اور اس پشتے سے ٹکرا کر غل مچاتی کف اُڑاتی لوٹ جاتی تھیں۔ نیلے سمندر پر نکھرا ہوا نیلگوں آسمان کس قدر بھلا معلوم ہوتا تھا۔ آفتاب بلند ہو چکا تھا، اور اس کی کرنیں تختۂ آب پر رقصاں تھیں۔ سامنے بہت دور افق کے قریب ایک جزیرہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے متعلق معلوم ہوا کہ یوں تو یہ جزیرہ بھی سلطنت جاپان کا جزو ہے اور اس میں جاپانی قوم ہی آباد ہے۔ مگر یہاں کے لوگ زمانۂ قدیم سے آج تک ہمیشہ بالکل خود مختار رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی قدیم تہذیب کو اب تک ترک نہیں کیا اور نہ مغربی تمدن کو اختیار کیا ہے، نہ اپنے جزیرہ سے باہر جانا پسند کرتے ہیں، نہ غیروں کو اپنے جزیرہ میں آباد ہونے دیتے ہیں اپنی تمام ضروریات خود مہیا کرتے ہیں۔ ان کی اپنی عدالتیں بھی ہیں، اور پولیس بھی، مگر جرائم کا ارتکاب شاذ و نادر ہوتا ہے۔

دوسری جانب جزائر اوشیما نظر آ رہا تھا۔ اس میں جو آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹی سے اب بھی دھواں نکل رہا تھا۔ یہ مقام جاپان کا پینل سیٹلمنٹ (تعزیری

نوآبادی) ہے۔ جن مجرموں کو حبس دوام کی سزا ہوتی ہے اُن کو اس جزیرے میں رکھتے ہیں۔

اتامی

سوا نو بجے اتامی کے اسٹیشن پر جا اُترے۔ یہ مقام توکیو سے جنوب مغرب کی جانب ۶۵ میل دور ساحل بحر پر واقع ہے۔ کوہستانی و بحری مناظر کی دلآویزی اور آب وہوا کی خوبی کے باعث اِس مقام کو جاپان کا **ریویرا** کہتے ہیں۔ موسم گرما میں یہ مقام خوب ٹھنڈا رہتا ہے۔ سرما میں ہمیشہ گرم آفتاب چمکتا رہتا ہے، اور آسمان کی صاف وشفاف نیلگوں رنگت دلوں کو بھاتی رہتی ہے۔ مزید برآں اس علاقے میں قدرتی گرم چشمے پائے جاتے ہیں اُن کو گھیر کر حوض بناتے ہیں۔ لوگ دور و نزدیک سے اِن میں نہانے کے لئے آتے ہیں۔ باہر سے آنے والوں کے لئے سینکڑوں ہوٹل بنے ہوتے ہیں۔

اسٹیشن پر ریل سے اترتے ہی ایک ہوٹل کے ملازم نے آگے آکر ہم کو خبر دی کہ آپ کے دوست مسٹر پے (پروفیسر زبان ڈچ) ماپیے ہوٹل میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ماپیے ہوٹل اسٹیشن کے پیچھے ایک پہاڑی پر اس طرح واقع ہے جیسے ایک بلند درخت پر چیل کا گھونسلہ ہوتا ہے۔ موٹر میں بیٹھ کر پانچ منٹ میں ہوٹل کے دروازے پر جا اُترے۔ موٹر کا راستہ نہایت خطرناک تھا۔ ایک تو چڑھائی بالکل سیدھی پھر ایک منٹ میں دو مین بار موٹر مڑتی تھی۔ اگر بریک ٹوٹ جاتے تو بیک لحظہ موٹر اور موٹر میں بیٹھنے والے کھڈ میں گر کر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

مسٹر پے ہوٹل کے دروازہ پر ملے اور اپنے ہمراہ ہمیں اندر لے گئے۔ ہوٹل کی عمارت نہایت وسیع اور خوبصورت ہے۔ محل وقوع تو لاجواب ہے۔ جس ہال میں لوگ مل جل کر بیٹھتے ہیں اس کی وہ دیوار بالکل شیشے کی ہے، جس کا رُخ سمندر کی طرف ہے۔ منظر اس قدر دلفریب ہے کہ یہاں بیٹھکر اُٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔ ہم ناشتہ کرتے رہے، اور ہمارے قریب ہی ایک شیشہ کے قدآدم اونچے پنجرے میں دو درجن نہایت خوبصورت چڑیاں

اپنے وجد انگیز نغموں سے ہمیں محظوظ کرتی رہیں۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر سیر کے لئے نکلے۔ کہسار میں بہت سے نشیب و فراز۔ چشموں کا اُبلنا۔ قدرتی فوّاروں کا پندرہ پندرہ گز اچھلنا، دیکھتے بھالتے، کوہستانی و بحری مناظر کی سیر کرتے عجیب و غریب راستوں اور پلوں پر سے گذرتے اتامی کے قصبہ میں داخل ہوتے۔ یہ چھوٹی سی بستی ہوٹلوں، مسافر خانوں، قہوہ خانوں اور تماشا گاہوں کا مجموعہ ہے ان کے علاوہ چند دکانیں میوہ فروشوں گندھیوں، تصاویر فروشوں، فوٹو گرافروں، موزے، بنیان، تولئے، بیچنے والوں کی بھی ہیں، گویا تمام آبادی کی غرض و غایت محض اُن لوگوں کی خاطر مدارات ہے جو بغرض سیر و تفریح ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں یہاں آتے رہتے ہیں۔

اتامی کے حمام انہی دکانوں میں ہر طرف سینکڑوں حمام بنے ہوتے ہیں جن میں لوگ قدرتی گرم چشموں کے پانی سے نہاتے ہیں۔ اس لئے ہر طرف لوہے کے چمنیوں سے سفید بادل جیسی بھاپ نکلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہم بھی ان میں سے ایک حمام میں پہنچے، جوتے، باہر ہی اتروا کر رکھ لئے گئے۔ اس کے بعد ایک بڑے لمبے چوڑے ہال میں داخل ہوتے، جس میں جاپانی چٹائیوں کا فرش تھا۔ دیوار کے برابر برابر چار پانچ روئی کے گدّے بچھا بچھا کر بیچ میں چینی کی انگیٹھیاں رکھی ہوتی تھیں۔ پہلے سے بہت سی ٹولیاں یہاں بیٹھی تھیں۔ ہم بھی ایک طرف جا بیٹھے چائے بسکٹ، مٹھائی وغیرہ سے ہماری تواضع کی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے کمرے میں گئے۔ یہاں برابر برابر بہت سی الماریاں بنی ہوئی تھیں، ہم نے بھی ایک الماری میں کپڑے اتار کر ٹانگ دئے۔

ایک حیا سوز نظارہ اگرچہ جاپانی دستور کے مطابق مرد، و عورت، جوان، بچے اور بوڑھے سب ایک کمرے میں بلا تکلف تمام کپڑے

اتار کر بالکل برہنہ ہو جاتے ہیں، مگر چونکہ میں اِس عریانی کا عادی نہ تھا اس لئے ایک نیکر اس وقت بھی میرا شریک حال رہا۔

نہانے کا کمرہ بھی ایک وسیع ہال ہے، اس کی دیواروں اور فرش پر ٹائل لگے ہوتے ہیں، چاروں طرف تین تین گز کے قریب حاشیہ چھوڑ کر بیچ میں ایک بڑا اور پختہ حوض بنا ہوا ہے، قدرتی چشمے سے پانی اس حوض میں ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے نکلتا رہتا ہے۔ ایک وقت میں سو آدمی اس حوض میں غسل کر سکتے ہیں۔ اس وقت چالیس آدمی نہا رہے تھے، ان میں نصف نوجوان عورتیں تھیں۔ معصوم بچوں کو اپنے ستر چھپانے کا خیال ہو جاتا ہوگا، مگر ان میں ذرا جھجک یا شرم نہ تھی۔ اوّل حوض کے کنارے بیٹھ کر جسم کو صابن لگاتے ہیں، اور جھانوے سے رگڑ رگڑ کر دھوتے ہیں۔ جب بالکل صاف و پاک ہو جاتے ہیں اُس وقت حوض کے اندر اترتے ہیں۔ حوض کا پانی اس قدر گرم ہوتا ہے کہ ہمارے لئے تو ناقابل برداشت تھا۔ مگر جاپانی اس قدر تیز پانی سے نہانے کے عادی ہوتے ہیں، کچھ دیر تو تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر دو تین منٹ کے بعد واقعی عجیب لطف آتا ہے، اور اس قدر تیز پانی میں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب حوض سے باہر نکلتے ہیں تو عجیب فرحت محسوس ہوتی ہے، جاپانی بار بار غوطہ لگاتے اور پھر باہر نکل کر بدن رگڑتے ہیں یہانتک کہ خون جھلکنے لگتا ہے۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک یوں ہی مشغول رہتے ہیں، اور اس دوران میں برابر ہنسی مذاق اور چُہل کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، گویا حمام کیا اچھا خاصا کلب گھر ہے، یہ حیا سوز منظر اور یہ وحشیانہ عریانی ہمارے نزدیک کتنی ہی قابل اعتراض کیوں نہ ہو، مگر ایک قوم پرست جاپانی اس اعتراض کا صرف یہ جواب دیتا ہے، کہ یہ ہمارا قومی شعار ہے جس کو ہم صرف اس لئے ترک نہیں کر سکتے کہ غیر ملکی اس پر معترض ہیں۔

لڑکیوں کا تہوار ۳ رمارچ ۱۹۳۱ء، آج لڑکیوں کا تہوار ہے، جاپان میں

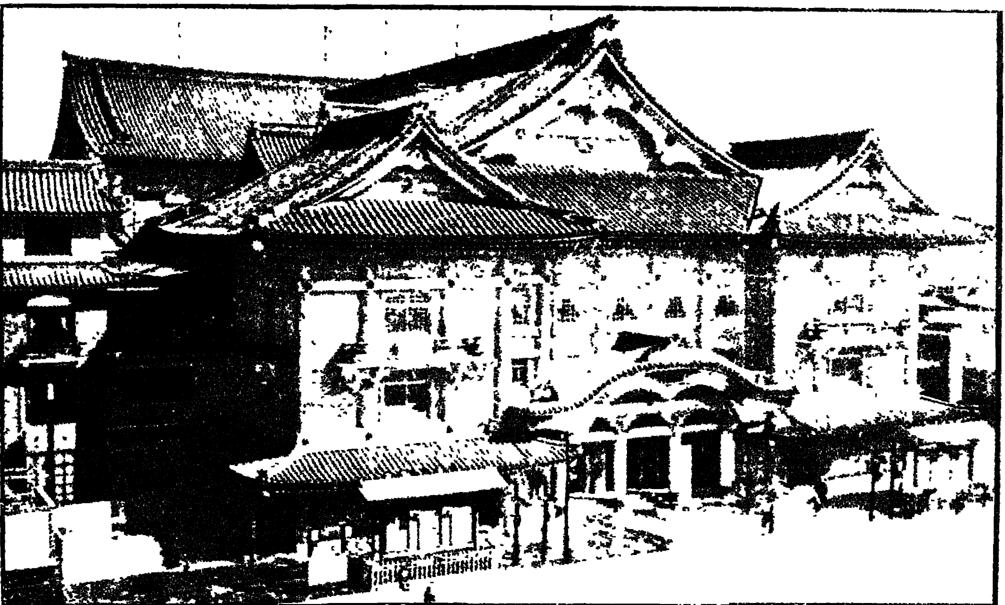
سینکڑوں برس سے یہ تہوار قائم ہے۔ اس روز لڑکیاں خوبصورت گڑیوں سے ایک دربار سجاتی ہیں اور ہنڈ کلیا پکا کر نہایت چھوٹے چھوٹے برتنوں میں کھلنے اتار کر ان فرضی مہمانوں کے سامنے اُن تمام قواعد وآداب کے ساتھ رکھتی ہیں جو اس ملک میں رائج ہیں، پندرہ بیس روز پیشتر سے ٹوکیو کے تمام بڑے بڑے ڈیپارٹمنٹ اسٹورز نہایت عمدہ و بیش قیمت گڑیوں کی نمائش کرتے ہیں، یہ چیزیں اس زمانے میں بکثرت فروخت ہوتی ہیں۔ ہر شخص جس کے گھر میں بیٹی موجود ہے، اُس کے لئے یا اپنے دوستوں اور عزیزوں کی بیٹیوں کو تحفہ دینے کے لئے گڑیاں خریدتے ہیں۔

سینما اور تھیٹر

یوں تو ٹوکیو میں بے شمار تھیئٹر اور سینما ہال ہیں، اور کوئی محلہ کوئی بازار ان سے خالی نہیں، مگر اساکوسا ان تماشا گاہوں کے لئے خاص شہرت رکھتا ہے، اس بازار میں بالکل برابر برابر دو درجن سینما ہال واقع ہیں۔ ہر ایک کے سامنے برقی روشنی کی آرائش ایک نئے انداز سے کی جاتی ہے فن چراغاں میں چینیوں کے سوا دنیا کی کوئی قوم جاپان کی ہمسری نہیں کرسکتی۔

ان تماشا گاہوں میں سے بعض صرف جاپانی کھیل دکھاتی ہیں بعض صرف غیر ملکی اور بعض دونوں ملا کر، بعض میں سینما کے ساتھ مختصر ڈرامے اور ناچ وغیرہ بھی ہوتے ہیں جہاں غیر ملکی فلم دکھلاتے جاتے ہیں وہاں ایک شخص بآواز بلند جاپانی زبان میں مطالب سمجھاتا رہتا ہے۔

فلم سازی کی صنعت میں جاپان نے کافی ترقی کی ہے، اگرچہ ابتک امریکہ کی ہمسری تو نہیں ہو سکی، لیکن دوسرے ممالک سے جاپان ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہے۔ آج کل یہ تجویز درپیش ہے کہ جاپان میں بھی ایک ہالی وڈ بنایا جائے۔ مختلف فلم ساز کمپنیاں اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے متحدہ کوشش کر رہی ہیں، اور حکومت نے بھی امداد کا وعدہ کیا ہے۔



ایک قدیم وضع کا تھیٹر - ٹوکیو

یہاں ہر سینما ہال میں دن کو بارہ بجے سے رات کے دس بجے تک تماشا دکھایا جاتا ہے۔ اس وقت میں دو تین تماشے دو بار دکھاتے ہیں۔ ایک بار ٹکٹ لے کر پورے دس گھنٹے یعنی ایک مکمل دن کا پروگرام دیکھ سکتے ہیں۔ چونکہ اس عمارت کے اندر ہی ہر قسم کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں، اس لئے اکثر لوگ اس رعایت سے فائدہ اٹھا کر پورا وقت یہاں گذارتے ہیں۔

عمارت کے ایک حصّہ میں ریسٹورنٹ ہوتا ہے، ایک طرف نہایت صاف ستھرے مردانے زنانے پاخانے بنے ہوتے ہیں۔ ایک وسیع سجا سجایا سموکنگ روم بھی ضرور ہوتا ہے، جس کو ہر درجے کے لوگ استعمال کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ ہر قسم کا آرام مہیا کیا جاتا ہے۔ بعض مقامات پر نیچے کے درجوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ درجے بنائے جاتے ہیں، مگر اوپر کے درجوں میں یہ تفریق کہیں نہیں دیکھی۔ بعض مقامات پر ایک گیلری میں جاپانی طریقے کے مطابق فرش پر نشست ہوتی ہے، اور ہر تماشائی کو ایک گدّہ بیٹھنے کے لئے ملتا ہے۔

مجھے بارہا متعدد مقامات پر تماشا دیکھنے کا اتفاق ہوا مگر ہر جگہ تماشا گاہ کے منتظمین کا سلیقہ حسنِ انتظام اور اپنے گاہکوں کو آرام پہنچانے کی سعی نیز تماشا دیکھنے والوں کی شائستگی دیکھ کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا۔ لوگ یہاں بھی باہم گفتگو کرتے ہیں اور وقفہ میں دکاندار آوازیں لگا کر کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرتے ہیں، مگر نہ تو ناگوار شور و غل مچتا ہے۔ نہ لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔ ہر ٹکٹ کے لئے سیٹ ریزرو ہوتی ہے۔ اس لئے صرف اُسی قدر ٹکٹ جاری کئے جاتے ہیں جتنی گنجائش ہوتی ہے، سینما ہال کے دروازے پر پندرہ بیس لڑکیاں اور لڑکے کھڑے رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص ٹکٹ لے کر اندر آتا ہے ان میں سے ایک لڑکا یا لڑکی اُس کے ہمراہ ہو جاتی ہے، اور برقی ٹارچ کے ذریعہ راستہ دکھا کر اس کی نشست تک پہنچا آتی ہے۔

چونکہ ہر جگہ سینما کے ساتھ ساتھ ڈرامے اور ناچ بھی دکھائے جاتے ہیں، اس لئے اسٹیج اس قسم کا ہوتا ہے، کہ دونوں کاموں کے لئے موزوں ہو۔

۳ مارچ ۱۹۳۱ء ایک سینما ہال واقع اساکوسہ میں گیا۔ سینما کا تماشہ ختم ہونے کے بعد ڈراپ گر گیا۔ جب ڈراپ پھر اٹھا تو مغربی رقص شروع ہوا۔ ناچنے والی لڑکیاں سب جاپانی تھیں، مگر لباس مغربی تھا، اور ان کے جسم قریب قریب بالکل عریاں تھے، رقص کے بعد لڑکیاں اسٹیج سے چلی گئیں۔ ایک پردہ گرا۔ اور ایک ڈاکو قدیم جاپانی لباس پہنے ہوئے اس پردے کو تلوار سے چاک کر کے باہر نکلا۔ پھر ایک نوجوان مغربی لباس میں نمودار ہوا اور ڈاکو سے پہلے مکالمہ اور مقابلہ ہوا۔ ڈاکو نے شکست کھائی۔ پھر ایک جانب سے بیس لڑکیاں یک رنگ مغربی لباس پہنے ہوئے ایک قطار میں اسٹیج پر آئیں۔ ڈاکو نے ان پر حملہ کیا، مگر ان کی کمانِ ابرو اور تیر مژگاں سے گھائل ہو کر بھاگا۔ دوسری طرف سے بیس لڑکیوں کی ایک اور قطار نظر آئی۔ انھوں نے بھی اس ڈاکو کے ساتھ وہی سلوک کیا۔ پھر چالیسوں لڑکیوں نے دیر تک رقص دکھایا۔ اس کے بعد ایک جاپانی ڈرامہ ہوا۔ پھر چار لڑکیوں نے وہ یورپین رقص دکھایا، جس کو ہنس ناچ کہتے ہیں۔ رقاصہ کا لباس ہنس سے ملتا جلتا ہوتا ہے، اور وہ پنجوں کے بل ناچتی ہے۔ پروں کو ظاہر کرنے کے لئے نہایت باریک سفید کریپ کا ایک ڈوپٹہ ہاتھ میں ہوتا ہے۔ رقاصہ اس میں لپٹتی اور کھلتی ہے۔ آخر میں اسٹیج پر تقریباً سولہ لڑکیوں نے رقص دکھایا، اور تماشا ختم ہوا۔

اوساکا کے قریب ایک مقام تکارازوکا ہے، جہاں جاپان کی سب سے بڑی تھیٹریکل کمپنی کا مستقل قیام رہتا ہے۔ اس کمپنی کی ملازمت میں ڈیڑھ ہزار رقاصہ ہیں اور ان کا اسٹیج اتنا وسیع ہے کہ بیک وقت پوری ڈیڑھ ہزار ناچنے والیاں ناچ سکتی ہیں اور آخر اپریل میں ہر سال یہ کمپنی اپنی پانچ سو ناچنے والیاں توکیو بھیجا کرتی ہے۔ اور وہ شنباشی کے قریب ایک بہت بڑے تھیٹر ہال میں ایک ہفتہ تک ناچ دکھاتی ہیں۔

۲۳ر اپریل کو میں نے بھی یہ ناچ دیکھا۔ اس سے قبل نہ میں نے اتنا بڑا اسٹیج دیکھا تھا، نہ ایک وقت میں ایک اسٹیج پر ناچنے والیوں کی اتنی بڑی تعداد، اور نہ اس قدر عریانی۔

مدرسہ کی طرف سے تھیٹر کی دعوت

۷ار مئی ۱۹۳۱ء کو مدرسہ کی جانب سے تمام پروفیسروں کو شام کے کھانے، اور تھیٹر میں پہلے سے سونشستیں ریزرو کرالی گئی تھیں۔ چار بجے شام کے وقت کھیل شروع ہوا اور دس بجے شب کو ختم ہوا، بیچ میں آدھ گھنٹہ کا وقفہ تھا۔ جس میں ہم سب نے تھیٹر کے ڈائننگ ہال میں شب کا کھانا کھایا۔ یہاں تھیٹروں میں بھی ایک شب میں چھوٹے چھوٹے چار پانچ ڈرامے کھیلتے ہیں

آج کی شب سب سے پہلے ایک ڈرامہ دور جدید کے متعلق دکھایا گیا جس میں ایک نوجوان مدرس کی دردناک مصیبتیں، ایک جلساز بدمعاش سے اُس کی ملاقات، شیطانی وسوسات، نیکی کا راستہ چھوڑ کر بدی اختیار کرنا، اور ناجائز طریقوں سے دولت کما کر اس نتیجہ پر پہنچنا کہ اطمینان قلب دولت سے نہیں نیکی سے حاصل ہوتا ہے۔ آخر میں اُس شخص کا تائب ہونا دکھایا تھا۔

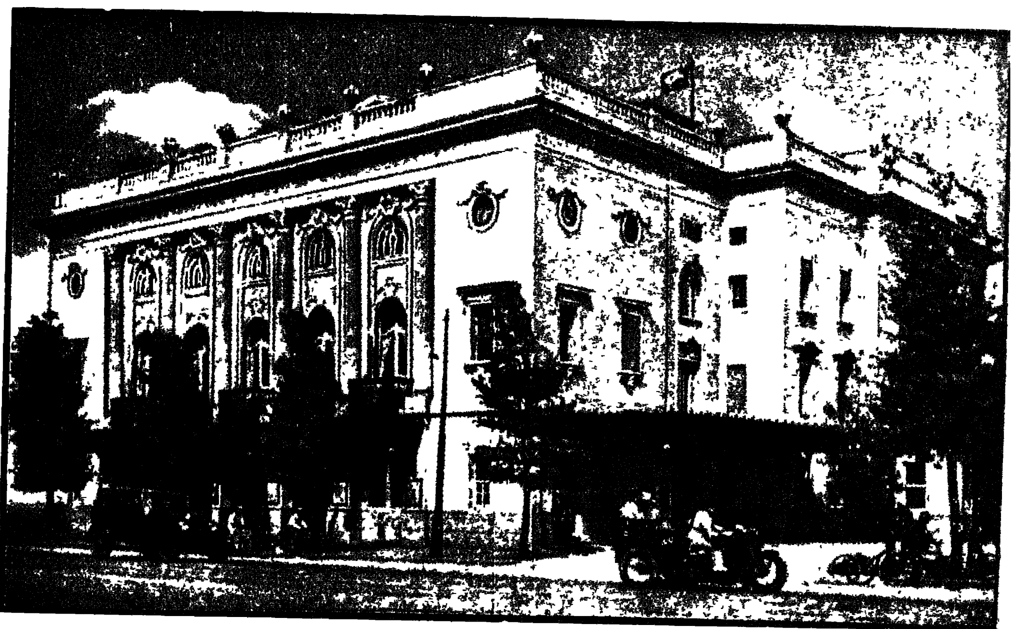
ملکی ڈرامہ "نو"

دوسرا ڈرامہ جاپان کے قدیم مذہبی ڈراموں کے طریقہ پر تھا۔ جو "نو" کہلاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں صرف اعلیٰ طبقہ کے لوگ (سامُرائی) "نو" ڈراموں میں حصہ لیا کرتے تھے، اس کو تفریح و تفنن کا ذریعہ نہ سمجھتے تھے بلکہ ان سے تادیب و تربیت کا کام لیتے تھے۔ اسی لئے انتہائی سنجیدگی و متانت ان کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ آج کل تھیٹروں میں جو نو ڈرامے دکھائے جاتے ہیں ان میں ہر لحاظ سے پرانے زمانے کی تقلید کی جاتی ہے، صرف فرق یہ ہے کہ آج کل ان کے ایکٹر پیشہ ور ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ خالص جاپانی چیز ہے، اور اس میں غیر ملکیوں کو بڑی دلچسپی ہوتی ہے، اس لئے یہاں تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پرانے زمانے میں "نو"، ڈرامے کا اسٹیج کھلے میدان میں تیار ہوتا تھا، اور تمام لکڑی کا مکان بنا کر اس کے نیچے پہئے لگاتے تھے، اس طرح یہ مکان گھوم کر دو یا تین مختلف مناظر پیش کر سکتا تھا۔ آج کل بھی 'نو' ڈرامے کے لئے اسی قسم کا لکڑی کا مکان بنا کر تھیٹر ہال کے اسٹیج پر رکھ دیتے ہیں، اور بجلی کے ذریعہ سے یہ مکان گول گھوم جاتا ہے۔ یا کچھ حصہ اسٹیج کے ایک طرف سے سامنے آتا ہے اور پھر دوسری طرف کھینچ کر دوسرا منظر نکل آتا ہے۔

اس متحرک اسٹیج سے بالکل علیحدہ ایک طرف ایک تخت پر تین چار بدھ مت کے پجاری بیٹھتے ہیں۔ ان کے سامنے شمعیں روشن کی جاتی ہیں اور کتابیں کھلی رکھی رہتی ہیں۔ اسٹیج پر جو ایکٹر آتا ہے وہ خاموش رہتا ہے۔ پارٹ کے دوران میں جہاں جہاں ایکٹروں کو بولنا چاہیئے اُن کے بجائے پجاری گا گا کر پڑھتے ہیں۔ ایکٹر نہ صرف خاموش رہتے ہیں بلکہ حرکت بھی نہیں کرتے۔ اگر ضرورت پیش آجائے تو اس طرح حرکت کرتے ہیں کہ گویا کٹھ پتلیاں ہیں۔ مغربی نقادانِ فن کے نزدیک سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایکٹر جذبات کو ظاہر کرنے میں کامیاب ہو جاتے، مگر جاپانی 'نو' ڈرامے کی ایکٹنگ کا یہ پہلا اصول ہے کہ جذبات کا اظہار نہ ہونے پائے، اس غرض کے لئے اوّل تو اکثر ایکٹر مصنوعی چہرے باندھے رکھتے ہیں، اور جو اپنے اصلی چہرے بھی دکھاتے ہیں اُن کے چہرے بھی ایسے نظر آتے ہیں کہ یا تو مردہ ہیں یا چینی کی مورتیں ہیں۔

اس وقت جو کھیل میں نے دیکھا، وہ یہ تھا کہ ایک سامُرائی سردار کے حضور میں ایک نوجوان عورت بحیثیت مجرم پیش ہوتی ہے، یہ ایک دوسرے سردار کی داشتہ ہے جو اس سردار سے مغلوب ہو کر روپوش ہو چکا ہے۔ سردار اس عورت سے اپنے مغلوب و مفرور دشمن کا پتہ پوچھتا ہے، مگر وفادار عورت اس راز کے افشا کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ سردار کے حکم سے ایک بُت دربار میں لایا جاتا ہے، تاکہ اس دیوتا سے



امپیریل تھیٹر - توکیو

استصواب رائے کیا جائے۔ اُس بُت کا پارٹ بھی ایک آدمی کرتا ہے جس کو دو نقاب پوش
اُٹھا کر اسٹیج پر لاتے ہیں۔ سردار کی طرف سے ایک گانے والا پجاری سوال پیش کرتا ہے
یہ بت عجیب و غریب حرکتوں سے سوال کا جواب دیتا ہے، مگر یہ حرکتیں ایسی ہوتی ہیں جیسی
کٹ پتلیاں کر سکتی ہیں۔ ایک دوسرا پجاری ان حرکتوں کا صحیح مفہوم الفاظ میں ادا کرتا ہے
دیوتا نے یہ حکم دیا تھا کہ اس عورت کو سخت ترین ایذا پہنچا کر اس سے راز پوچھ لیا جائے۔
چنانچہ فوراً بیس نقاب پوش ایذا رساں مہیب آلات ہاتھوں میں اُٹھائے ہوئے
حاضر ہوئے۔ خیال تھا کہ عورت ان کو دیکھ کر لرز جائیگی مگر وہ ثابت قدم رہی۔ سردار نے
یہ دیکھ کر حکم دیا کہ ایذا نہ دی جائے۔ ایذا دینے والے چلے گئے۔ اور سردار کے حکم سے
اُس عورت کو ایک ستار بجانے کے لئے دیا گیا۔ عورت نے اس پر ایک ایسا درد انگیز
نغمہ گایا کہ تمام اہل دربار مبہوت رہ گئے، اور سردار نے اس عورت کو رہا کر دیا۔

ہندوستانی ڈرامہ ڈرامے کے بعد کچھ دیر رقص ہوا، پھر تیسرا ڈرامہ موسومہ
"گم گشتہ محبوبہ" دکھایا گیا۔ یہ رام لیلہ کا ایک جزو تھا
جس میں سیتا جی کا گم ہونا اور پھر مل جانا دکھایا گیا تھا۔ ہندوستانی لباس و وضع
کی نقل جس خوبی سے کی تھی وہ بیشک قابل داد تھی۔ ہندوستان سے ہزاروں کوس
دور ہندوستان کے متعلق اتنی واقفیت رکھنا اس قوم کی بیدار مغزی کا ثبوت ہے۔

بقیہ ڈرامے وقفہ کے بعد تین ڈرامے اور دکھائے گئے۔ ایک دربار سیام کے
متعلق تھا۔ اس میں ایک جاپانی سردار کی موت دکھائی تھی۔ شناید
اس شب کا بہترین ایکٹ یہی تھا۔ دوسرا ڈرامہ اُس زمانے سے متعلق تھا جب کہ
جاپان میں عیسائی مذہب اختیار کرنا جرم تھا، تیسرے ڈرامے میں دکھایا تھا کہ
دو بھائی دریا پر ایک بند باندھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اپنا سب سرمایہ اس کام پر لگا دیا
پھر بھی کام مکمل نہ ہوا، اور مزدوروں کی اتنی مزدوری چڑھ گئی کہ انھوں نے کام کرنے سے

انکار کر دیا اور سخت برافروختہ ہوئے۔ ایک روز شب کو چاہتے تھے کہ دونوں بھائیوں کا خاتمہ کر دیں کہ عین موقع پر ان میں سے ایک بھائی کی منسوبہ روپیہ لے کر آگئی، اور ان دونوں کی جان بچ گئی۔

منظر کی تیاری میں جاپانیوں کا کمال

مغربی طرز پر مناظر کے طیار کرنے میں بھی جاپان نے بڑا کمال بہم پہنچایا ہے، اور آرٹ کے متعلق اپنے فطری رجحان اور ذوق سلیم سے کام لے کر اس میں خاص امتیاز حاصل کیا ہے، بالخصوص ان کی ایک خوبی قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ اگر آدھ گھنٹے تک ایک ہی منظر سامنے رہے تو اُس وقت میں برابر کچھ نہ کچھ تبدیلیاں قدرتی طور پر رونما ہوتی نظر آتی ہیں، اور وہ اس قدر آہستہ آہستہ پیدا ہوتی ہیں کہ بظاہر کوئی حرکت معلوم نہیں ہوتی۔ کچھ دیر بعد منظر کی ہیئت ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً آسمان پر بادلوں کی شکلیں، اور رنگ بتدریج بدلتے رہتے ہیں۔ شام کے منظر میں شفق پھولتی ہے آہستہ آہستہ سیاہی نیچے سے بلند ہو کر تمام فضا پر چھا جاتی ہے۔ تارے نکلتے ہیں۔ جھلملاتے ہیں، غایب ہو جاتے ہیں۔ درختوں کے پتے ہوا سے ہلتے ہیں۔ سمندر کے منظر میں دور سے جہاز آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو پہلے صرف دھواں نظر آتا ہے پھر رفتہ رفتہ مستول اور پھر پورا جہاز چھوٹا نظر آتا ہے، جوں جوں وہ قریب آتا ہے بڑا ہوتا جاتا ہے۔ اُس کا دھواں آسمان پر پھیلتا ہے۔ ایک بار مکان کے اندر کا منظر دکھایا۔ یکایک ایسی آواز پیدا ہوئی گویا بارش ہو رہی ہے، تعجب ہوا کہ اتنے وسیع اور بلند ہال میں باہر سے بارش ہونے کی آواز اندر کیسے آئی۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ یہ آواز مصنوعی تھی، اور گویا کھیل کا ایک جزو تھی۔

بچّوں کا باغ

ہمارے مکان کے قریب ہی ایک وادی میں دریا کے کنارے بچوں کا باغ واقع ہے باغ کے دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر ریلوے اسٹیشن ہے، داخلے کے لئے تیس سین کا ٹکٹ مقرر ہے۔ تقریباً دو ڈھائی ایکڑ زمین میں ایک چھوٹی سی دنیا آباد ہے۔ گلیور صاحب نے بالشتیوں کے شہر "لیلی پٹ" کا جو خیالی نقشہ کھینچا ہے وہ حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، نہایت خوبصورت اور مصفا پتلی پتلی سڑکیں، مصنوعی میدانوں، مرغزاروں، وادیوں، پہاڑوں، اور سرنگوں سے گذرتی ہوئی، دور دور پھیلتی چلی گئی ہیں۔ جا بجا انوکھی وضع کی عمارات کھڑی ہیں، دریا سے کاٹ کر ایک پتلی پایاب نہر لائے ہیں۔ اس پر بیسیوں خوشنما ننھے ننھے پُل باندھے ہیں، بعض جگہ سڑکوں پر بھی اس قسم کے پل بناتے ہیں کہ ایک طرف سے بچّے زینے پر سے چڑھتے ہیں، اور دوسری طرف ایک چکنی لکڑی کے ڈھال پر نیچے کی طرف پھسلتے ہیں۔

ایک جگہ تقریباً سو گز لمبا اور تیس چالیس گز چوڑا تالاب ہے، اس میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھاپ سے بھاگنے والی اور چپّو سے چلنے والی پڑی ہوتی ہیں، ان کی شکلیں بھی عجیب عجیب ہیں، کوئی جہاز سے ملتی جلتی ہے، کوئی مچھلی کی صورت ہے۔ کسی کی شکل اژدہے جیسی بناتی ہے، بچے ان کشتیوں میں بیٹھ کر کشتی چلانا سیکھتے ہیں۔ اور اس کھیل سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

ایک گول راستے میں بچّے چھوٹی چھوٹی پیڈل سے چلنے والی موٹروں پر چڑھے پھرتے ہیں۔ اس کے گرد ایک اور مدور راستہ ہے، جس پر بچے گھوڑے کی سواری سیکھتے ہیں اس کے باہر ایک اور بہت وسیع چکر ہے، جس کا محیط کم از کم ایک میل ہوگا۔ اس

چکر" میں ریل بچھی ہوئی ہے۔ اسٹیشن، تار گھر، ورکشاپ لائن بدلنے کے کانٹے، سگنل، پل، لیول کراسنگ، سب ہی ضروریات موجود ہیں۔ ایک چھوٹا سا دخانی انجن سات گاڑیوں کو لئے پھرتا ہے، گاڑیوں کے اندر آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ انجن ڈرائیور تو مقرر ہے، لیکن جب کسی مدرسے کے چھوٹے بچے" اپنی استانی کے ہمراہ اس باغ میں آتے ہیں، اور اس ریل سے کھیلنا چاہتے ہیں تو یہی بچے" مسافر بنتے ہیں، اور یہی گارڈ، ٹکٹ کلکٹر اسٹیشن ماسٹر وغیرہ بنتے ہیں، اور اسٹیشنوں پر باقاعدہ چھپے ہوتے ٹکٹ دیتے ہیں (جن کی قیمت کچھ نہیں ہوتی) ٹرین میں آکر ٹکٹ چیک کرتے ہیں۔ گارڈ کی سیٹی اور جھنڈی پر ڈرائیور انجن چلاتا اور روکتا ہے۔

ایک طرف ایک نہایت بلند آہنی مستول زمین میں گڑا ہوا ہے اس کی چوٹی پر چار ہوائی جہازوں کے ماڈل مضبوط تاروں سے بندھے ہوئے ہیں۔ ہر ہوائی جہاز میں چھ چھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں ان کے اندر جب بچے" بیٹھ جاتے ہیں تو بجلی کے ذریعہ سے ان ہوائی جہازوں کو حرکت ہوتی ہے اور چکر" لگا کر یہ ہوا میں بلند ہوتے ہیں اور اوپر بھی دیر تک چکر لگاتے رہتے ہیں پھر نیچے اتر آتے ہیں

ایک بلند مکان سے ایک اور ریلوے لائن ڈھالدار راستہ پر بچھائی ہے، اور پورا چکر دے کر پھر اسی عمارت کے نیچے لاکر ختم کر دی ہے، ایک کشتی میں پہیے" لگا کر اس لائن پر رکھ دی ہے، اور لنگر کے ذریعہ سے اس کشتی کو عمارت کے اندر باندھ دیا ہے جب بچے اس کشتی میں بیٹھ جاتے ہیں تو اس" کھیل کا منتظم ایک انجن کے ذریعہ سے لنگر اٹھالیتا ہے۔ کشتی ڈھال پر تیزی کے ساتھ بھاگتی ہوتی تین چار منٹ کے بعد پھر اسی عمارت کے نیچے آجاتی ہے اور انجن زنجیریں ڈال کر کشتی کو پھر اوپر کھینچ لیتا ہے، ایک مدور خیمہ نما عمارت کے بلند چبوترے پر بہت سی کرسیاں اور لکڑی کے گھوڑے لگے ہوئے ہیں بچوں کو بٹھا کر یہ تمام کرسیاں ہنڈولے کی طرح گھومنے لگتی ہیں، بیچ میں باجہ بجتا رہتا ہے۔

ایک طرف ایک تار پر دوڑنے والا جھولا ہے، اس کے علاوہ اور سینکڑوں

معمولی چھوٹے گھاس کے قطعات پر جا بجا گڑے ہوئے ہیں۔

ایک چھوٹا میدان "بے بی گالف" (Baby golf) کے لئے مخصوص ہے ایک طرف ایک بلند مینار بنا ہوا ہے، جس کے اوپر سے کوسوں دور تک منظر دکھائی دیتا ہے اس کے بیچ میں چکّردار زینہ اوپر چڑھنے کے لئے ہے، اور باہر کی طرف چکردار پھسلنے کا ڈھلوان راستہ ہے۔

اسی باغ کے ایک گوشہ میں مختصر سا چڑیا گھر بھی ہے جس میں کچھ چڑیاں بندر اور رنگین مچھلیاں پلی ہوئی ہیں۔ یہاں ایک تھیٹر ہال اور سینما ہال بھی موجود ہے، ان میں بچوں کی دلچسپی اور تعلیم کے لئے وسعت معلومات پیدا کرنے اور اخلاق سکھانے والے کھیل دکھائے جاتے ہیں۔ ایک اور ہال میں بچوں کے لئے ورزش کا سامان مہیّا ہے۔ اسی میں بچوں کو تولنے اور طاقت کا اندازہ لگانے، قد اور سینہ ناپنے کی مشینیں لگی ہوئی ہیں ایک کمرے میں جہازوں کی تصاویر اور ماڈل رکھے ہیں، ایک کمرے میں سینکڑوں قسم کے کھیل چھوٹی چھوٹی میزوں پر چنے ہوتے ہیں، گرد ننھی ننھی کرسیاں پڑی ہیں۔ ایک بڑے ہال میں کھانے کا انتظام ہے۔ کھانے کے لئے قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، مگر جاپانی چائے مفت ملتی ہے۔ متفرق مقامات پر باغ کے کنارے کنارے بہت سے صاف ستھرے پاخانے بھی بنے ہوئے ہیں۔

باغ کے اندر ایک مقام پر مہندی کی ٹٹیوں سے بھول بھلیاں بنی ہوئی ہے۔ ایک دوسرے گوشے میں تین بڑے بڑے حوض تیرنا سیکھنے اور نہانے کے لئے بنے ہوئے ہیں اس باغ کے پشت پر ایک پہاڑی ہے۔ جہاں زمین ہموار کر کے کھیل کا میدان بنایا ہے اور اس میدان کے ایک گوشے میں پیویلین (Pan lion) بھی بنا ہوا ہے۔

تیس سین میں بچے کی دلچسپی، خوشی، صحت اور تعلیم کا اس قدر وافر سامان موجود ہے ہر روز یہاں بچوں اور عورتوں کا مجمع رہتا ہے، لیکن اتوار کے دن تو ایک میلہ سا

لگ جاتا ہے۔ سینکڑوں ننھے ننھے بچے اور بچیاں اِدھر اُدھر تیتریوں کی طرح رقص کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے گلاب جیسے معصوم چہرے اور طفلانہ حرکات دیکھ کر عجیب مسرت ہوتی ہے۔

بھوتوں کی نمائش

۱۰ ؍مارچ ۱۹۳۱ء ایک بجے بھوت نمائش دیکھنے کے لئے گیا۔ آج ہی اس نمائش کا افتتاح ہوا تھا۔ دریائے سومیدہ کے کنارے مشہور عمارت موسومہ **کوکوگیکان** میں یہ نمائش منعقد ہوئی تھی۔

عمارت کے باہر ایک عارضی دروازہ قائم کیا تھا جس پر تین نہایت مہیب دیو پیکر چہرے بنے ہوئے تھے، بھوتوں کی نمائش کے لئے یہ نہایت موزوں دروازہ تھا۔

ہم چالیس چالیس سین کے ٹکٹ خرید کر اندر داخل ہوئے۔ اس وسیع عمارت کے اندر مصنوعی جنگل، پہاڑ، سمندر، آبشاریں، دریا، پل، مندر، مقبرے، اور پیچ در پیچ راستے بنائے ہیں، بجلی کی روشنی ہلکی نیلے رنگ کی ڈالی ہے، جس سے منظر اور زیادہ ہولناک ہو گیا ہے۔

اندر داخل ہوتے ہی ایک گیلری سے گذرے، جس کے دونوں جانب مختلف الہیئت جاپانی بھوتوں کی تصاویر آویزاں تھیں، قریب ہی شیشے کی الماریوں میں جاپان قدیم کی صنعت پارچہ بافی کے نمونے لٹکے ہوئے تھے، ان میں سے اکثر کپڑے ہندوستانی کمخواب واطلس سے مشابہ تھے، ایک جگہ ایک بہت بڑا جاپان کا نقشہ آویزاں تھا۔ مختلف صوبوں میں مختلف قسم کے بھوتوں پر لوگ اعتقاد رکھتے ہیں۔ نقشے پر ہر صوبے کے مخصوص بھوتوں کی تصاویر دکھائی تھیں۔

اس گیلری کے اختتام پر مختلف قسم کے مناظر شروع ہوتے ہیں۔ ہر منظر ایک ایک کمرے میں یا جنگلوں اور کھیتوں کے بیچ میں قائم کیا ہے، ہر چیز اصل یا اصل کے مطابق ہے

مثلاً کھیت میں اصلی گھاس یا دھان کی بالیں کھڑی ہیں اصلی درخت اُگ رہے ہیں۔ مکانات لکڑی اور بانس کے بالکل اصل کے مطابق ہیں، پل لکڑی کے باندھے ہیں۔ نالوں میں پانی چل رہا ہے۔ مکانات کے اندر اصلی سازوسامان رکھا ہے۔ آدمیوں بھوتوں یا مُردوں کو ظاہر کرنے کے لیے مومی مورتیں بنائی ہیں جو ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ منہ سے بولا چاہتی ہیں۔ ان کو ریشمی یا سُوتی کپڑوں کا لباس پہنایا ہے۔ غرض نقل اس قدر عمدہ ہے کہ حقیقت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ ایک جگہ دیوار پر ایک بھوت کا سر نظر آتا ہے اور دو آدمی زیر دیوار کھڑے ہیں اور بھوت کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہے ہیں۔ دوسری جگہ ایک جاپانی گھر کے اندر ایک خوبصورت عورت کی شکل میں ایک بھوتنی کھڑی ہے۔ مرد باہر سے آیا ہے۔ بھوتنی اشارہ سے اس مرد کو اندر بلاتی ہے، مگر وہ خوف زدہ ہو کر اپنا بھالا چلا رہا ہے۔

ایک مقام پر ایک شخص اپنے گھر کے اندر بستر پر لیٹنا ہی چاہتا ہے کہ باغ میں پھاٹک کے قریب دو عورتیں کھڑی ہوئی دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے۔ ایک دریا پر پل بندھا ہوا ہے اور پل کے اوپر ایک مرد ایک عورت کو قتل کر رہا ہے۔ ایک آبشار کے کنارے درخت سے ایک تختہ لٹک رہا ہے۔ تختے کے ایک طرف مرد کی نعش بندھی ہے دوسری طرف عورت کی نعش۔ تختہ کبھی اِدھر پلٹتا ہے کبھی اُدھر، ایک کمرے میں سمندر کا منظر بنایا تھا۔ موجوں کا تلاطم بپا تھا۔ امواج کے بیچ میں ایک خوفناک چہرہ سطح آب سے بار بار بلند ہوتا اور پھر موجوں کے اندر غایب ہو جاتا تھا۔ ایک مقبرہ پر ایک دیو بیٹھا تھا۔ سر ہلا کر زبان نکالتا اور دونوں ہاتھ بلند کرتا تھا۔ ہاتھ اُٹھتے تو پیٹ میں سے ایک اور سر نکل پڑتا۔ ایک جگہ ایک کریہہ المنظر دیو نی کھیت کے اوپر سر نکالے ہنس ہنس کر دانت دکھاتی تھی۔ ایک کھیت کے کنارے درخت کی شاخ سے ایک خونچکاں نعش لٹک رہی تھی۔ ایک راستہ پر پندرہ بیس لومڑیاں عورتوں جیسے کپڑے پہنے ہوئے ایک قطار میں

جا رہی تھیں۔ بیچ میں دو لومڑیاں ایک ڈولی کندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھیں۔ آج کل بھی جاپانی لوگ لومڑیوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ یہ عام عقیدہ ہے کہ ارواح خبیثہ لومڑی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

ایک مقام پر تھیٹر ہو رہا تھا وہاں بھی بھوتوں ہی کے کھیل تماشے اور ناچ دکھائے جا رہے تھے۔ تمام نمائش گاہ مردوں عورتوں اور بچوں سے پُر تھی۔ ایک دفعہ ٹکٹ لے کر جب تک چاہیں اندر رہ سکتے تھے۔ کیونکہ عمارت کے اندر ہی کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا انتظام موجود تھا۔

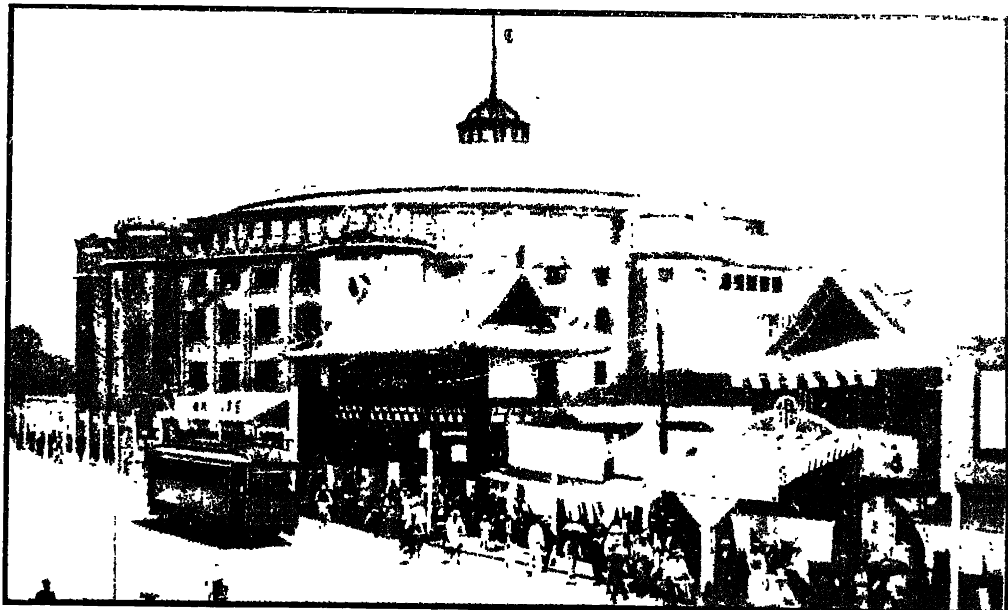
مصنوعی جنگل میں راستے اس طرح بنائے تھے کہ بھول بھلیاں بن گئی تھی، ایک دفعہ اندر جا کر باہر نکلنا آسان نہ تھا۔ شروع میں جب تک نئی نئی چیزیں نظر آتی رہیں کچھ پریشانی نہ ہوئی۔ لیکن دو گھنٹے کے بعد جب تمام چیزیں کئی کئی بار دیکھ چکے اور باہر جانے کا ارادہ کیا تو آدھ گھنٹے تک راستہ نہ ملا اور کافی جدوجہد کرنی پڑی۔ نمائش کا مقصد قدیم توہمات کی اصلاح ہے۔ اس طرح بچوں کے دلوں سے خوف بھی دور ہو جاتا ہے۔

تقسیم اسناد کا جلسہ

۱۶۔ مارچ ۱۹۳۱ء کو ہمارے مدرسہ میں تقسیم اسناد کا جلسہ ہوا۔ بہت معززین شہر اور اکثر سفرائے دول عظام شریک ہوئے، وزیر تعلیم بھی تشریف لائے۔

ایک بہت وسیع ہال میں ایک طرف اسناد لینے والے طلبہ بیٹھے۔ مقام صدر کے قریب چبوترے کے نیچے داہنی طرف مدرسہ کے پروفیسر ڈائرکٹر اور وزیر تعلیم بیٹھے۔ بائیں طرف مہمانوں کو جگہ دی گئی۔

جلسہ کا افتتاح مدرسہ کے مخصوص گیت کے ساتھ ہوا۔ مدرسہ کے تمام طلبہ نے مل کر



کوکو گیکان

(توکیو کی ایک عظیم‌الشان مدور عمارت)

یہ گیت پیانو کے ساتھ گایا۔ جب تک گیت جاری رہا تمام حاضرین مودب کھڑے رہے۔
اس کے بعد ڈائرکٹر صاحب نے خود اسٹیج پر کھڑے ہو کر اسناد تقسیم کیں۔ یہ رسم یوں ادا ہوئی۔
مدرسہ کا رجسٹرار پہلے ایک جماعت کا نام لے کر اُس جماعت کے کامیاب طلبہ کا
نتیجہ مع نام و نمبر کے سناتا تھا۔ اُس جماعت کا اوّل طالب علم آگے بڑھتا تھا۔ پہلے پروفیسروں
کی طرف منہ کر کے اور جھک کر آداب بجالاتا تھا۔ پھر اسی طرح مہمانوں کو سلام کرتا تھا۔
اس کے بعد ڈائرکٹر صاحب اس کو تمام جماعت کی اسناد دیتے تھے اور طالب علم اُن کو لے کر
ڈائرکٹر صاحب کو پھر سلام کرتا تھا۔ پھر اُسی طرح چند قدم پیچھے ہٹ کر اساتذہ اور مہمانوں کو
سلام کر کے اپنی جگہ پر واپس جاتا تھا۔

اسناد تقسیم کرنے کے بعد ڈائرکٹر صاحب نے مدرسہ کی ترقی خصوصیات اور مقاصد پر
تقریر فرمائی اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد وزیر تعلیم نے تقریر کی۔ پھر طلبہ نے
اپنی اپنی زبان میں تقریر کرتے ہوئے اپنی زبان کی فوقیت دنیا کی دوسری زبانوں پر ظاہر کی
جلسہ برخواست ہوا۔ ایک دوسرے کمرے میں مہمانوں اور پروفیسروں نے چائے پی اور
سب رخصت ہوئے۔

یوکوہاما میں زلزلۂ عظیم کی یادگار

۳۰ مارچ ۱۹۳۱ء کو یوکوہاما گیا۔ ایک جاپانی دوست اپنے ہمراہ ۱۹۲۳ء کے
زلزلۂ عظیم کی یادگار دکھانے کے لئے لے گئے۔ ایک سہ منزلہ عمارت کے اندر تقریباً
دو درجن کمروں میں وہ تمام اشیاء جمع کی گئی ہیں جن سے اُس ہولناک حادثے کی تصویر
آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ فی الحقیقۃ عجیب عبرت خیز مقام ہے۔

سب سے پہلے قدیم و جدید تصاویر نقشوں، ماڈلوں، نمونوں، سکوں، اور فرمانوں کے

ذریعے سے یوکوہاما کی گذشتہ ہفتاد سالہ تاریخ بیان کی ہے۔ جس مقام پر آج کل یوکوہاما کا شہر واقع ہے ۱۸۶۰ء تک وہاں کچھ زمین زیر آب تھی کچھ دلدلوں سے ڈھکی تھی اور بجز معدودے چند مچھیروں کی جھونپڑیوں کے یہاں کوئی انسانی آبادی نہ تھی۔ چونکہ دو سو برس سے جاپان نے اپنے ملک کا دروازہ غیر ملکیوں کے لئے بند کر رکھا تھا، اس لئے غیر ملکیوں سے سخت ترین منافرت اس قوم کے دلوں میں نشوونما پا چکی تھی۔ جب یورپی وامریکی سیاہ فام آہن پوش جنگی جہازوں سے مرعوب ہوکر جاپان غیر ملکیوں سے تجارتی تعلقات قائم کرنے پر باستکراہ رضامند ہوگیا تو ۱۸۶۶ء میں خود غیر ملکیوں کی درخواست پر جو چند بندرگاہیں غیر ملکی تجارت کے لئے کھولی گئیں اُن میں سے ایک یہ ویران گاؤں بھی تھا مگر دانایان فرنگ نے اپنی حسب معمول عاقبت اندیشی کی عینک سے دیکھ لیا تھا کہ دارالسلطنت کے قرب اور قدرتی بندرگاہ ہونے کی وجہ سے بہت جلد یہ مقام ایک زبردست تجارتی مرکز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ان کا قیاس صحیح ثابت ہوا۔ غیر ملکیوں کو اپنی نوآبادی قائم کرنے کی اجازت مل گئی۔ جہاں غیر ملکیوں نے زبردست حقوق بھی حاصل کر لئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنی قونسلی عدالتیں بنائیں اور پولیس تک رکھ لی، تجارتی کوٹھیاں اور بینک قائم ہوئے، سڑکیں درست ہوئیں، ذرائع آمد ورفت ورسل ورسائل میں ترقی ہوئی۔ رفتہ رفتہ یوکوہاما ایک جدید وضع کا خوبصورت اور وسیع شہر بن گیا۔ یہاں تک کہ اس کی فلک بوس عمارات، مصفّا اور کشادہ شاہراہیں، خوشنما پارک، اور تفریح گاہیں صنعت وتجارت کی گرم بازاری، دولت کی فراوانی، رونق اور چہل پہل زمانے کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ انسانی عقل ودانش۔ صنّاعی ومحنت نے جو حیرت انگیز طلسم برسوں میں باندھا تھا وہ قدرت کی بے نیازی نے چند گھنٹوں میں برباد کر دیا۔ جہاں عالیشان محل کھڑے تھے وہاں تودۂ خاک وتباہی وحسرت کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔

اس عجائب خانے میں ایک جگہ ایک ٹوٹی ہوئی بڑی گھڑی لگی ہوئی ہے۔

اس کی مڑی ہوئی سوئیاں بارہ بجا رہی ہیں، یہ ایک مدرسہ کی گھڑی تھی۔ یکم ستمبر ۱۹۲۳ء کے بعد پھر اس کو چلنا اور وقت بتانا نصیب نہ ہوا۔ اس یادگار تاریخ میں جبکہ دنیا نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے کاروبار میں مشغول تھی بارہ بجتے ہی ایک قیامت خیز مصیبت نازل ہوئی۔

ایک ہولناک زلزلہ سے عمارات منہدم ہوگئیں، جا بجا زمین شق ہوگئی، ریل کی پٹریاں ٹیڑھی ہوگئیں اور چونتیس مختلف مقامات پر آگ لگی، جس نے بڑھتے بڑھتے تمام شہر کو گھیر لیا اور تباہی میں جو کچھ کمی رہی تھی وہ پوری ہوگئی۔

اس یادگار میں اس ہولناک واقعہ کو خوب خوب ظاہر کیا تھا۔ بڑی بڑی تصاویر جو دیواروں پر لٹک رہی تھیں اس حادثے کے وقت لئے ہوئے فوٹوگرافوں سے تیار کی گئی تھیں۔ ایک جگہ چاندی سونے تانبے اور نکل کے پگھلے ہوئے سکوں کا ایک بہت بڑا ڈلا رکھا تھا۔ ایک جگہ کئی لاکھ ین کے نوٹ اور ہنڈیوں کی راکھ کا ڈھیر تھا جس میں بعض نیم سوختہ دھوتیں سے کالے پرزوں پر قیمت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ ایک جگہ تمسکات، بیعنامے، اور دیگر دستاویزیں جلی ہوئی رکھی تھیں، ایک میز پر بہت سی خوبصورت بیش قیمت اشیاء شکستہ، ریختہ و سوختہ و نیم سوختہ پڑی تھیں۔ بالکل علیحدہ ایک کمرے کے اندر تقریباً بیس فٹ مربع زمین پر اس ہولناک واقعہ کا ماڈل تیار کیا ہے۔

آسمان دھوئیں سے کالا ہو رہا ہے، ہر طرف شعلۂ آتشیں بلند ہیں۔ کچھ لوگ بے تحاشا جان کے خوف سے پہاڑیوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ مکانات و عمارات سب منہدم ہوگئی ہیں۔ جا بجا زمین شق ہے، ایک جگہ زمین شق ہو کر اس تیزی کے ساتھ بند ہوئی ہے کہ ایک آدمی آدھا اس کے اندر دفن ہوگیا ہے، صرف ٹانگیں باہر رہ گئی ہیں۔ سینکڑوں نعشیں ادھر ادھر پڑی ہیں۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

اس کے بعد دوسرے کمروں میں وہ حالات دکھاتے تھے جو زلزلہ کے بعد رونما ہوئے جاپانی و غیر ملکی جہازوں نے جو اُس وقت بندرگاہ میں موجود تھے جانیں بچانے میں بہت مدد کی۔ حکومت نے بھی مصیبت زدگان کے ساتھ بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔ خانماں برباد لوگوں کو پناہ دینے کے لئے عارضی جھونپڑیاں بنوائیں، ان میں سے چند بالکل اصلی حالت میں آج تک اس عجائب خانے میں محفوظ ہیں۔ مومی مورتوں کو وہی پھٹے ہوئے نیم سوختہ میلے کپڑے پہنا کر اسی طرح ان جھونپڑیوں میں بٹھایا گیا ہے، جس طرح کبھی وہ مصیبت زدہ لوگ رہتے تھے، ان مورتوں کے چہروں پر وحشت و حسرت برستی ہے، اور دیکھنے والا انسان ہمدردی کے جذبات سے متاثر ہو کر بے اختیار رو پڑتا ہے، آتشزدگی کے باعث چونکہ تمام لکڑی کے تختے جل گئے تھے، اس لئے ان جھونپڑیوں کو بنانے کے لئے قبریں کھود کر تختے نکالے گئے۔ اس مصیبت کے بعد ایک اور یہ مصیبت نازل ہوئی کہ تمام شہر میں بدامنی پھیل گئی۔ ڈاکے پڑنے لگے۔ حکومت نے مارشل لا قائم کر کے لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کی۔

۴ ستمبر کو جبکہ شہر ایک زبردست قبرستان بنا ہوا تھا۔ ہر طرف ویرانی و بربادی چھائی ہوئی تھی، ایک بلند عمارت کی چھت پر جو اتفاقاً اپنی جگہ قائم تھی، میونسپل کارپوریشن کے اراکین اپنے شہر کا ماتم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کو دوبارہ آباد کرنے کی تدابیر سوچنے کے لئے جمع ہوئے۔ بڑی تیزی کے ساتھ تمام شاہراہیں صاف کی گئیں۔ ذرائع آمد و رفت و رسل و رسائل جو یک قلم بند ہو گئے تھے دوبارہ قائم ہوئے۔ ڈاک و تار کا انتظام ہوا۔ جب تک نئے پوسٹ بکس باقاعدہ تیار ہوئے اُس وقت تک کے لئے معمولی جلے ہوئے تختوں کو ٹھونک ٹھانک کر بھدّے بکس بنائے گئے۔ اور ڈاک جمع کرنے کے لئے مختلف مقامات پر نصب کر دئے گئے۔

ابتدائً ریلیں اور ٹریم کاریں ایسی تھیں جیسے کوڑا اُٹھانے کے لئے ٹھیلے، ان پر

چھت تک نہ تھی۔ بیٹھنے کو بنچیں نہ تھیں۔ لوگ ان کے اندر کھڑے ہو جاتے تھے، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے تھے۔ یہ حالت چند روز رہی، اس کے بعد ہر چیز حسب معمول درست ہو گئی، ان تمام چیزوں کے اصلی نمونے عجائب خانے میں موجود ہیں۔ اس حادثے کے ایک ہفتہ بعد ہی پرائمری مدرسے کھول دئے گئے۔ ابتداءً تعلیم کھلے میدانوں میں ہوئی۔ پھر خیمے لگا دئے گئے، ازاں بعد لکڑی کی عارضی عمارات بن گئیں، اس طرح اس قوم کے بچے اس وقت بھی تعلیم پاتے رہے۔ جب کہ ہر شخص گوناگوں مصائب کا شکار بنا ہوا تھا۔ کسی کو تن بدن کا ہوش باقی نہ رہا تھا۔ پیٹ بھر کر کھانا نہ ملتا تھا، پانی تک کے لئے تڑپتے تھے، بدن پر چیتھڑے لگے ہوتے تھے۔ سر چھپانے کو جائے پناہ مشکل سے ملتی تھی۔ مگر پھر بھی یہ گوارا نہ تھا کہ بچوں کی تعلیم میں ہرج واقع ہو۔

عزیزانِ وطن ذرا غور کیجئے، ہمارے ان ایشیائی بھائیوں کی ترقی اور قوت کا راز ان کے اس تعلیمی ذوق ہی میں مضمر ہے، اور ہماری پستی و بدحالی کا باعث عوام کی جہالت اور تعلیم سے لاپرواہی ہے، کاش ایک دن ہم بھی اس خواب غفلت سے جاگیں، اور اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم کو اسی قدر اہمیت دیں تا کہ ہماری قوم سے ناخواندگی اور جہالت کی لعنت دور ہو۔

بعض تصاویر سے معلوم ہوا کہ زلزلے کے بعد کئی ہفتہ تک حکومت نے پانی کی فراہمی کا یہ انتظام کیا تھا کہ جن میدانوں میں عارضی طور پر مصیبت زدگان کو پناہ دی گئی تھی وہاں گاڑیوں میں بھر کر دور سے پانی آتا تھا۔ اور ناپ ناپ کر ہر شخص کو دیا جاتا تھا۔ لوگوں کو سارا سارا دن گذر جاتا تھا اور وہ پانی تقسیم کرنے والوں تک نہ پہنچ سکتے تھے۔

مصیبت زدگان کی امداد کے لئے غیر ممالک نے جو رقومات جاپان کو پیش کی تھیں ایک بہت بڑے نقشے سے ظاہر ہوتی تھیں۔ امریکہ کی پیش کردہ رقم سب سے

زیادہ تھی اور برطانیہ دوسرے درجے پر تھا۔

آخری کمرے میں ایک بہت بڑی میز پر موجودہ یوکوہاما کا مکمل ماڈل بنا ہوا تھا۔ ایک زندہ قوم کبھی اپنی موجودہ حالت پر خواہ وہ کتنی ہی اچھی ہو قانع نہیں رہتی، اور ہمیشہ ترقی کے میدان میں اُن کا قدم آگے بڑھتا رہتا ہے۔ آئندہ جو اصلاحات مستقبل قریب میں ہونے والی ہیں، اُن کو ملحوظ رکھتے ہوئے آئندہ یوکوہاما کا ایک خیالی ماڈل بنا کر ایک دوسری میز پر بالمقابل رکھا ہے۔ دو گھنٹے کے بعد اس عجائب خانے سے باہر نکلے۔ ہولناک مناظر دیکھتے دیکھتے طبیعت افسردہ اور مضمحل ہو گئی تھی۔ اس عمارت سے متصل ایک بہت بلند پہاڑی پر چڑھے، یہاں ایک پارک لگا ہوا ہے، سبزے کے خوشنما قطعات، پھولوں کے تختے، خوبصورت روشیں، اچھلتے ہوئے فوارے، اور خاموش فضا نے دل میں سکون پیدا کر دیا تھا۔

اس پہاڑی کی چوٹی پر پانی کے ذخائر بنے ہوئے ہیں۔ یہاں سے موجودہ یوکوہاما کوسوں تک پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر اس قوم کی بیدار مغزی۔ استقلال وہمت کی تعریف کرنی پڑتی تھی، کہ سات برس کے اندر اتنا عظیم الشان شہر آباد کر دیا۔ اور سر بفلک عمارتوں کا جنگل اُگا دیا۔ درآنحالیکہ ایک لحظہ کا بھروسہ نہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

اورینٹل لائبریری

۱۴۔ اپریل ۱۹۳۱ء آج مسٹر گاموکے ہمراہ اورینٹل لائبریری دیکھنے کے لئے گیا۔ توکیو کے شمالی حصہ میں **کامی فوجی مائے چو** میں اس مشہور کتب خانے کی عالیشان عمارت واقع ہے۔ بیرن ایواساکی اس کے بانی ہیں جنھوں نے کچھ عرصہ ہوا

جی ڈبلیو ماریسن صاحب کے مشہور کتب خانے کے ساتھ ہزار بیش بہا قدیم نسخے خرید کر اس لائبریری کی بنیاد رکھی۔ اب تقریباً دو لاکھ کتابیں مشرقی زبانوں کی اس میں موجود ہیں۔

مسٹر گاموے نے میرا تعارف بیرن ایوا ساکی سے کروایا۔ نہایت خلیق آدمی ہیں۔ عمر تقریباً چالیس سال ہے، دنیا کی مختلف ایک درجن زبانوں سے واقف ہیں۔ مگر چینی زبان کے زبردست فاضل ہیں۔ انگریزی خوب بولتے ہیں۔ ہندوستانی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں بول نہیں سکتے۔ دنیا کے مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کر چکے ہیں مشرقی ممالک اور اُن کی معاشرت سے ان کو بڑی دلچسپی ہے۔ ہندوستان کے متعلق بھی ان کی معلومات بہت وسیع ہے۔ مجھ سے دیر تک ہندوستان کے حالات سنتے رہے۔ ہندوستان کے متعلق ان کے سوالات خود ان کی معلومات کا اظہار کرتے تھے۔ موجودہ سیاسی کشمکش میں ان کو ہندوستان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ میں نے ہندوستان کے متعلق ان کی رائے دریافت کی، انھوں نے ہندوستان کی قدیم عظمت کی تعریف کی۔

چائے نوشی کے بعد اپنے ہمراہ لے جا کر کتب خانے کی سیر کرائی۔ سب سے نیچے کی منزل میں ہوٹل، دفتری خانہ، اور جائے ضرور ہے، اس سے اوپر والی منزل میں کتب خانے کا دفتر اور کلوک روم ہے، تیسری منزل پر چینی زبان کی ایک لاکھ منتخب کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ چوتھی منزل پر لائبریری کا دار المطالعہ ہے، یہ ایک وسیع ہال ہے جس میں بکثرت کرسیاں اور میزیں بچھی ہوتی ہیں۔ امتحان کے کمرے کی طرح ایک چھوٹی سی میز کے پاس صرف ایک کرسی ہے۔ میز پر قلم و دوات اور بلاٹنگ پیپر رکھا ہوا تھا۔ لوگ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ مطالعہ میں مصروف تھے۔ تمام ہال پر خاموشی کا عالم طاری تھا۔

پانچویں منزل پر ایک وسیع کمرے کے اندر ہندوستانی، ایرانی، عربی، مصری، ترکی، اور جاپانی کتابوں کے ذخائر تھے، مختلف زبانوں کی کتابیں علیحدہ علیحدہ حصوں میں

تقسیم کر کے ترتیب دی گئی ہیں۔ ایک حصّے میں بالکل علیحدہ قدیم قلمی نسخے رکھے ہوئے تھے اور ایک دوسری جگہ علمی رسائل کے فائل محفوظ تھے۔

یہاں پہنچ کر بیرن ایواساکی ہم سے رخصت ہوئے۔ ہم دیر تک کتابوں کی سیر کرتے رہے۔ ہندوستانی سیکشن میں یہاں بھی زیادہ تر انگریزی زبان کی وہ کتابیں ہیں جو ہندوستان کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ فارسی عربی، اور ترکی شعبوں میں بھی اکثر وہی کتابیں ہیں جو یورپ میں شائع ہوتی ہیں۔

موسم بہار

دسمبر سے فروری تک جاپان میں سخت سردی ہوتی ہے، اکثر برفباری ہوتی رہتی ہے۔ جس روز برفباری نہیں ہوتی اُس روز بھی صبح سے دس گیارہ بجے تک پالے کی وجہ سے زمین پر چونہ سا بکھرا رہتا ہے۔ جہاں رطوبت زیادہ ہوتی ہے وہاں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ زمین پر شورے کے قلم کی طرح ایک ایک بالشت اونچی برف کی گھاس جم جاتی ہے، اور دوپہر تک نہیں پگھلتی۔ گھروں کے اندر بغیر آگ کے چین نہیں پڑتی، باہر نکلتے ہیں تو موٹے موٹے بہت سے گرم کپڑے پہن کر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ پیر گلے جاتے ہیں۔ تمام ریلوں میں گاڑیاں برقی انگیٹھیوں سے گرم رہتی ہیں، مگر پھر بھی ٹانگیں سن ہو جاتی ہیں۔ اُن درختوں کو چھوڑ کر جن کے پتے سوئی کی طرح نوک دار ہوتے ہیں، باقی تمام درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور ٹھنٹ بھی سردی کی شدّت سے سیاہ پڑ جاتے ہیں۔ فروری کے آخر میں باوجود برفباری سب سے پہلے بیر کے درخت پر کچھ پتے اور پھول نکلتے ہیں۔ بیر کا پھول نسوانیت کا مظہر خیال کیا جاتا ہے جس طرح پھول برف باری کی حالت میں بھی اپنی بہار دکھاتا ہے، اسی طرح جاپانی



لڑکوں کا تہوار

کہتے ہیں کہ نیک عورت بھی مصائب کے باوجود ہمیشہ خندہ پیشانی نظر آتی ہے۔

مارچ شروع ہوتے ہی سردی کی شدت میں کمی ہو گئی۔ پھر بھی ایسی سردی تھی جیسی شمالی ہند میں جنوری یا فروری میں ہوتی ہے۔ اپریل میں سردی اور کم ہوئی، لوگوں نے سردی کا لباس بدل کر موسم بہار کی پوشش زیب تن کی، درختوں کے مردہ تنوں میں پھر جان آئی، ہری ہری کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ دھان کے کھیت بھی جو برف کے تلے دبے پڑے تھے یکایک سبز ہو جاتے ہیں، اور دھان کا پودا زمین سے سر نکلتے ہی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگتا ہے۔ طبائع جو سردی کی شدت سے افسردہ تھیں خود بخود شگفتہ ہو جاتی ہیں۔

اس موسم کا اصلی نشان چیری کا پھول ہے، قومی روایات میں یہ مردانہ شجاعت اور وفاداری کا مظہر مانا جاتا ہے۔ جاپانی لوگ اس پھول کو اپنا قومی نشان بھی خیال کرتے ہیں۔ وسط اپریل سے یہ پھول کھلنا شروع ہوتا ہے اور ابھی پتّے نکلنے بھی نہیں پاتے کہ یکایک تمام درخت پھولوں سے لد جاتا ہے۔ چونکہ عموماً اس کے درخت ایک ایک جگہ سینکڑوں کی تعداد میں لگائے جاتے ہیں، اس لئے جب یہ پھولتے ہیں تو دور سے بادل جیسے نظر آتے ہیں۔ ان کی سینکڑوں قسمیں ہیں، اور ہر ایک کی شکل و رنگ میں فرق ہوتا ہے۔ میں نے خود سفید، گلابی۔ اور زرد رنگ کے پھول دیکھے ہیں اس پھول کی یہ خاصیت ہے کہ ایک شب میں تمام پیڑ پھولوں سے لد جاتا ہے، اور دو تین روز میں سب پھول جھڑ جاتے ہیں۔ اس سے جاپانی یہ سبق حاصل کرتے ہیں کہ اپنے بادشاہ کی خاطر یوں ہی بے دریغ جان نثار کرنی چاہئے۔ توکیو کے نواح میں بکثرت ایسی تفرج گاہیں بنی ہوئی ہیں جہاں چیری کے ہزاروں درخت لگے ہوتے ہیں اس درخت کا نہ پھل کھانے کے قابل ہوتا ہے اور نہ اس کی لکڑی کسی کام آسکتی ہے صرف پھولوں کی خوبصورتی دیکھنے کے لئے یہ درخت لگائے گئے ہیں۔ اس موسم میں

عموماً ہر روز اور خصوصاً اتوار کے دن لاکھوں کی تعداد میں مرد و عورت بچے جوان بوڑھے اس پھول کی سیر دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ شرابیں پیتے ہیں اور رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اس زمانے میں متانت و سنجیدگی شرم و حیا سب بالائے طاق رکھ کر یہ لوگ کھُل کھیلتے ہیں۔ حیرت ہے کہ پولیس بھی مداخلت و مزاحمت نہیں کرتی۔ اس زمانے کی بدعنوانیوں کے لئے یہ عذر بالکل کافی سمجھا جاتا ہے کہ یہ موسم بہار ہے۔ سال بھر میں یہی تو آزادی کے دن ہیں۔

لوگوں کا شرابیں پی پی کر بدمستیاں کرنا قدرتی منظر کی دلفریبیوں کو خاک میں ملا دیتا ہے غیر ملکیوں کے لئے اِن میلوں میں جانا ایک حد تک خطرناک ہے۔ مجھے اس موسم میں بارہا مختلف مقامات پر یہ میلے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مگر طبیعت سخت مکدر ہوگئی۔ برخلاف اس کے میں نے چند ایسے مقامات دیکھے جہاں چیری کے پھول تو بکثرت کھلے تھے مگر لوگوں کا اجتماع زیادہ نہ تھا۔ ایسے مقامات پر واقعی اس پھول کا منظر عجیب سحر انگیز ہوتا ہے۔

شاہی دعوت

۲۰ ر اپریل ۱۹۳۱ء آج شاہنشاہ جاپان کی طرف سے تمام اعلیٰ عہدہ دارانِ فوجی و ملکی امرائے سلطنت، پارلیمنٹ کے ممبروں اور غیر ملکی سفیروں کو شاہی باغ واقع "شنجوکو" میں گارڈن پارٹی پر مدعو کیا گیا۔ یہ رسم ازمنہ ماسبق سے چلی آتی ہے کہ سال میں دوبار یعنی بہار و خزاں کے موسموں میں شاہنشاہ کی طرف سے اُمراء و وزرا کو اس قسم کی دعوت دی جاتی ہے۔

۱۸۸۳ء سے غیر ملکی سفیروں کو بھی شرکت کا اعزاز بخشا جانے لگا۔ انیسویں صدی کے آخر سے دوسرے عہدہ داران سلطنت کو بھی جن کا درباری اعزاز چوتھے درجے سے اوپر ہو اس میں شرکت کی اجازت ملی۔

۱۹۱۶ء تک یہ گارڈن پارٹی شاہی محلات واقع اکاساکا میں منعقد ہوا کرتی تھی۔

مگر اُس وقت سے یہ تقریب شنجو کے شاہی پارک میں ادا کی جاتی ہے۔

دو تین روز قبل دعوت نامہ آگیا۔ جس میں تاریخ وقت اور لباس کا تعین تھا۔ ۲۰ اپریل کو دس بارہ بجے تک باغ کے اندر داخلہ تھا۔ دو گھنٹے میں تقریباً آٹھ ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ فوجی افسر اپنے فوجی لباس میں تھے۔ باقی سب لوگ سیاہ فراک، مارننگ سوٹ اور سیاہ اورکوٹ میں ملبوس تھے۔ جن لوگوں کے لباس میں کچھ نقص تھا ان کو دروازے ہی سے واپس کر دیا گیا۔

پارک کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا۔ جا بجا خیموں کے نیچے چائے، قہوہ، پھل، کیک، پیسٹری وغیرہ کا انتظام تھا۔ بارہ بجے تک شاہی محل سے پارک تک تمام راستوں کی ناکہ بندی کر کے زبردست فوجی پہرہ قائم کیا گیا تھا۔ تین بجے سے کچھ دیر قبل فوجی بگل بجا اور شاہی سواری باغ میں داخل ہوئی۔ فوجی باجا بجنے لگا۔ لوگ دو طرفہ قطار باندھ کر بیچ میں کافی فاصلہ چھوڑ کر سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔ شاہنشاہ اور ملکہ بیچ میں سے گذرے۔ ان کے پیچھے پیچھے گارڈ آف آنر تھا۔ اس کے بعد لوگ منتشر ہو گئے شاہنشاہ بھی وزیر اعظم اور گارڈ آف آنر کے ہمراہ اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے۔ وزیر نے اکثر لوگوں کو شاہنشاہ کے سامنے پیش کیا۔ کچھ دیر بعد شاہنشاہ واپس چلے گئے۔ آدھ گھنٹے کے بعد دروازہ کھُلا اور سب لوگ رخصت ہوئے۔

شاہنشاہ کی سالگرہ کا جشن

۲۹ اپریل ۱۹۳۱ء آج شاہنشاہ جاپان کی سالگرہ کا دن ہے۔ تمام ملک میں خوشی منائی جاتی ہے۔ مدرسوں میں جلسے ہوتے ہیں، اور ہر مدرسے میں جو شاہنشاہ کی تصویر ہوتی ہے اُس کو ہیڈ ماسٹر تمام طلبہ و اساتذہ کے سامنے کھولتا ہے۔ سب لوگ اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ شاہنشاہ کی سلامتی کی دعا مانگی جاتی ہے کھیل ہوتے ہیں پھر چھٹی ہو جاتی ہے "شنجو کو" کے قریب "یویوگی" کا نہایت وسیع میدان واقع ہے۔ آج کے دن اس

میدان میں فوجی اجتماع ہوا کرتا ہے۔ صرف خاص خاص لوگ شرکت کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں۔ فوجی دفتر سے میرے نام بھی دعوت نامہ آیا تھا۔ وقت مقررہ پر اس میدان میں پہنچ گیا ہر طرف پولیس کا پہرہ قائم تھا۔ ایک بلند مقام پر جگہ ملی۔ یہاں سے تمام میدان نظر آتا تھا پچاس ہزار فوج (پیدل سوار توپخانہ وغیرہ) پریڈ پر کھڑی تھی۔ نو بجے کے قریب شاہی بینڈ بجنا شروع ہوا، اور شاہنشاہ چار گھوڑوں کی گاڑی میں داخل ہوئے۔ سب لوگوں نے اپنی ٹوپیاں اتار لیں۔ میدان کے ایک جانب ایک خوبصورت خیمہ ایستادہ کیا تھا۔ یہاں شاہنشاہ گاڑی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوتے۔ ایک جلوس تیار ہوا۔ سب سے آگے گھوڑے پر سوار ایک علمبردار چلا۔ اُس کے پیچھے خود شاہنشاہ کا گھوڑا تھا۔ شاہنشاہ کے پیچھے اُن کا شاندار گارڈ آف آنر تھا۔ اور اُن کے پیچھے تمام غیر ممالک کے سفیر نہایت زرق برق لباس میں گھوڑوں پر سوار چلے آتے تھے۔ اس شان و شوکت کے ساتھ شاہی سواری ہر رجمنٹ کے سامنے سے گذری۔ جس رجمنٹ کے سامنے سے گذرتی تھا وہ فوجی سلامی اتارتی تھی اور پھر ڈبل مارچ کرتی ہوئی میدان کے ایک طرف جا کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس طرح آخر میں تمام فوج میدان کے ایک کنارے پر جمع ہو گئی۔ اس کے بعد شاہنشاہ رخصت ہوئے۔ بعد ازاں فوجی کھیل شروع ہوتے۔ مشین گنوں۔ آتشیں ٹینکوں توپ خانوں وغیرہ کی نمائش کے بعد جنگی ہوائی جہازوں کی پرواز دکھائی گئی۔ میرے قریب ہی "داساہی"، اخبار کے تین نمائندے موجود تھے۔ ایک فلم لے رہا تھا۔ دوسرا واقعات کے نوٹ تیار کر رہا تھا۔ اور تیسرے کے پاس تین خبر رساں کبوتر موجود تھے جو فلم تیار ہو جاتا تھا اور جس قدر نوٹ لکھا جاتا تھا فوراً کبوتر کے پیر سے باندھ کر اُڑا دیتا تھا۔ اس طرح جلد سے جلد خبریں اور تصاویر اخبار کے دفتر میں پہنچ کر شائع ہو رہی تھیں۔ کچھ تھوڑی دیر مصنوعی جنگ بھی دکھائی گئی۔ مگر بارش ہونے لگی اس لئے سب کھیل تماشے بند کر دینے پڑے۔

موسم بہار کے سانگ

آج کل (موسم بہار میں) یہاں کے دوکاندار عجیب عجیب سانگ بھرتے ہیں۔ چھتری لگا کر ایک چھوٹا سا جھانجھ اور ڈھول بجاتے پھرتے ہیں اور اپنی دکانوں کا اشتہار بانٹتے ہیں۔ ان کے باجے کی آواز سنتے ہی بچے گھروں سے نکل نکل کر بھاگتے ہیں اور اشتہار لے جاتے ہیں اس زمانے میں اکثر دکاندار اپنا پرانا مال نکالنے کے لئے ہر چیز کی قیمت کم کر دیتے ہیں۔

دریوزہ گری

ان اشتہار بانٹنے والوں کے علاوہ بھی ایک ذات کے لوگ باجہ بجاتے گھر گھر پھرتے ہیں اور اپنے چہروں پر مصنوعی شیر کے چہرے لگاتے رکھتے ہیں۔ اس طرح ہر گھر سے پیسے وصول کرتے پھرتے ہیں۔ گویا دریوزہ گری کی یہ بھی ایک صورت ہے۔ جاپان میں دریوزہ گری قانوناً ممنوع ہے لیکن بعض صورتیں اس کی ہنوز باقی ہیں۔ ان میں سے ایک تو اوپر بیان کی گئی ہے۔ شاذونادر کہیں کسی شاہراہ کے کنارے کوئی اندھا یا معذور آدمی ایک کپڑا زمین پر بچھا لیتا ہے، یا اپنی ٹوپی اپنے سامنے رکھ لیتا ہے اور سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے، زبان سے سوال نہیں کر سکتا یا کبھی کوئی اندھی عورت جاپانی ستار لئے گھر پر آجاتی ہے۔ ستار بجا کر گاتی ہے، اگر کچھ ملجاتے تو لے جاتی ہے۔ بعض اوقات کوئی بدھ مت کا بھکشو ایک گھنٹہ ہاتھ میں لئے دروازے پر آتا ہے گھنٹہ بجا کر کچھ گاتا رہتا ہے، اور کچھ دعائیں پڑھتا ہے۔ بعض لوگ اس کو کچھ پیسے یا چاول وغیرہ دیدیتے ہیں۔ اگر خاموشی اختیار کی جاتے تو یہ بھکشو سوال نہیں کرتے۔ منتر ختم کرکے خود چلے جاتے ہیں۔

بعض لوگ گھر گھر ردّی کاغذ پرانے اخبار، بوتلیں شیشیاں۔ پرانے کپڑے۔ گودڑ خریدتے یا مفت مانگتے پھرتے ہیں، اور ان چیزوں کو فروخت کرکے اپنا گذارہ کرتے ہیں۔

ان تمام صورتوں کے باوجود میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جاپان میں

گداگری کی لعنت ہندوستان سے مقابلے کرتے ہوئے پانچ فی صدی بھی نہیں ہے۔ ہندوستان کی طرح لوگ گداگری کو فخریہ یا شوقیہ اختیار نہیں کرتے بلکہ انتہائی مجبوری میں چند کمینہ خصلت لوگ اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ لوگ ان کو چور اور ڈاکوؤں سے بدتر خیال کرتے ہیں۔ اکثر لوگ انتہائی مجبوری میں بھی یا تو ذلیل سے ذلیل پیشہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یا خودکشی کرتے ہیں مگر بھیک نہیں مانگتے۔

تنظیم مزدوران

یکم مئی ۱۹۳۱ء آج سہ پہر کو میں نے کئی لاکھ آدمیوں کا جلوس ٹوکیو کی شاہراہوں پر گذرتا ہوا دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہر سال آج کے دن کارخانوں ریل، ڈاکخانہ، ٹریم، بس اور بینک کے ملازمین اور ہر قسم کے مزدوروں کی عام چھٹی ہوتی ہے۔ یہ سب مل کر ایک جلوس نکالتے ہیں۔ ایک عام جلسہ اور علیحدہ علیحدہ شعبوں کے جُدا جُدا جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ جو محکمہ مثلاً ریل ڈاکخانہ وغیرہ ایک دن کے لئے بھی بند نہیں ہو سکتے اُن کے ملازمین سب شریک نہیں ہو سکتے۔ مگر بکثرت اپنے نمائندے ان جلسوں میں شرکت کے لئے بھیجتے ہیں۔ تین روز تک برابر یہ جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ اور مزدور سرمایہ داروں سے اپنے حقوق طلب کرتے ہیں۔ مزدوروں کی یہ زبردست اجتماعی قوت اور نظام دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور بشدّت اس امر کا احساس ہوا کہ دورِ حاضرہ میں سرمایہ داری بڑے سخت خطرے میں ہے شاید اسی صدی کے نصف آخر میں دنیا بھر سے سرمایہ داری کا اقتدار اٹھ جائے گا اور مزدوروں کی قوّت مستحکم ہو جائیگی۔

جاپان میں ایک غریب گھر کی معاشرت

آج شام کو ایک غریب جاپانی دوست باصرار اپنے گھر لے گئے یہ ایک بیمہ کمپنی میں ملازم ہیں۔ ان کی آمدنی تقریباً ستر ین ماہوار ہے۔ نوجوان آدمی ہیں۔ انٹرنس پاس ہیں۔ اگرچہ ان کے والدین بقید حیات ہیں اور ہندوستان کی طرح

جاپان میں بھی یہی رواج ہے کہ خاندان کے تمام افراد دادا دادی سے لیکر بیٹے پوتے تک سب یکجا رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے یہ دوست عام رواج کے خلاف اپنے خاندان سے علیحدہ صرف اپنی بیوی کے ساتھ رہتے ہیں، اور اسی طریق زندگی کے حامی ہیں مشترک خاندانوں کی زندگی میں جو تلخیاں پیش آتی رہتی ہیں دیر تک اُن کا ذکر کرتے رہے۔

ان کا مکان مضافات ٹوکیو میں واقع ہے اور بہت مختصر ہے۔ آمدنی کی قلت کے باوجود ان کی بیوی کی محنت و سلیقہ شعاری نے مکان کی صفائی اور آراستگی دیدہ زیب بنا رکھی ہے۔ غالباً ان کی بیوی ہم لوگوں کی آمد سے مطلع نہ تھیں۔ گھر پر پہنچتے ہی وہ باہر نکل آئیں جھک کر سلام کیا۔ بڑے عجز و انکسار اور تواضع کے ساتھ مہمانوں کا خیر مقدم کیا بلا تامل اور بغیر گھبراہٹ کے اندر لے گئیں۔ میز کرسیاں ان کے یہاں نہ تھیں۔ جاپانی خوبصورت سنہری سیتل پاٹیوں پر ریشمی گدّے بیٹھنے کے لئے بچھا دئے اور جاپانی رسم کے مطابق کہنے لگیں "تشریف رکھئے، ہم معذرت چاہتے ہیں کہ ہمارا گھر ہرگز آپ کے قابل نہیں۔ نہ یہ گھر صاف ہے، نہ مہمانوں کی کما حقہٗ تواضع کے لئے ساز و سامان موجود ہے۔ ہمارے پاس میز و کرسی بھی نہیں ہے۔ جاپانی بود و باش کا طریقہ بہت تکلیف دہ ہے۔ آپ کو فرش پر بیٹھنے سے تکلیف ہوگی۔" اگرچہ یہ تمام الفاظ بالکل رسمی ہیں جو اس ملک میں ہر میزبان اپنے مہمان سے کہتا ہے۔ لیکن یہ الفاظ کچھ اس قدر سادگی انکسار اور پرُ خلوص لہجے میں ادا ہوتے ہیں کہ اس قوم کے ظاہری اخلاق کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

مہمانوں کی تواضع کے بعد بیوی نے جلد جلد اپنے شوہر کے کپڑے اتار کر ٹانگ دئے۔ اور گھر پر پہننے کے کپڑے پہنائے۔ پھر منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی رکھا ہمارے قریب ہی ایک انگیٹھی میں آگ رکھی اور اس پر ایک چمکتی ہوئی کیتلی میں پانی رکھ دیا۔ وہیں ایک نیچی سی میز بچھی ہوئی تھی۔ اس پر چائے کیک اور پھل لاکر رکھے

اور خود بازار گئیں، میرے دوست میرے پاس بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے خاتون خود بازار جاکر سودا لائیں۔ خود کھانا تیار کیا، اور تقریباً پون گھنٹے کے بعد میز پر لا رکھا اور کھانے میں خود بھی شرکت کی۔

کھانے سے فارغ ہو کر شوہر نے بیوی سے فرمائش کی کہ "کوتو" (ایک قسم کا ساز) بجا کر سناؤ۔ بلا عذر بیوی نے تعمیل کی۔ شب کو نو بجے میں اُن سے رخصت ہوا۔ جاتے ہوئے پھر بہت سے رسمی الفاظ دہرائے گئے۔ تواضع میں کوتاہیوں کی معذرت چاہی۔ دوبارہ آنے کی فرمائش ہوئی۔ سڑک تک پہنچانے کے لئے آئے اور موٹر میں بٹھا کر پھر وہی الفاظ دہرائے اور جھک کر سایونارہ کہا، یہ اس ملک کا رخصتی سلام ہے۔ مگر شاید دنیا کی کسی دوسری زبان میں رخصتی سلام کے لئے ایسے پرمعنی الفاظ نہ ہوں گے۔ سایونارہ کے لفظی معنی یہ ہیں "اگر یہ ہونا ہی ہے....." گویا دوست یا عزیز کی مفارقت کا اس درجہ قلق ہے کہ پورے الفاظ بھی ادا نہیں ہوتے۔ اگر جدا ہونا ہی ہے تو خیر مجبوری ہے قسمت کیا گلہ ہے۔ اور اس قسم کی بہت سی باتوں کا مفہوم اس چھوٹے سے فقرے میں ادا ہو جاتا ہے۔ پھر جاپانی اس فقرے کو ادا بھی عجیب دردانگیز لہجے میں کرتے ہیں کہ دل پر اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

لڑکوں کا تہوار

۵ رمئی ۱۹۳۱ء تقریباً ایک دو ہفتہ سے دیکھتا ہوں کہ اکثر گھروں میں لمبے لمبے بانس کھڑے کرکے اُن پر گہرے سرخ رنگ کے پھریرے باندھے ہیں، ان پھریروں کی شکل بھی غیر معمولی ہے۔ گزوں لمبی کارپ مچھلی کی صورت کپڑے کے تھیلے بنے ہوتے ہیں۔ ان کا منہ کھلا ہوا ہے۔ کیونکہ اس پر ایک تار کا حلقہ لگا دیا ہے۔ اس حلقہ میں رسی باندھ کر بانس کے سرے پر لٹکاتی ہے۔ جب ہوا مچھلی کے منہ میں داخل ہوتی ہے تو مچھلی پھول کر بالکل اصلی مچھلی کی صورت بن جاتی ہے۔ اور زندہ مچھلی کی طرح تڑپتی ہے، مچلتی ہے، دُم گھماتی ہے۔ سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے اور پھر ہوا میں



امپیریل یونیورسٹی کا دروازہ - ٹوکیو

بتہرتی ہوتی نظر آتی ہے۔ میں نے اس رسم کی اصلیت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ۵ مئی کو جاپان کے عرض وطول میں لڑکوں کا تہوار منایا جاتا ہے۔ نہایت قدیم زمانے سے اس کا دستور چلا آتا ہے۔ پندرہ روز قبل سے جن گھروں میں لڑکے ہیں ان میں اس قسم کے پھریرے فی لڑکا ایک پھریرے کے حساب سے آویزاں کرتے ہیں۔

ان پھریروں کی شکل کارپ مچھلی سے مشابہ اس لئے بناتے ہیں کہ یہ مچھلی نہایت مضبوط ہوتی ہے اور پہاڑی نالوں کے چڑھاؤ کی طرف سیدھی تیرتی ہے، اسی وجہ سے وہ طاقت اور بہادری کا نشان خیال کی جاتی ہے۔ ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا بیٹا اس مچھلی کی طرح طاقتور اور بہادر بنے، اور دنیا میں مصائب کا مقابلہ مردانہ وار کر سکے۔ اس روز عزیز واقارب اور احباب لڑکوں کو انواع واقسام کے کھلونے دیتے ہیں اور گھر کے ایک کمرے میں یہ کھلونے سجاتے جاتے ہیں۔ ان کھلونوں میں اکثر قدیم وضع کے زرہ بکتر اسلحہ، جھنڈے، اور مشہور بہادروں اور سپہ سالاروں کے مجسمے ہوتے ہیں۔

سفیر برطانیہ کے یہاں دعوت طعام

۹ مئی ۱۹۳۱ء سفیر برطانیہ نے مجھ کو شب کے کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت نامہ تو کئی روز قبل آچکا تھا۔ آج دوپہر کو ٹیلیفون پر پھر یاد دہانی کرائی۔ کوٹھی پر پہنچا۔ اطلاع کرانے کی نوبت بھی نہیں آئی کہ سفیر صاحب اور ان کی میم صاحبہ دونوں استقبال کے لئے باہر نکل آئے۔ اندر لے گئے۔ چند احباب اور مدعو تھے، ان سے تعارف کرایا۔ کچھ دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھے، پھر کھانے کے کمرے میں گئے۔ کھانے کے دوران میں بڑی دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ ڈاکٹر مرے ایک فاضل روزگار ہیں۔ یہ بھی شریک محفل تھے گفتگو کا بہت زیادہ حصہ ان ہی کو ملا۔ اپنی سیر وسیاحت کے حالات سناتے رہے۔

ہندوستان کی سیر بھی کر چکے ہیں۔ مشن کالج دہلی کے موجودہ پرنسپل مسٹر مکرجی کے متعلق انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ کیمبرج میں ان کے ہم جماعت رہ چکے ہیں۔ ہندوستان کے متعلق مجھ سے بھی کچھ سوالات کرتے رہے۔ اور اس سلسلۂ گفتگو میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ کس قدر عجیب بات ہے کہ دنیا میں سب سے بہتر انگریزی لکھنے والا ایک ہندوستانی ہے مزید توضیح کرتے ہوئے انہوں نے ڈاکٹر ٹیگور کا نام لیا۔ طرز بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ رائے مجھے خوش کرنے کے لئے ظاہر کی تھی۔ اس لئے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

ایک دوسرے صاحب نے جو شریک محفل تھے یہ شبہ ظاہر کیا کہ ڈاکٹر ٹیگور جو کچھ لکھتے ہیں وہ خیالات تو ان کے ہوتے ہیں مگر انگریزی میں ترجمہ کرنے والا ایک انگریز ہے۔

کھانے کے بعد بھی تقریباً دو گھنٹے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، آخر رخصت ہوئے سفیر صاحب کی میم صاحبہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ موٹر منگوایا جائے لیکن پروفیسر ریڈمین اور ان کی میم صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ ہمارے پاس موٹر موجود ہے اسی میں چلئے۔ اُن کے اصرار پر مجھے منظور کرنا پڑا، اور وہ مجھے اپنی موٹر میں گھر تک پہنچا کر اپنے گھر گئے۔

ایمپائر ڈے

۲۳ مئی کو برٹش ایسوسی ایشن نے ایمپائر ڈے کی تقریب پر تمام برطانوی لوگوں کو سفارت خانے میں مدعو کیا۔ اتفاقاً سب سے پہلے میں ہی پہنچا۔ سفیر صاحب نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کہا۔ اس کے بعد جو لوگ آتے رہے اُن سے تعارف کروایا۔

پہلے بچوں کے کھیل ہوئے۔ پھر چائے نوشی شروع ہوئی، معزز انگریز خواتین چائے کیک بسکٹ پیسٹری چاکلیٹ وغیرہ تقسیم کرتی پھرتی تھیں، اور نہایت خندہ پیشانی سے ہندوستانیوں کی تواضع کر رہی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے ہندوستان کی فضا یاد آ رہی تھی، جہاں چھوٹے چھوٹے انگریز عہدہ دار معزز ہندوستانیوں سے بھی اس طرح نہیں ملتے جس طرح آپس میں ملتے ہیں۔

ٹوکیو میں ایک برٹش ایسوسی ایشن قائم ہے۔ سلطنت برطانیہ کے جس قدر باشندے اس شہر میں ہیں سب اسی ایسوسیئشن کے ممبر ہیں، اگرچہ اراکین میں اکثریت انگریزوں کی ہے مگر یہ سب لوگ ہندوستانی اراکین سے بہت اخلاص و محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

ٹوکیو ڈینٹل کالج

۱۲ جولائی ۱۹۳۲ء تقریباً پندرہ روز سے داڑھ میں تکلیف تھی۔ ایک دوست کے مشورے اور تعارف سے ٹوکیو ڈینٹل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر آندو سے مل کر داڑھ کا معائنہ کرایا۔ انھوں نے آپریشن کیا اسی وقت تکلیف کم ہو گئی۔ تین روز کے بعد جب ایکس رے کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ ڈاڑھ کی جڑ بالکل کھوکلی ہو چکی ہے تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے انجکشن کر کے بغیر کسی تکلیف کے ڈاڑھ بھی نکال دی۔

دانتوں کا علاج اور دندان سازی سکھانے کے لئے یوں تو "ٹوکیو" میں بہت سے مدارس ہیں، لیکن ان میں سے دو بڑی شہرت رکھتے ہیں، نیز براہ راست حکومت کی سرپرستی میں ہونے کی وجہ سے ان کا کام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ ان میں سے ایک **ٹوکیو ڈینٹل کالج** کہلاتا ہے، اور دوسرا **جاپان ڈینٹل کالج۔**

ٹوکیو ڈینٹل کالج "سوئیدو باشی" ریلوے اسٹیشن سے بالکل متصل واقع ہے۔ کالج کی عمارت پنج منزلہ سنگین اور خوبصورت ہے، اس عمارت کا بیشتر حصہ لکچروں اور عملی کام کے لئے وقف ہے۔ مگر چند بڑے بڑے ہال ایسے بھی ہیں جہاں صرف مریضوں کا معالجہ، آپریشن، صفائی۔ دانتوں کا اکھاڑنا، مصنوعی دانت لگانا وغیرہ مختلف کام ہوتے ہیں، ڈاکٹر آندو خود بہت مصروف تھے، اس لئے ان کے تین طالب علموں نے مجھے تمام کالج کی سیر کرائی۔ صفائی نہایت عمدہ، سامان وافر، اور انتظام نہایت

معقول ہے، طلبہ کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔ ان میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں لیکن لڑکیوں کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے۔

جو مریض علاج کے لئے آتے ہیں اُن کو کسی قسم کی تکلیف یا دقّت نہیں ہوتی۔ دروازے پر دو ملازم موجود رہتے ہیں۔ جو شخص آتا ہے۔ اپنا جوتہ چھتری، چھڑی ان ملازموں کے سپرد کر دیتا ہے، اور ان سے فرشی سلیپریں لے کر پہن لیتا ہے۔ یہ ملازم اس کو ایک لکڑی کا نمبر دیدیتے ہیں۔ سامنے برقی لفٹ لگا ہوا ہے اس کے ذریعہ سے یہ شخص تیسری یا چوتھی منزل پر چلا جاتا ہے۔ لفٹ سے باہر نکلتے ہی ایک کھڑکی پر اپنے نام کا پرچہ بنوا کر اندر چلا جاتا ہے، پھر جس شعبے میں جانا ہو وہاں پہنچ کر اپنا پرچہ ایک کھڑکی میں دیتا ہے اور خود ویٹنگ ہال میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگتا ہے۔ یہاں نہایت آرام دہ گدّے دار سوفے بکثرت بچھے ہوتے ہیں۔ گرمیوں میں برقی پنکھے چلتے ہیں، اور سردیوں میں دخانی انگیٹھیاں کمرے کو گرم رکھتی ہیں۔ دیوار پر قدِآدم شیشے کئی جگہ لگے ہیں۔ منہ ہاتھ دھونے یا پانی پینے کے لئے پانی کے نل موجود ہیں۔

اس کالج میں روزانہ دو ڈھائی سو مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔

امپیریل یونیورسٹی

۹ رجولائی ۱۹۳۱ء آج امپیریل یونیورسٹی دیکھنے کے لئے گیا۔ جس جگہ آج کل یونیورسٹی کی عمارات واقع ہیں یہاں کبھی ایک فیوڈل لارڈ (جاگیردار) کا محل تھا۔ اُس رئیس نے بخوشی یونیورسٹی کے لئے وقف کر دیا۔ امپیریل یونیورسٹی جاپان میں سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔

تمام سلطنت میں اس کی آٹھ شاخیں ہیں جو۔ ٹوکیو، کیوٹو، اوساکا، فوکواوکا (واقع کیوشیو) سپورو، (واقع ہوکیڈو) کیجو (کوریا) تے ہوکو (فارموسا)، اور سنڈائی میں واقع ہیں۔

ان میں سے ٹوکیو کی امپیریل یونیورسٹی بلحاظ تعداد طلبہ سب سے بڑی اور سب سے پرانی ہے، اس کا قیام ۱۸۷۷ء میں عمل میں آیا تھا۔ موجودہ تعداد طلبہ آٹھ ہزار سے زیادہ ہے۔

دراالخلافہ ٹوکیو میں اس کے علاوہ اکیس یونیورسٹیاں اور بھی موجود ہیں۔ ایک وسیع پارک کے اندر جو بیاسی ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ یونیورسٹی کی عمارات واقع ہیں۔

صدر دروازہ محل کا قدیم دروازہ ہے اور لال دروازے کے نام سے موسوم ہے اس دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی یونیورسٹی لائبریری کی پانچ منزلہ عالیشان سنگین عمارت ہے۔ اوپر کی منزلوں پر جانے کے لئے برقی لفٹ لگے ہوئے ہیں۔ ہر منزل پر علیحدہ علیحدہ ریڈنگ روم ہیں۔ مطالعہ کے لئے ہر قسم کی آسانیاں مہیا ہیں۔ اعداد و شمار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء میں تین لاکھ تراسی ہزار چھ سو چھیتر آدمیوں نے اس لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ کیا۔ آنے والوں کی روزانہ اوسط بارہ سو ہے۔ (سالانہ رپورٹ وزیر تعلیم بابتہ سنہ ۱۹۳۱ء) اس کتب خانہ میں ساڑھے چھ لاکھ کتابیں موجود ہیں ان میں سے پانچ لاکھ سینتیس ہزار کتابیں چینی و جاپانی زبان میں ہیں، باقی غیر ملکی زبانوں کی کتابیں ہیں۔

لائبریری سے آگے بڑھ کر ہر طرف مصفّا و کشادہ سڑکیں، سبزے کے خوشنما قطعات کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں۔ سایہ دار درختوں کے نیچے جا بجا لوہے کے بنچ پڑے ہوئے ہیں کہیں سابقہ پروفیسروں کے مجسمے نصب ہیں۔ کہیں فوّارے اچھل رہے ہیں۔ تمام فضا نہایت پُرسکون اور خاموش ہے۔

یونیورسٹی کے ماتحت مختلف اور متعدد کالج ہیں جن میں علیحدہ علیحدہ ادبیات، سائنس، قانون، انجنیرنگ، اقتصادیات وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، ہر کالج کی عمارت وسیع اور پانچ چھ منزل کی ہے۔ مختلف عمارات کی سیر کرتے ہوئے ایک پہاڑی پر چڑھے اور پھر نشیب میں اتر کر ایک عجیب و غریب مقام پر پہنچے، وسط میں ایک قدرتی وسیع تالاب تھا۔ چاروں طرف اونچی پہاڑیاں کھڑی تھیں جن پر انواع و اقسام کے درختوں کا جنگل اُگا ہوا تھا۔ ان ہی پہاڑیوں پر درختوں کے نیچے نیچے پتلے پتلے راستے

اِدھر اُدھر جا رہے تھے۔ درختوں پر طرح طرح کی چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ سطح آب پر کنول کے ہرے ہرے پتّے پھیلے ہوئے تھے اور سفید پھول ان پر کھلے ہوئے تھے۔

تالاب کے کنارے سطح آب سے بیس پچیس فٹ بلند تھے۔ پانی نے نیچے ہی نیچے کنارے کاٹ کر غار بنا لئے تھے، اور اِن غاروں کے منہ پر بڑے بڑے سیاہ پتھر آگے کی طرف لٹکے ہوتے تھے۔ میرے حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی جب میرے جاپانی دوست نے جو میرے ساتھ تھے مجھے بتایا کہ یہ تمام منظر یہ تالاب یہ پہاڑیاں یہ جنگل ہر چیز جس کو میں اب تک قدرتی سمجھ رہا تھا انسانی صنعت کا نتیجہ ہے۔ قدرت کی نقل کرنے میں صنّاع نے جو کمال دکھایا ہے، واقعی قابل داد ہے۔

شاہنشاہ میجی کی یادگار

شاہنشاہانِ جاپان کا لقب غیر ممالک میں میکاڈو مشہور رہے۔ مگر خود جاپانی لوگ اپنے بادشاہ کو "تینّو ہو کا"، یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور دیوتا ہی کی طرح اُس کی پرستش کرتے ہیں۔

یوں تو جاپانی لوگ بالعموم اپنے تمام شاہنشاہوں سے بڑی محبت کرتے ہیں، لیکن دورِ جدید میں شاہنشاہ میجی کو ایک بڑی خصوصیت حاصل ہے۔ ان کے چوالیس سالہ عہد حکومت میں (۱۸۶۷ء تا ۱۹۱۲ء) جاپان نے ایک گمنام کمزور جزیرے کی حیثیت سے ترقی کرکے دنیا کی دول عُظّام کی صف اولین میں جگہ پائی۔ اس لئے یہ قوم اپنے اس شاہنشاہ پر جتنا بھی ناز کرے تھوڑا ہے۔ تمام ملک میں شاہنشاہ میجی کی بیشمار یادگاریں قائم ہیں۔

۱۷ر جولائی ۱۹۳۳ء ایک جاپانی دوست کے ہمراہ یوکوہاما گیا۔ ساکوراگیچو اسٹیشن کے

بالمقابل شاہنشاہ میجی کی ایک یادگار واقع ہے - ایک روپیہ میں داخلہ کا ٹکٹ خرید کر اندر گئے - عمارت کی دوسری منزل پر کئی بڑے بڑے کمروں کے اندر نقشوں تصاویر اور ماڈلوں کے ذریعہ سے شاہنشاہِ موصوف کے کارنامے اور ان کے عہد کے بڑے بڑے واقعات کو خوب دکھایا ہے -

ایک جگہ شاہنشاہ میجی کے مقبرے کا بہت بڑا ماڈل رکھا ہوا ہے - ایک جگہ شاہنشاہ کا دربار دکھایا ہے - جشن تاج پوشی منایا جا رہا ہے - تمام درباری سر جھکائے کھڑے ہیں - ایک اور مقام پر شاہنشاہ پارلیمنٹ میں آزادی کا اعلان پڑھ رہے ہیں ایک جگہ شاہنشاہ غیر ملکی سفراء کو شرف باریابی بخش رہے ہیں - مختلف ماڈلوں کے ذریعہ سے جنگ روس و جاپان ۱۹۰۴ء اور جنگ چین و جاپان (۱۸۹۴ء) کے مناظر دکھائے گئے ہیں، اور جاپانی سپاہیوں کی جان نثاریاں واضح کی گئی ہیں - ایک جگہ جنگ چین و جاپان کے بعد دونوں سلطنتوں کے مندوبین جمع ہیں - صلحنامہ کے شرائط طے ہو رہے ہیں - ایک شخص کھڑا تقریر کر رہا ہے -

غرض اس طرح ماڈلوں کے ذریعہ سے تاریخی واقعات ظاہر کئے تھے - اس وقت ایک مدرسے کے کم عمر طلبہ اپنے استاد کے ہمراہ اس یادگار میں آئے ہیں - اُستاد یہ تصاویر اور ماڈل دکھا کر اصل واقعات سمجھا رہا ہے -

تاریخ سکھانے اور حب قومی کا جذبہ پیدا کرنے کا کیسا عمدہ طریقہ ہے!

مُردوں کا تہوار

۱۳ ر ۱۴ ر ۱۵ ر جولائی کو مُردوں کا تہوار منایا جاتا ہے، جاپانیوں کے عقیدے کے مطابق آباء و اجداد کی ارواح ان تاریخوں میں اس مادّی دنیا کے اندر واپس آتی ہیں، ان تاریخوں میں لوگ اپنے خاندانی قبور کو صاف کراتے ہیں، اور رات کے وقت

قندیلیں لے لے کر جاتے ہیں۔ گھر پر جو قربانگاہ ہوتی ہے وہ خوب سجائی جاتی ہے، اور مردوں کو نذرانے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ آخری روز کھلے میدانوں میں آتش بازیاں پٹاخے وغیرہ چھوڑتے ہیں تاکہ یہ روحیں ان کی آواز سے ڈر کر اپنے مستقر کو واپس چلی جائیں لیکن آتش بازی لوگ خود نہیں چھوڑ سکتے بلکہ پولیس کے اہتمام میں تمام محلّے یا بستی کی طرف سے کسی محفوظ جگہ چھوڑائی جاتی ہے۔ ہمارے گھر کے قریب دریا کے کنارے ۱۵ ر جولائی کی شب کو تمام رات آتش بازی چھوٹتی رہی۔ ہزاروں آدمیوں کا مجمع تھا۔ مگر یہ لوگ اُس مقام سے جہاں آتش بازی چھوڑا رہے تھے کافی دور اور خطرے سے محفوظ تھے۔

کوہ فُوجی کی سیر

سیّاحانِ عالم کے نزدیک جاپان کی خصوصیات میں سے چار چیزیں مشہور ترین خیال کی جاتی ہیں۔ (۱) کوہ فُوجی (۲) چیری کا پھول (۳) یوشیوارا (۴) مصوّری ان میں کوہ فُوجی کو جو اولیت کا درجہ حاصل ہے، اس کی کئی وجوہ ہیں۔ جاپانی قوم کے دل میں جو عظمت اس پہاڑ کو حاصل ہے وہ کسی دوسری چیز کو نہیں۔ جاپانی مصوّری میں جہاں قدرتی مناظر دکھائے گئے ہیں اُن میں نوّے فی صدی کوہ فُوجی ضرور شامل ہے بعض علماء طبقات الارض کا خیال ہے کہ جاپان کو عدم سے وجود میں لانے کا باعث بھی آتش فشاں پہاڑ ہے جو اب عرصہ دراز سے خاموش ہے۔

جاپانی زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ جو کوہ فُوجی کی چوٹی پر ایک بار بھی نہ چڑھے وہ بھی احمق اور جو ایک بار سے زاید چڑھے وہ بھی احمق۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ اس پہاڑ کی سفید برفانی چوٹی، اس کا موزوں اُبھار، دونوں طرف متناسب مصوّرانہ خم، اور



کوہ فوجی اور جھیل ھاکونے

اور دامن کے قریب سیاہ خط مصوّر قدرت کا ایک شاہکار معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی تمام دلفریبیاں فاصلے پر منحصر ہیں۔ جس قدر اس سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں یہ دلفریبیاں غایب ہوتی جاتی ہیں، کیونکہ قریب سے ہم صرف ایک جزو دیکھ سکتے ہیں، حالانکہ اس کے حسن کا راز بے نظیر تناسب ہے جو صرف کل سے اخذ کیا جا سکتا ہے جزو سے نہیں۔ اس کی دلکشی ہر صاحبِ ذوق انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے، لیکن ذاتی تجربے کی بنا پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو دور سے دیکھنا زیادہ بہتر ہے، تو پھر دوبارہ اس سفر کی صعوبت برداشت کرنے سے عقل انسان کو باز رکھتی ہے۔

کوہ فوجی کی شکل تمام آتش فشاں پہاڑوں کی طرح مخروطی ہے۔ اس کی چوٹی سطح سمندر سے بارہ ہزار تین سو چھیانوے فٹ بلند ہے۔ لیکن مطلع صاف ہو تو اکثر بلند مقامات سے اس کی برفانی چوٹی نظر آتی ہے، جو دور سے ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا ایک سفید عقاب اپنے کالے پر دونوں طرف پھیلائے ہوئے ہے۔

کوہ فوجی کے شمال اور جنوب میں دو سلسلہ ہائے کوہ تقریباً کمان کی طرح پھیلے ہوئے ہیں، ان پہاڑوں اور کوہ فوجی کے درمیان ایک تنگ وادی ہے جس میں جنوب کی طرف پانچ نہایت خوبصورت جھیلیں واقع ہیں۔ دامن سے تین سو فٹ عمودی بلندی تک یہ پہاڑ سو سو فٹ اونچے اور نہایت قدیم دیودار کے درختوں سے ڈھکا ہوا ہے، اور اس سے اوپر دو سو فٹ عمودی بلندی تک چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کا جنگل ہے۔ اس جنگل سے اوپر چوٹی تک کسی قسم کی نباتات کا وجود نہیں ہے، اس لئے دور سے چوٹی تو سفید نظر آتی ہے، مگر زیریں حصہ سیاہ معلوم ہوتا ہے۔

چوٹی کا قطر تقریباً چار میل ہے، جس کے وسط میں پیالہ کی طرح آتش فشانی دہانہ ہے، مگر اس دیو قامت پیالے کے وسط سے ایک اور چوٹی بلند ہوتی ہے اور اس چوٹی کے بیچ میں ایک اور آتش فشانی دہانہ ہے، جس کو اندرونی دہانہ کہتے ہیں

اور جہانتک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ بیرونی دہانے کی شکل ایک چھلنے کی مانند ہوگئی ہے اور اسی کے اندر لوگ جھانکا کرتے ہیں، مگر بجز تاریکی کچھ نظر نہیں آتا۔

اپنی عمر میں ایک بار کوہ فوجی کی چوٹی پر چڑھنا ہر جاپانی اپنا مذہبی فرض سمجھتا ہے اس لئے ہر سال اواخر ماہ جولائی اور اگست میں ہزاروں زائرین یہ سفر اختیار کرتے ہیں اب سے بیس سال پیشتر تک عورتوں کو کوہ فوجی پر جانے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ بدھ مت عورتوں کو مقدس مقامات میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر اس دورِ آزادی میں عورتوں کو یہ حق مل چکا ہے، اور اب زائرین میں ہر عمر کی عورتیں کافی تعداد میں ہوتی ہیں۔

۲۵۔ جولائی ۱۹۳۱ء بروز شنبہ اپنے تین دوستوں کے ہمراہ میں کوہ فوجی پر چڑھنے کے ارادے سے توکیو کے ایک اسٹیشن اید اماچی پر پہنچا۔ چونکہ فوجی پر جانے کے لئے ریل یہیں سے روانہ ہوتی ہے۔ اس لئے دو ڈھائی سو آدمی اس وقت اسٹیشن پر موجود تھے۔ اسٹیشن کے باہر "جاپان ٹورسٹ بیورو" کی طرف سے ایک اسٹال پر فوجی کے متعلق تصاویر، راستے کے مختصر حالات، نظام الاوقات، اور لٹریچر مفت تقسیم کئے جا رہے تھے، اور ہر قسم کی قابل اعتماد معلومات فراہم کی جا رہی تھیں ایک مقررہ رقم ادا کرنے پر بیورو کی طرف سے ایک ٹکٹ مل جاتا تھا۔ اس کے بعد وہی ٹکٹ دکھا کر بلا کسی مزید خرچ کے ہر منزل پر سواری، کھانے، آرام کرنے، اور بدرقہ کا انتظام ہو جاتا تھا۔ سیاحوں اور زائرین کے لئے اس سے بہتر انتظام اور اس سے زیادہ آسانی اور کیا ہو سکتی ہے۔

مسافروں میں مرد و عورت، لڑکے، جوان، بڈھے، ہر عمر اور ہر رتبہ کے لوگ موجود تھے، ان میں سے بعض لوگ زائرین کا مخصوص لباس پہنے ہوئے تھے۔ یعنی سفید رنگ کے جاپانی وضع کے کپڑے، ایک بہت چوڑے چھجے والی سینکوں کی ہیٹ

کمر پر ایک گٹھری بندھی ہوئی اور ایک گھنٹی لٹکتی ہوئی ہاتھ میں ایک لکڑی یہ لباس گنوار اور مزدور پیشہ لوگوں کا تھا۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا لباس یہ تھا ایک خاکی برساتی کی نرم ہیٹ۔ خاکی سوٹ، برجس کے اوپر پٹیاں کسی ہوئی۔ اور بہت بھاری بھاری بوٹ، ہاتھ میں لکڑی اور کمر پر ایک تسمہ سے ایک سفری تھیلا اور پانی رکھنے کے لئے چمڑا چڑھی ہوئی بوتل بندھی ہوئی، تھیلے میں گرم کپڑے، برساتی کوٹ، اور کچھ ادویات، ایک بڑا چاقو، پانی پینے کے لئے ایک برنجی کٹوری، اور اسی قسم کی چند دیگر ضروریات۔ بعض لوگ گرمی کے معمولی سوٹ پہنے ہوئے تھے باقی تمام سامان ساتھ تھا۔

ڈیڑھ بجے دن کو مسافروں سے پُر ایک بہت لمبی ریلوے ٹرین میں سوار ہو کر روانہ ہوئے اور بہت سی لمبی لمبی سرنگوں سے گذرتے ہوئے پہاڑیوں پر چڑھتے سرسبز دامن کوہ، پیچدار پہاڑی راستوں، خوشنما وادیوں، تیزی سے بہتے ہوئے اور اُبلتے ہوئے پہاڑی چشموں، چھوٹی چھوٹی آبشاروں، وادیوں میں دھان کے ہرے ہرے کھیت، کسانوں کے مکانات، انواع و اقسام کے دلفریب مناظر کا مشاہدہ کرتے ہوئے ڈھائی گھنٹے کے بعد مقام "اوتسوگی" پر جا اُترے، اور وہاں سے الیکٹرک ٹرین میں سوار ہو کر پانچ بجے مقام "پوشیدہ" پہنچے۔ وہاں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کھانا کھا کر لباس تبدیل کیا اور گرم کپڑے پہن لئے۔ آدھ گھنٹے کے بعد موٹر میں روانہ ہوئے۔ سامنے کوہ فوجی نہایت قریب نظر آرہا تھا۔ دس بارہ منٹ کے بعد ایک قدیم مندر کے سامنے جا اُترے اور مندر کے اندر داخل ہوئے۔ مندر کی عمارت کے گرد بکثرت نہایت پرانے طویل القامت دیودار کے درخت کھڑے ہوئے تھے، جن کے لمبے لمبے سیدھے تنے پاس پاس کھڑے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ ایک عظیم الشان محل کے ستون ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف قدیم زمانے کی سنگین

لالٹینیں نہایت قریب قریب نصب تھیں، مگر اب یہ روشن نہیں کی جاتیں سان کی جگہ بجلی کے قمقموں نے لے لی ہے جن کے کریہہ المنظر کھمبے اِدھر ادھر کھڑے اس منظر کی تناسب و توازن میں مداخلت بیجا کر رہے تھے۔ مندر کے سامنے اور اس کی عمارت سے علیحدہ اُسی مخصوص وضع کا ایک دروازہ بنا ہوا ہے جس کو "توری" کہتے ہیں۔ اس طرز کے دروازے ہمیشہ مندروں کے سامنے بنائے جاتے ہیں۔ یہاں سے گذر کر مندر کے صحن میں داخل ہوئے۔ یہ مندر فوجی ہی سے متعلق ہے۔ اس لئے فوجی کو جانے والے یہاں ضرور آتے ہیں اور پجاریوں کو کچھ نقدی دے جاتے ہیں۔ پجاری زائرین کی لکڑیوں اور پنکھوں اور کپڑوں پر ایک ایک مہر لگا دیتے ہیں۔ اس کے بعد زائرین قربانگاہ کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔

میں باہر صحن میں کھڑا ہوا یہ تمام رسوم دیکھتا رہا۔ جب میرے ساتھی ان رسوم سے فارغ ہوئے تو ہم مندر کے دوسرے دروازے سے نکل کر ایک دوسری موٹر پر سوار ہوئے۔ سڑک نہایت خراب اور خطرناک تھی۔ قریبًا ایک گھنٹے میں بیس میل کا سفر کر کے مقام "اوماگایاشی" جا پہنچے۔ یہاں سے کوہ فوجی کی چڑھائی شروع ہوتی ہے، اور چوٹی تک آٹھ منزلیں ہیں۔ ہر منزل پر قیام کے لئے چھوٹے چھوٹے ہوٹل بنے ہوتے ہیں۔ بیشتر لوگ تو "یوشیدہ" ہی سے پیدل آتے ہیں۔ کچھ لوگ اوماگایاشی تک موٹر میں آتے ہیں۔ اور یہاں سے پیدل جاتے ہیں۔ مگر ہم نے یہاں چار گھوڑے کرایہ پر لئے۔ گھوڑے نہایت مضبوط اور سدھے ہوتے تھے۔ سات بجے شب کو یہاں سے روانہ ہوئے۔ ہمارے گھوڑوں کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے والوں کا ایک بڑا قافلہ تھا۔ جن کی گھنٹیوں کا بجنا اور خود ان کا نغمہ سارہانی اس خاموش فضا میں دل پر ایک یاس انگیز اثر پیدا کر رہا تھا۔ گھوڑے والے گھوڑوں کی باگیں تھامے آگے آگے جا رہے تھے۔ اگرچہ چاندنی رات تھی۔ لیکن

راستے کے دونوں جانب دیودار کے گھنے جنگل کھڑے تھے۔ اس لئے بمشکل چاند کی روشنی راستہ تک پہنچ سکتی تھی۔ گھوڑے والے برقی ٹارچ ہاتھوں میں لئے ہوئے راستہ دکھا رہے تھے۔ راستہ تقریباً پندرہ فٹ چوڑا تھا، اور چکر دے کر اوپر جاتا تھا پھر بھی چڑھائی سخت اور سیدھی تھی۔ راستہ کے ایک طرف بلند چٹانیں کھڑی تھیں اور دوسری جانب گہرے گہرے کھڈ تھے۔

نو بجے پانچویں منزل پر جا پہنچے۔ یہاں سے نیچے کی طرف ایک عجیب پُرلطف منظر دکھائی دیتا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے ہم سے بہت نیچے ہوا میں معلق تیر سے پھر رہے تھے، اور وادی میں جو گاؤں آباد ہیں، اُن کی برقی روشنیاں تاروں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔

اب سردی خوب ہو رہی تھی اس لئے ہوٹل کے اندر آگ کے قریب بیٹھ کر چائے پی۔ اور آدھ گھنٹے آرام کرکے اوپر روانہ ہوئے۔ اب تک تو گھوڑے کی پیٹھ پر تھے، اس لئے چڑھائی کی حقیقت معلوم ہی نہ ہوتی۔ پیدل چلے تو اس کی دشواری کا اندازہ ہوا۔ پانچویں منزل سے اوپر راستہ بھی نہایت ناہموار۔ اور چڑھائی بہت سیدھی ہے۔ یہاں جنگل غایب ہوکر چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں رہ جاتی ہیں۔ اس لئے یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہوا بہت تیز اور بہت ٹھنڈی ہے۔ ایک گھنٹہ کے بعد چھٹی منزل پر پہنچے اور کچھ دیر آرام لے کر اوپر چلے۔ اب جھاڑیاں بھی غایب ہو چکی تھیں۔ چڑھائی اور بھی سخت ہو گئی تھی۔ راستہ زیادہ ناہموار اور خطرناک ہو گیا تھا زمین کہیں سنگلاخ تھی اور کہیں چھوٹی چھوٹی روڑیاں تھیں۔ سرد ہوا کے تند و تیز جھونکے کلیجہ تک ٹھنڈا کئے دیتے تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اٹھا کر نیچے پھینک دیں گے۔ جب ہوا کا ریلا آتا تھا تو لوگ فوراً بیٹھ جاتے تھے۔ ہلکی ہلکی بوندیاں بھی پڑ رہی تھیں۔

بارہ بجے ساتویں منزل پر جا پہنچے۔ اب بارش تیز ہوگئی تھی۔ ہمارے ساتھیوں میں ایک صاحب پنجاہ سالہ اور دہرے بدن کے آدمی تھے وہ اس چڑھائی سے نہایت نڈھال ہوگئے۔ اس لئے یہی قرار پایا کہ رات اسی جگہ بسر کریں اور صبح طلوع آفتاب سے آدھ گھنٹہ قبل روانہ ہوکر طلوع کا دلآویز منظر چوٹی پر جا دیکھیں۔ چنانچہ ہوٹل میں داخل ہوئے۔ پشت کوہ پر تھوڑی سی ہموار جگہ دیکھ کر اس پر ایک لمبا کمرہ بنا لیا گیا ہے۔ جس کی دیواریں پتھر اور لکڑی کی ہیں، اور چھت پر اندر کی طرف لکڑی اور باہر کی طرف ٹین ڈال کر اوپر بڑے بڑے پتھر رکھ دیئے گئے ہیں۔ تاکہ ہوا سے چھت اُڑ نہ جائے۔ لکڑی کے تختوں کا فرش ہے، جس پر چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں۔ کمرے کے بیچ میں ایک تین گز مربع گڑھا ہے، جس میں ہر وقت آگ روشن رہتی ہے۔ مگر دھواں نکلنے کے لئے کوئی روشندان نہیں ہے۔ اس لئے دھواں کمرے میں گھٹا رہتا ہے۔

آگ کے اوپر چھت سے ایک آہنی زنجیر لٹکی ہوئی ہے، اور اس میں ایک بڑی لوہے کی کیتلی بندھی ہوئی ہے، جس میں ہر وقت چائے کا پانی اُبلتا رہتا ہے، اسی میں سے نکال نکال کر پھیکی بلکہ کڑوی جاپانی چائے بغیر دودھ شکر یا نمک ڈالے ہوئے پیتے رہتے ہیں۔ جب پانی کم ہوجاتا ہے تو اور ڈال دیتے ہیں۔ ایک دیگچہ میں چاول اُبل رہے تھے جو مسافروں کے ہاتھ فروخت کئے جاتے ہیں۔ ہوٹل میں بیس بچھونے لحاف اور تکئے بھی رکھے جاتے ہیں۔ مگر دو مسافروں کو ایک بستر دیا جاتا ہے اس طرح کل ہوٹل میں چالیس مسافر بیک وقت شب باش ہو سکتے ہیں۔

جس وقت ہم ہوٹل کے اندر گئے تو وہاں سات آٹھ مسافر پہلے سے موجود تھے ہم بھی کمر کھول کر بچھونوں میں جا گھسے، ذرا گرمائی پہنچی تو ہوش و حواس درست ہوئے لیکن ہوٹل سے باہر باد و باراں کا وہ طوفان بپا تھا کہ نیند نہ آسکی۔ تھوڑی دیر بعد لوگ نیچے سے آنے شروع ہوئے اور کمرہ مسافروں سے بھر گیا۔ کچھ اور مسافر آئے وہ

لیٹے ہوتے مسافروں کے چاروں طرف جہاں جگہ دیکھی بیٹھ رہے۔ پھر کچھ اور آئے تو لیٹنے والے بیٹھ گئے اور نئے آنے والوں کو جگہ دی۔ اس کے بعد اور لوگ آئے تو بیٹھے ہوئے لوگوں کی گودوں میں آگرے۔ واقعی ان لوگوں کی حالت قابل رحم تھی۔ لیکن مجھے اُس وقت ہندوستان یاد آیا اور خیال ہوا کہ اگر ہندوستان ہوتا تو جو لوگ پہلے آکر لیٹ چکے تھے۔ وہ ہرگز اپنی جگہ نہ چھوڑتے۔ اگر کوئی ان کے قریب بھی آتا تو خوب للکارتے، غُل و شور مچتا۔ ممکن ہے کہ زد و کوب تک نوبت پہنچتی۔ یہ ہرگز نہ سوچتے کہ آخر یہ بھی انسان ہیں اور اس مصیبت میں مبتلا ہیں۔ صرف کرایہ دینے کی وجہ سے بلا شرکت غیرے بستر اور جگہ کے حقدار بنتے۔ مگر یہاں معاملہ برعکس تھا۔ غُل و شور کا نام نہ تھا جب تک ممکن تھا، لوگ خود اپنے بچھونوں میں دوسروں کو جگہ دیتے رہے۔ اس کے بعد جب سردی اور بارش سے بدحواس لوگ آآکر پہلے سے موجود لوگوں کے اوپر گرنے لگے تو کسی نے اُف تک نہ کی۔ صبح ہونے تک کمرہ آدمیوں سے اسی طرح بھر گیا جیسے چنے کے دانوں سے بورا بھرتے ہیں۔ پھر بھی پندرہ بیس آدمی ہوٹل کے باہر بارش اور ہوا میں پڑے تڑپ رہے تھے۔ اور جو لوگ کمرے کے اندر تھے ان کی حالت بھی باہر والوں سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔ کیونکہ ایک تو اس چھوٹے سے کمرے میں آدمیوں کی یہ کثرت، پھر بیچ کمرے میں آگ روشن، دہواں گھٹا ہوا، روشندان ندارد۔ دروازے بارش کی وجہ سے بند۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی گلا گھوٹ رہا ہے، مزید برآں وہیں گنواروں نے تمباکو نوشی شروع کردی۔ مگر منع کرنا تو ایک طرف کسی کی تیوری پر بل تک نہ آیا، شاید اور دو چار گھنٹے اس طرح گزرتے تو ضرور دو چار دم توڑ دیتے۔ مگر صبح ہوگئی، اور بعض جوانمردوں نے اس طوفان ہی میں کمر ہمّت باندھ کر نیچے اُترنے کا قصد کرلیا۔ شروع میں تو دو چار باہر نکلے۔ دو چار اندر آتے۔ مگر رفتہ رفتہ کمرہ خالی ہونے لگا اور نو بجے تک بہت کافی آدمی چلے گئے۔

ہم لوگوں نے بھی سوچا کہ یہ گھٹا کھلنے والی معلوم نہیں ہوتی۔ جس طرح ہو سکے اسی حالت میں نیچے چلو۔ اگر طوفان اور شدید ہو گیا تو یہ جگہ بھی نہایت خطرناک ہے اکثر یہ ہوٹل اُڑ کر کھڈوں میں جا گرتے ہیں، اگر بجلی چمکنے لگے تو چونکہ بادل چاروں طرف ہوتے ہیں اس لئے اکثر آگ بھی لگ جاتی ہے۔

چنانچہ برساتیاں پہن پہن کر نکل کھڑے ہوئے۔ تیز ہوا کے جھونکوں سے عجیب وحشت خیز اور دہشت انگیز آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ ایک طرف تو خود ڈھال کی وجہ سے نیچے کی طرف تیزی سے قدم اٹھتا تھا۔ پھر تیز ہوا بھی آگے کی طرف ڈھکیل رہی تھی تیز جھونکا آتا تھا تو فوراً زمین پر لیٹ جاتے تھے۔ راستہ میں کئی جگہ برف بھی پڑی دیکھی خدا خدا کر کے چھٹی منزل پر پہنچے اور جھاڑیوں کی آڑ ملی۔ پانچویں منزل پر آئے تو بارش بند ہو گئی، اور ہوا بھی کم ہو گئی۔ کبھی کبھی دھوپ بھی نکلنے لگی۔ مگر اوپر کی طرف دیکھنے سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ وہاں اب بھی وہی طوفان بپا تھا۔ یہاں سے نیچے کی طرف وادئ فوجی صاف نظر آ رہی تھی اور نہایت دلآویز منظر پیش کر رہی تھی۔ بالخصوص اس وادی کے اندر پانچوں جھیلیں اور اُن کے پیچھے نیلگوں پہاڑ۔

ایک شب کی سرگذشت

۸ راگست ۱۹۳۱ء شب کے وقت میں اپنے دو دوستوں کے ہمراہ امپیریل ہوٹل میں طعام شب کھا رہا تھا۔ تقریباً نو بج چکے تھے، ہماری میز کے کچھ فاصلے پر دو جاپانی نوجوان ایک دوسری میز پر بیٹھے چائے پی رہے تھے، اور گفتگو کے دوران میں کئی بار مڑ مڑ کر ہماری طرف دیکھ چکے تھے۔ جب ہم کھانا ختم کر چکے اور یہاں سے رخصت ہونے لگے تو ان دونوں جاپانیوں میں سے ایک اُٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا، اور دوسرا مسکراتا ہوا ہماری طرف آیا۔ اُس کے لباس اور وضع قطع سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُس کا تعلق کسی اعلیٰ خاندان سے ہے۔ سلام کر کے اور مداخلت کی معافی مانگتے ہوئے وہ ہمارے قریب ہی

بیٹھ گیا اور کچھ ایسے سلیقے اور ہوشیاری سے گفتگو کی کہ ہم لوگوں کو واقعہ کے عجیب ہونے کا خیال بھی پیدا نہ ہوا۔ وہ بہت جلد بے تکلف دوست بن گیا۔ خود اپنے متعلق اس نے بیان کیا کہ وہ حال ہی میں امریکہ سے واپس آیا ہے۔ نیویارک میں اس کا باپ جاپانی کونسل جنرل تھا۔ اس لئے اُس کے خاندان کا قیام نیویارک میں ایک عرصہ دراز تک رہا ہے، اُس کی اور اُس کی دو بہنوں کی تعلیم و تربیت بھی نیویارک ہی میں ہوئی ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ جاپان واپس آکر اُس کو اپنے ملک کی معاشرت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ اُس کی بہنیں بھی تنہائی سے گھبرائی رہتی ہیں۔

یہ شخص انگریزی بہت اچھی بولتا تھا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی کیونکہ بالعموم وہ جاپانی بھی جو برسوں انگلستان یا امریکہ رہ آئے ہیں اور اعلیٰ تعلیم سے بھی متمتع ہو چکے ہیں نہایت غلط اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولتے ہیں، اس لئے اُس کے اِس دعوے کی تصدیق ہوتی تھی کہ لڑکپن ہی سے اس کی تربیت امریکہ میں ہوئی تھی۔ بہر حال اُس کی گفتگو نے ہم تینوں دوستوں پر جادو کا اثر دکھایا۔ وہ بول رہا تھا اور ہم سن رہے تھے۔ بالآخر اُس نے خود ہی یہ تجویز پیش کی کہ ہم تینوں اُس کے ہمراہ اُس کے گھر چلیں۔ ہم لوگوں نے عذر کیا کہ رات کافی گذر چکی ہے۔ کھانا ہم لوگ کھا چکے ہیں، پھر کسی روز ملاقات کریں گے۔ مگر اُس نے اس قدر اصرار کیا کہ آخر ہم لوگ مجبور ہو گئے۔ کرائے کی موٹر منگا کر روانہ ہوئے۔ وہ شخص ڈرائیور کے برابر بیٹھا اور ہم تینوں پیچھے کی نشست پر۔ اُس نے جاپانی زبان میں اشارۃً منزل مقصود کا پتہ ڈرائیور کو سمجھا دیا۔ مگر ہم لوگوں نے دریافت کیا تو اُس نے آکاساکا بتایا۔ آکاساکا امپیریل ہوٹل سے دور بھی نہیں ہے، اور اکثر غیر ملکیوں اور جاپانی شرفا کی بود و باش اُس محلہ میں ہے، مگر کچھ دور جا کر ہم لوگوں کو شبہ پیدا ہوا تو پھر اُن سے دریافت کیا کہ آپ ہم کو کہاں لے جا رہے ہیں، یہ راستہ آکاساکا نہیں جاتا تو اُس نے کہا نہیں آپ کو مغالطہ ہوا میں نے

آکاسا کا نہیں اساکُسا کہا تھا"، اساکسا نہایت بدنام محلہ ہے۔ نیز وہ شہر کے
بالکل ایک کنارے پر واقع ہے۔ بہر حال اب تو روانہ ہو ہی چکے تھے، اور جا بھی رہے
تھے اساکُسا ہی کی طرف۔ مگر ایک گھنٹہ تک برابر موٹر چلتی رہی، اور بالآخر اساکُسا بھی
ختم ہو کر مضافات میں داخل ہو گئے۔ اب پھر تشویش پیدا ہوئی۔ دریافت کیا تو جواب ملا
کہ گھبرائیے نہیں، اب مکان یہاں سے بالکل قریب ہے۔ چلتے چلتے بالکل غیر آباد
اور سنسان سڑک پر آ گئے اور خدا خدا کر کے موٹر آبادی سے بہت دور ایک مکان کے
سامنے رُکی۔ ہم سب لوگ اُترے، اور موٹر کی روشنی میں ہم تینوں دوستوں نے
ایک دوسرے کی طرف پُر معنی نظروں سے دیکھا۔ ہر شخص کے دل میں شکوک اور
خوف کا غلبہ تھا۔

مکان کا دروازہ کھُلا، اور تین عورتوں نے اس طرح ہمارا خیر مقدم کیا کہ گویا
وہ دیر سے ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔ ان میں سے دو نوجوان لڑکیاں تھیں، جن کی
عمر اٹھارہ انیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ ہمارے میزبان نے ان کو اپنی بہنیں بتا کر
تعارف کرایا۔ تیسری عورت سی سالہ معلوم ہوتی تھی، اُس کو اپنی خالہ بتایا۔ تینوں
خوب انگریزی بولتی تھیں، اور اس قدر بے تکلف گفتگو کر رہی تھیں کہ گویا برسوں کا
تعارف ہے۔ قہوہ اور پھل پیش کئے گئے، مگر ہم لوگوں نے میزبانوں کے بیحد اصرار
کرنے کے باوجود اُن کو چھوا تک نہیں۔ تقریباً دس منٹ کے بعد ہم لوگوں نے رخصت
کی اجازت چاہی، مگر انہوں نے کہا کہ رات زیادہ جا چکی ہے، واپسی کے لئے سواری کا
ملنا دشوار ہے۔ اس لئے شب کو یہیں قیام کرنا مناسب ہوگا۔ ہم لوگوں نے انکار کیا
اور کھڑے ہو گئے۔ اُدھر اُن لوگوں نے رات بھر کے لئے ٹھہرنے پر اصرار بلیغ کیا حتٰی کہ
یہ معلوم ہونے لگا کہ ہم قیدی اور وہ جیلر ہیں۔ اس کشمکش میں پندرہ بیس منٹ صرف
ہو گئے۔ بمشکل پیچھا چھڑا کر ہم دروازے تک پہنچ گئے۔ پھنسا ہوا شکار ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر

ان کے اخلاق خلوص اور تبسم کا ہلکا نقاب اُن کے چہروں سے گر گیا، اور ان کی اصلی طینت خوفناک درندوں کی شکل میں نمودار ہوگئی۔ منت ولجاجت کو چھوڑ کر اب انھوں نے دھمکیاں دینی شروع کر دیں کہ شہر یہاں سے بہت دور ہے۔ ہم ذمہ دار نہیں اگر راستہ میں چور بدمعاش آپ کو تکلیف پہنچائیں۔ بغیر کوئی جواب دیتے ہوئے ہم وہاں سے چلدئے اور پندرہ بیس منٹ پیدل چلنے کے بعد آبادی میں داخل ہوئے۔ ایک ٹیکسی لے کر گھر واپس آئے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ٹوکیو میں ایسے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، اور ایسے لوگ کثرت سے ہیں جو اسی ناپاک طریقے سے روزی کماتے ہیں۔

شاہی مصوّر سے ملاقات

۶ راگست ۱۹۳۱ء آج میرے معاون پروفیسر گاموا اپنے ایک دوست مسٹر "اینووے" کو لے کر میرے مکان پر تشریف لائے، اُن سے معلوم ہوا کہ مسٹر اینووے کو شاہی مصوّر بیرن اراکی نے میرے پاس بھیجا ہے۔ اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شاہی مصوّروں کی انجمن کی طرف سے ایک چیدہ و منتخب مجموعۂ تصاویر اپنے ہمراہ لے کر سیام جا رہے ہیں، وہاں ان کی عام نمائش کریں گے۔ اس سفر میں یہ بھی ارادہ رکھتے ہیں کہ سیام سے فارغ ہوکر ہندوستان بھی جائیں، اور وہاں بھی جاپانی آرٹ کی نمائش کریں۔ اپنے دوست گاموصاحب کی خاطر سے میں نے دعوت منظور کرلی۔ اور ہم تینوں روانہ ہوئے۔

گاموصاحب نے راستہ میں بیان کیا کہ بیرن اراکی نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور جفاکشی کی بدولت افلاس وگمنامی کی حالت سے ترقی کرکے اعلیٰ ترین عزت وثروت حاصل کی۔ درباری مصوّروں کی انجمن میں شامل ہوئے۔ درباری اعزاز، اور بیرن کا خطاب پایا۔

ان کا مکان مضافات توکیو میں واقع ہے۔ مکان کے پشت پر جاپانی وضع کا خوشنما باغیچہ ہے۔ جس کے دیکھنے سے اُس کے مالک کا حسن مذاق ظاہر ہوتا ہے۔ مکان بہت زیادہ وسیع تو نہیں ہے لیکن نہایت خوش وضع ہے، اور تعمیر میں بیش قیمت لکڑی لگائی گئی ہے جو ریشم کی طرح نرم وچمکدار ہے۔

ان کے مکان پر پہنچ کر مسٹر ابنو وے نے ہم سب کے آنے کی اندر اطلاع کرائی، خادمہ باہر آئی اور ہمارے سامنے فرش پر بیٹھ کر تعظیماً اپنی پیشانی زمین پر رکھی، پھر ادب کے ساتھ فرشی سلیپریں پیش کیں اور اپنے ہمراہ ہم سب کو ملاقاتی کمرے میں لے گئی یہ کمرہ بالکل مغربی وضع پر آراستہ تھا۔ دو تین بہت بڑی بڑی روغنی تصاویر جو غالباً خود اراکی صاحب کی بنائی ہوئی تھیں دیوار پر آویزاں تھیں، ایک کونے میں میز پر ایک بھس بھرا ہوا عقاب پر پھیلاتے ہوئے ایک مصنوعی درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس قسم کی اور آرائش کی چیزیں رکھی تھیں۔ اعلیٰ طبقے کے جاپانیوں میں یہ ایک عام رواج ہے کہ بیٹھنے کے لئے دو علیحدہ علیحدہ کمرے ہوتے ہیں۔ ایک مغربی طریقہ پر آراستہ کیا جاتا ہے، دوسرا خالص جاپانی تہذیب وتمدن کے مطابق سجایا جاتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد اراکی صاحب تشریف لائے۔ معمر اور دُبلے پتلے آدمی ہیں۔ نہایت کم گو اور مغرور معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم اخلاق سے پیش آئے۔ مزاج پُرسی اور رسمی گفتگو کے بعد ہندوستان کے حالات دریافت کرتے رہے۔ انگریزی نہیں جانتے لہذا مسٹر گاموترجمان کا کام کرتے رہے۔ اسی دوران میں ایک خادمہ چھوٹی چھوٹی نہایت خوبصورت بانس کی ٹوکریوں کے اندر گیلے تولئے رکھ کر اور ٹوکریاں کشتی میں سجا کر لائی، اور ہر میہمان کے سامنے ایک ٹوکری رکھ دی۔ ہم لوگوں نے اس تولئے سے منھ ہاتھ اور گردن پونچھی۔ موسم گرما میں اکثر اُمرا کے یہاں میہمان کے سامنے گیلا کپڑا پیش کرتے ہیں۔

بعدازاں ایک دوسری خادمہ گلاسوں میں ٹھنڈا شربت لائی، اور تیسری خادمہ کچھ جاپانی چاول کے لڈو اور مختلف قسم کی مٹھائیاں لائی۔ ہر ایک نے دروازے ہی پہلا فرشی سلام کیا۔ دوسرا سلام کشتی سامنے رکھتے ہوئے کیا، اور پھر اُلٹے پیروں واپس جاتے ہوئے تیسرا سلام دروازے کے قریب جاکر کیا اور چلی گئی۔ ہم آدھ گھنٹے کے بعد رخصت ہوئے۔ اراکی صاحب دروازے تک پہنچانے کے لئے آئے۔

ایک ہفتے کے بعد ان کی طرف سے اُس نمائش میں شرکت کا دعوت نامہ آیا جو سیام جانے سے قبل آرٹ گیلری واقع وینو میں منعقد کی گئی تھی۔

تقریباً دو سو تصاویر کا انتخاب کیا گیا تھا، یہ سب جاپانی وضع کی تصاویر تھیں آبی رنگوں سے بنائی گئی تھیں۔ اور کم از کم چار فٹ چوڑی اور پانچ چھ فٹ لمبی تھیں مگر بعض گزوں لمبے فولڈنگ اسکرین پر بنائی گئی تھیں۔ بعض تصاویر کا موضوع کلاسیکل تھا۔ اس لئے ان کو سمجھنے کے لئے قدیم روایات اور لٹریچر سے واقفیت ضروری تھی۔ جاپانی نقادان فن ان پر سر دھنتے اور وجد کرتے ہیں۔ مگر ایک اجنبی ان کی خوبیاں سمجھنے سے قاصر ہے۔ تاہم قدرتی مناظر کے بنانے میں یہ لوگ بڑا کمال رکھتے ہیں۔ جانوروں میں مچھلیاں، تیتریاں، کیڑے، مکوڑے، مرغابیاں، سارس بگلے، کتے، بلیاں، اور گھوڑے خوب بناتے ہیں۔ مگر انسانی چہروں کے بنانے میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ان کے بنائے ہوئے انسانی چہرے جذبات سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ مسرت، ملال، غصہ، یاس، غیرت، حیا، تمسخر، تذبذب، فکر، انتشار، کوئی جذبہ ان تصاویر کے چہروں سے ظاہر نہیں ہوتا۔ جاپانی آرٹ کی یہ بہت بڑی کمزوری ہے، لیکن اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ خود جاپانیوں کے چہرے پر دلی کیفیات کا اثر اس قدر نمایاں نہیں ہوتا جس قدر آرین نسل کے لوگوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ عام طور پر ایک جاپانی مرد یا عورت کا چہرہ دیکھ کر اس کے دلی جذبات کا

ہرگز اندازہ نہیں لگا سکتے۔

بہر نوع رنگوں کا انتخاب و آمیزش، قدرت کی صحیح نقالی شگفتہ مضامین کا اقتباس اور فن رنگسازی میں جاپانی مصوّر و نقّاش دنیا بھر کی کسی قوم سے پیچھے نہیں ہیں یہ فن یہاں جتنا بھی ترقی پاتا تھوڑا تھا۔ اس لئے کہ یہ قوم بالحیث المجموع آرٹ کا نہایت صحیح ذوق رکھتی ہے۔ یہاں ہر شخص تصویر و مصوّری کا دیوانہ ہے۔ غریب سے غریب آدمی ایک دو اعلیٰ قسم کی تصویر اپنے گھر میں رکھتا ہے۔ اور وہ خواہ کتنی ہی کم قیمت ہو مگر اپنے مالک کو گھر بھر کے تمام ساز و سامان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ علاوہ بریں ایک تو ان کا طرز تحریر خود ایک قسم کی نقاشی اور تصویر کشی ہے پھر اس کو لکھتے بھی برش سے ہیں اس لئے ہر پڑھا لکھا آدمی بچپن سے برش استعمال کرنا سیکھ جاتا ہے، اور تمام عمر ضرورۃً یہ مشق جاری رکھتا ہے۔ کنڈر گارٹن اور پرائمری اسکول میں بھی نقاشی پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ پھر قدرت کے دست کرم نے اُن کے وطن کو جو فطری حسن عطا فرمایا ہے، اس کی بدولت نقاشی کے لئے بہترین قدرتی ماڈل ہر وقت ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر اس قوم کا ہر فرد کم و بیش فطرتی و پیدائشی مصوّر و نقّاش ہوتا ہے۔

موسم خزاں میں تصاویر کی نمائش ہمیشہ سال میں دو بار یعنی موسم بہار اور اور خزاں میں دو آرٹ کی نمائشیں آرٹ گیلری میں منعقد ہوتی ہیں۔ ایک مصوّروں اور صنّاعوں کی انجمن کی جانب سے غیر سرکاری نمائش ہوتی ہے، اور دوسری سرکاری نمائش ہوتی ہے۔ یہ نمائش پورے ایک ماہ تک رہتی ہیں۔ ملک کے منتخب مصوّر و صنّاع بڑی کوشش اور محنت سے اپنے نمونے تیار کر کے مقابلے کے لئے بھیجتے ہیں۔

میں نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو غیر سرکاری نمائش دیکھی۔ ایک ہزار سے زیادہ

نمونے آبی و روغنی تصاویر کے موجود تھے۔ علاوہ بریں ایک بہت بڑے ہال میں مٹی پتھر، اور لکڑی کے مجسمے بھی رکھے ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کمرے میں لکڑی اور دھات کی صنعتوں کے اعلیٰ نمونے دکھائے گئے تھے۔

نومبر میں شاہی نمائش دیکھی یہ بلحاظ تعداد غیر سرکاری نمائش سے دوگنی بڑی تھی ان دونوں نمائشوں میں آبی تصاویر کے نمونے اس قدر بلند پایہ اور محیّر العقول تھے کہ مصوّری، طلسم و سحر کاری معلوم ہوتی تھی۔ بمشکل یقین آتا تھا کہ یہ انسان کا کام ہے۔ بعض قدیم وضع کی تصاویر میں اصول پرسپکٹو کو نظر انداز کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے ان تصاویر میں ایرانی آرٹ سے مشابہت و مماثلت پیدا ہو گئی تھی۔

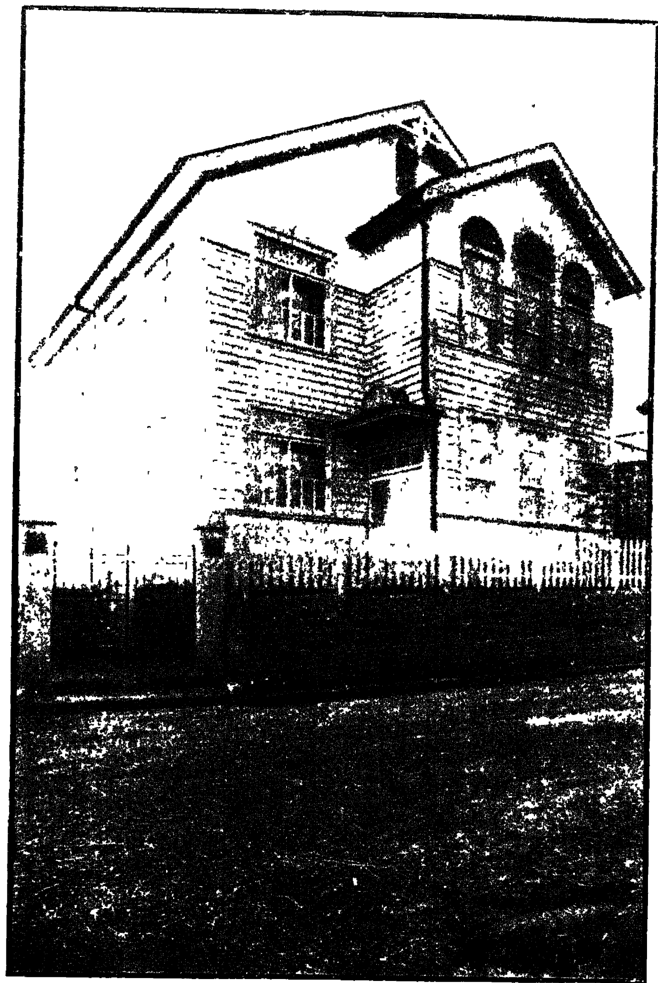
جاپان میں مغربی آرٹ یعنی روغنی تصاویر کا فن ہنوز عالم طفولیت میں ہے۔ نمائش میں اس کے بھی بہت سے نمونے دیکھ کر طبیعت بہت مکدّر ہوئی۔ مغرب کی کورانہ تقلید میں برہنہ عورتوں کی تصاویر بھی بکثرت موجود تھیں، مگر یورپ کم از کم اس پردے میں معیاری حُسن اور شاعرانہ تخیّل پیش کرتا ہے۔ جاپان اس کی جگہ کریہہ المنظر حقیقت سامنے لاتا ہے۔

ٹوکیو میں مسلمان

۹ ستمبر ۱۹۳۱ء کو بے ایک ہندوستانی مسلمان تاجر مسٹر احمد ٹوکیو آئے تھے مجھ سے بھی ملنے کے لئے مکان پر تشریف لائے۔ ان کے والد ناسک کے رہنے والے تھے اور ان کی والدہ ایک چینی خاتون تھیں۔ یہ ہانگ کانگ میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم پائی۔ ہندوستان کبھی نہیں گئے۔ بائیس سال سے جاپان میں ہیں۔ یہیں ایک جاپانی خاتون سے شادی کرلی ہے۔ اب سن لائف انشورنس کمپنی کے ایجنٹ ہیں۔ مسٹر احمد انگریزی اُردو اور جاپانی زبانوں میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ کوبے میں ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد ساٹھ اور روسی مسلمانوں کی تعداد سو سے زائد ہے۔ کوبے کے مسلمان

اب تک جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہندوستانی کلب کی عمارت میں ادا کرتے ہیں۔ مگر تقریباً دو سال سے یہ تحریک جاری ہے کہ ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ ستر ہزار ین تخمینہ ہوا ہے۔ مگر اب تک اس کام کے لئے چندہ سے تیرہ ہزار ین جمع ہوئے ہیں یہ رقم بھی اُن ہندوستانی مسلمان تاجروں نے دی ہے جو کوبے میں کاروبار کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی چندے کی تحریک کی گئی ہے مگر ہنوز کچھ وصول نہیں ہوا۔ چندہ وصول کرنے اور مسجد تعمیر کرانے کے لئے ایک انجمن قائم ہے۔ مسٹر احمد اس انجمن کے سکریٹری ہیں۔ چنانچہ احمد صاحب ٹوکیو اس غرض سے آئے تھے۔ اور ارکین سلطنت سے ملنے کے لئے ایک روسی مسلمان کا خط **قربان علی آفندی** کے نام لائے تھے، جو ٹوکیو میں روسی مسلمانوں کے امام ہیں۔ اور نہایت حکام رس اور ذی اثر آدمی ہیں۔

۱۰ ارستمبر کو مسٹر عبدالغنی مسٹر احمد اور میں قربان علی آفندی سے ملنے کے لئے گئے متوسط العمر فربہ اندام اور وجیہہ آدمی ہیں۔ بڑے تپاک و خلوص سے ملے۔ گیارہ برس سے جاپان میں مقیم ہیں۔ جاپانی زبان خوب بولتے ہیں۔ مگر انگریزی نہیں جانتے ان سے معلوم ہوا کہ ٹوکیو میں روسی مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے۔ یہ لوگ نسلاً تاتاری ہیں، مگر روسی سلطنت کے باشندے ہیں۔ حکومتِ سویٹ روس نے ان کو جلاوطن کر دیا ہے۔ جاپان میں یہ لوگ مزدوری پیشہ ہیں۔ جفاکشی اور دیانت سے روزی کماتے ہیں۔ ان سب کا قیام ایک ہی محلہ میں ہے۔ قربان علی آفندی کی مساعی جمیلہ سے ایک مسجد ایک اسلامی مدرسہ اور ایک قبرستان بن گیا ہے۔ اخراجات کے لئے آپس میں چندہ کر لیتے ہیں۔ چندہ کی رقم اِس قدر دیانت داری، اور کفایت شعاری سے خرچ ہوتی ہے کہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ پس انداز ہوتا رہتا ہے۔ اِس رقم سے ایک پریس بھی قائم کیا ہے، اور ترکی زبان میں ایک سہ ماہی رسالہ بھی نکلتا ہے۔ قربان علی صاحب سے دیر تک گفتگو رہی۔ اپنی انجمن کے حالات



ٹوکیو میں مسجد

سناتے رہے۔ بعدازاں اپنے ہمراہ لے جاکر مسجد و مدرسے کی سیر کرائی۔ یہیں ایک کمرے میں پریس ہے۔ یہاں قربان علی صاحب نے اپنے رسالہ "ژاپون مخبری" کے کئی نمبر اور اپنے پریس کے چھپے ہوئے تصویری پوسٹ کارڈوں کا ایک سٹ علیحدہ علیحدہ ہم تینوں کو عنایت فرمایا، اور اگلے دن طعام شب کے لئے مدعو کیا۔ اس کے بعد ہم ان سے رخصت ہوئے۔

اگلے دن شام کو پھر ان کے مکان پر گئے، کھانے میں بڑا تکلف کیا تھا۔ انواع واقسام کے ترکی اور جاپانی کھانے میز پر آئے۔ ترکی کھانے نہایت لذیذ تھے، اور ہندوستانی اور ایرانی کھانوں سے بہت زیادہ ملتے جلتے تھے۔ دوران گفتگو میں آفندی نے ہمیں بتایا کہ تاتاری لوگ گوشت شہد اور چائے کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہیں۔

وزیراعظم جاپان کے پرائیویٹ سکریٹری بھی شریک طعام تھے اور اُن کو خاص مصلحت سے اس وقت مدعو کیا گیا تھا۔ تعارف تو کھانے سے قبل ہو چکا تھا۔ مگر کھانے کے بعد مطلب کی گفتگو ہوئی۔ آفندی نے سکریٹری صاحب کے سامنے مسٹر احمد کے آنے کی غرض اور کوبے کی مجوزہ مسجد کی تعمیر کا ذکر کیا۔ اور یہ درخواست کی کہ ہم لوگ وزیراعظم سے اس غرض کے لئے ملنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اس کام میں کچھ امداد فرمائے، آپ ملاقات کا انتظام کر دیجئے۔ اور خود بھی وزیر صاحب موصوف سے سفارش کر دیجئے۔ انھوں نے دونوں باتوں کا وعدہ کر لیا۔

توکیو کی مسجد میں نماز جمعہ

جمعہ کے روز نماز کے لئے مسجد گیا۔ پچاس نمازی جمع ہوئے۔ ہر شخص ہیٹ کے نیچے ایک گول مخمل کی ٹوپی پہن کر آیا تھا۔ نیچے کی منزل میں اور زینے پر بہت سی کھونٹیاں دیوار پر لگی ہوئی ہیں۔ ہیٹ اُن پر ٹانگ دی، اور گول ٹوپی پہن کر اوپر کے ہال میں

جہاں نماز ہوتی ہے جمع ہوئے۔ بعض لوگوں نے نیچے کی منزل میں وضو بھی کیا۔ نماز کے بعد تمام نمازیوں سے مصافحہ ہوا، یہیں ایک جاپانی صاحب سے بھی تعارف ہوا، یہ بھی نماز میں شریک تھے۔ ایک روسی مسلمان مسٹر صابر جمیل نے مجھ کو اور جاپانی مسلمان صاحب کو جن کا نام مسٹر سبورو تھا اُسی وقت چائے نوشی کی دعوت دی۔ صابر صاحب مسجد کے قریب ہی ایک چھوٹے سے خوبصورت مکان میں رہتے ہیں، ان کی اہلیہ محترمہ عائشہ نے مہمانوں کی بڑی خاطر مدارات کی۔

ایک جاپانی فاضل نے کس طرح اسلام قبول کیا

مسٹر سبورو سے اسلام کے متعلق گفتگو ہوئی۔ میں نے دریافت کیا کہ اسلام کی کس خوبی نے آپ کو اس طرف مائل کیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ اُن سے جاپانی انسائیکلوپیڈیا میں اسلام کے متعلق آرٹیکل لکھنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ مطالعہ اور تحقیق کے بعد خود بخود اسلام کی حقانیت اُن پر روشن ہوگئی۔ اور بغیر کسی خارجی تحریک کے مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

اُنھوں نے کہا کہ اسلام میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ مگر دو خوبیوں نے خصوصاً اُن پر بڑا اثر کیا۔ اولاً توحید اور ثانیاً مذہبی رواداری۔ مسٹر سبورو ٹوکیو میں تنہا جاپانی مسلمان ہیں۔ ان کے علاوہ تمام جاپان میں معدودے چند جاپانی مسلمان ہیں۔

دنیا کی مختلف آٹھ زبانوں میں ڈرامے

ہر سال نومبر کے پہلے ہفتہ میں ہمارے مدرسے کا ہر شعبہ ایک ڈرامہ تیار کرتا ہے دو تین ہفتے پیشتر سے تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اس دفعہ ہندوستانی صیغہ نے ڈاکٹر ٹیگور کا مشہور ڈرامہ "پوسٹ آفس" کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کر لیا گیا۔ پارٹ تقسیم ہوئے، اور یاد ہونے کے بعد ریہرسل شروع ہوئی۔ لباس کچھ مستعار لیا گیا، کچھ نیا بنا۔ کچھ پرانے لباس کی وضع بدل کر اپنی غرض پوری کی سینری تیار کروائی گئی۔ کھیل کا مختصر پلاٹ انگریزی اور جاپانی میں چھپوایا گیا۔ ایک بہت بڑے ہال میں اسٹیج تیار رہوا۔ عام پبلک کے نام دعوت نامے جاری ہوئے۔

۶ر نومبر کو ۲ بجے دن کے وقت تمام ہال معزز مہمانوں سے پُر تھا۔ سب سے پہلے انگلش ڈیپارٹمنٹ نے شکسپیر کا شہرۂ آفاق تماشا کنگ لیر (سفید خون) دکھایا۔ اِس کے بعد فرانسیسی، جرمنی، ہسپانوی، روسی، ہندوستانی، چینی، اور ملایا زبانوں کے طالب علموں نے ان زبانوں میں ڈرامے دکھائے۔ ۷ر نومبر کو پھر یہی ڈرامے دوبارہ دکھائے گئے۔ اس طرح ایک وقت میں دنیا کے مختلف ممالک کا لباس، وضع قطع، طرز گفتگو، اور ملنے جلنے کے طریقے دیکھنے میں آئے۔

موسم خزاں مئی کے ساتھ موسم بہار ختم اور گرمی شروع ہو جاتی ہے۔ نصف جون سے آخر جولائی تک خوب بارش ہوتی ہے۔ اکثر ہوا بند رہتی ہے۔ ہوا میں رطوبت کی زیادتی سے دم گھٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لوگ پہاڑوں یا سمندر کے کنارے رہنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ مگر جن کی جیب اس خرچ کو برداشت نہیں کر سکتی یا جو کاروبار میں مصروفیت کے باعث مجبور ہیں

وہ شہروں کے قریب ہی دریاؤں، یا تالابوں میں نہا کر، تیر کر، یا کشتی چلا کر لطف زندگی اٹھاتے ہیں۔

ستمبر شروع ہوتے ہی گرمی کی شدت ختم ہوئی اور موسم خزاں کا آغاز ہوا۔ رفتہ رفتہ درختوں کے پتے جھڑنے لگے۔ میپل ایک درخت ہوتا ہے۔ اس کے پتے نیم کی طرح کٹاؤ دار ہوتے ہیں، مگران کی شکل پنجے کی طرح ہوتی ہے، اکتوبر کے مہینے میں اس کے پتے جھڑنے سے قبل گہرے سُرخ رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ جن پہاڑی علاقوں میں اس کے ہزاروں درخت یکجا پائے جاتے ہیں، وہاں خزاں کے موسم میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ لگی ہے۔ اِس منظر کو دیکھنے کے لئے ہزاروں آدمی ان مقامات پر جاتے ہیں۔

جس طرح موسم بہار کا پھول چیری ہے، اسی طرح خزاں کا پھول گل داؤدی ہے، جاپان نے اس پھول کی پیداوار میں سحر انگیز ترقی کی ہے۔ ویئو اور ہیبیا پارک میں ہر سال اس پھول کی نمائش ہوتی ہے، اور ہزاروں قسم کے گل داؤدی ان میں دکھائے جاتے ہیں۔ ایک قسم دوسری قسم سے اس قدر مختلف شکل رکھتی ہے کہ اگر پتے نوچ دئے جائیں تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سب گل داؤدی ہیں۔ بعض چنبیلی کے پھول کے برابر ہوتے ہیں، اور بعض اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں میں ایک پھول سما نہیں سکتا۔ بعض کی شکل بالکل گیند جیسی ہوتی ہے۔ بعض جاپانی عورتوں کے سر کے بالوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ بعض تاجدار ہوتے ہیں۔ بعض میں گیندے جیسی پنکھڑیاں ہوتی ہیں۔ بعض روپیہ کے برابر بالکل چپٹے ہوتے ہیں۔ اور ان میں آٹھ باریک یا سولہ گول گول پنکھڑیاں جھاڑو کی سینکوں کی طرح ہوتی ہیں۔ رنگ بھی ہر قسم کا پایا جاتا ہے کوئی گہرا سُرخ ہے، کوئی سفید۔ کوئی گلابی، کوئی زرد۔ کوئی سنہرا، کوئی کاسنی نیلا یا اودا ہے غرض اس قدر اقسام اس پھول کی یہاں پائی جاتی ہیں کہ اُن کا حصر ممکن نہیں۔

اس پھول کی کاشت بذات خود ایک فنّ لطیف سمجھا جاتا ہے، اور اس کے

ماہرین بڑی عزّت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔

سولہ پنکھڑیوں والا سنہرا گل داؤدی شاہنشاہ کا خاندانی نشان ہے، اس لئے سکّوں پر اور شاہی فرمانوں پر یہ پھول بنا ہوا نظر آتا ہے۔

اپریل میں جس طرح چیری کا پھول دیکھنے کے لئے شاہی دعوت ہوتی ہے۔ اسی طرح خزاں میں گل داؤدی کی سیر کے لئے ۲۶ ر نومبر کو پھر شنجوکو کے باغ میں شاہنشاہ کی طرف سے تمام اُمراء وزراء سفیروں اور اعلےٰ عہدہ داروں کو دعوت دیجاتی ہے۔ اِس تقریب پر بھی بالکل اسی قسم کے مراسم ادا ہوتے ہیں۔ جیسے موسم بہار کی دعوت میں۔

خزاں کے موسم میں ایک قسم کا مخصوص جاپانی پھل پکتا ہے، جس کو کاکی کہتے ہیں، اس کی شکل سیب جیسی ہوتی ہے، مگر رنگ و بو اور مزہ کچھ آم سے ملتا ہے۔

بیماری اور علاج

میں گذشتہ جولائی سے امراض معدہ میں مبتلا تھا۔ علاج ہوتا رہا مگر کسی طرح ازالۂ امراض نہ ہوا۔ اکتوبر میں مرض نے زیادہ شدّت کی صورت اختیار کی۔ بہترین ڈاکٹروں سے مشورہ کیا گیا، اور سب نے بالاتفاق "اپنڈلیسائیٹس" تجویز کیا۔ کچھ عرصے تک دواؤں سے اس مرض کا علاج جاری رہا۔ مگر جب افاقہ نہ ہوا تو آپریشن کرانے کا قصد کیا۔ ۲۰ ر دسمبر کو اسی غرض سے توکیو ہسپتال میں داخل ہوا۔ توکیو ہسپتال ایک میڈیکل یونیورسٹی کے ماتحت ہے۔ اس یونیورسٹی اور ہسپتال کے بانی اور ڈائرکٹر ڈاکٹر بیرن ناگا کی ہیں۔ ان کی طبّی تعلیم انگلستان میں ہوئی تھی۔ سرجری میں ان کے کمال کو حکومت نے قدردانی کی نظر سے دیکھا، اور بیرن کا خطاب عطا کیا۔

بیرن تاگاکی میرے ایک انگریز دوست مسٹر میڈلی کے پرانے دوست ہیں مسٹر میڈلی نے میرا تعارف اِن سے کروایا۔ انھوں نے میرے اوپر خاص توجہ اور عنایت فرمائی۔ ۱۲ر دسمبر کو خود اپنے ہاتھ سے آپریشن کیا۔ آپریشن بغیر کلوروفارم سنگھائے، اور بغیر تکلیف کے ہوا۔ آنکھوں پر پٹی باندھکر آپریشن روم میں لے گئے تھے۔ اس لئے آپریشن کے وقت میں کچھ دیکھ نہ سکتا تھا۔ لیکن چونکہ بیہوش نہیں کیا گیا تھا، اس لئے ڈاکٹروں کی گفتگو اور آلات کی کھٹ پٹ سنتا رہا، اور یہ محسوس کرتا رہا کہ پیٹ پر نشتر بلا تکلیف چل رہا ہے۔ گیارہ بجے دن کو شروع ہوکر پندرہ منٹ میں آپریشن ختم ہوگیا اور مجھے میرے کمرے میں لے آئے۔ آنکھوں پر سے پٹی کھولی تو جو احباب موجود تھے اُن سے کچھ دیر اچھی طرح گفتگو کرتا رہا۔ پھر انجکشن کرکے مجھے سُلا دیا۔ اگلے دن صبح آٹھ بجے آنکھ کھُلی۔ آپریشن نہایت کامیاب رہا اور بغیر کسی تکلیف کے پانچ انچ لمبا شگاف بہت جلد مندمل ہوگیا۔ اس زمانے میں دوست واحباب نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور حتی الوسع غریب الوطنی کا احساس نہ ہونے دیا۔

ہسپتال میں ہر قسم کا آرام مہیا تھا۔ دو نرسیں شب و روز خدمت کرتی تھیں اور ایک لمحہ کے لئے مجھے تنہا نہ چھوڑتی تھیں۔ چونکہ یہ نرسیں جاپانی زبان کے سواء کوئی دوسری زبان نہ جانتی تھیں اور میری تمام ضروریات ان کی امداد کی محتاج تھیں اس لئے اس زمانے میں جاپانی زبان کی مشق کرنے کا خوب موقعہ ملا۔ جس قدر توجہ مہربانی اور ہمدردی کے ساتھ ان نرسوں نے میری خدمت کی اُس کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ باوجود اس قدر آرام دینے کے وہ اپنی مقررہ فیس (تین ین یومیہ فی نرس) کے علاوہ کبھی کسی تحفے یا نذرانے کی طالب نہیں ہوئیں۔

میں صرف دو ہفتے ہسپتال میں مقیم رہا۔ نوروز بھی مجھ کو ہسپتال ہی میں گذرا۔ نرسوں نے مجھے بتایا کہ جاپانی لوگ نوروز کو گھر میں جھاڑو نہیں دیتے۔ ۳۱ر دسمبر کی

شب کو گھر خوب جھاڑ پونچھ کر صاف کر لیتے ہیں۔ اور آراستہ کر دیتے ہیں۔ نوروز کی تقریب میں دوست و احباب نے مجھے ہسپتال ہی میں بہت سے تحفے بھیجے۔ میں نے کچھ تحفے اُن نرسوں کو دلوا دئے۔ مگر انھوں نے بھی میری بچّی کو تحفے اور کھلونے دئے۔

۶ر جنوری کو گھر واپس آیا۔ جنوری و فروری بڑی بے لطفی کے ساتھ گذرے۔ نقاہت کے باعث گھر سے نکلنا دشوار تھا۔ لیکن چونکہ مارچ میں ہندوستان واپس جانے کا ارادہ ہو چکا تھا، اس لئے جس طرح ہو سکا تحقیقات کا کام حتی الامکان مکمل کیا۔ اس تحقیقات کے نتائج انشاءاللہ دوسرے حصّے میں پیش کئے جائیں گے۔

کماکورا

۱۲ر فروری ۳۲ء صبح ساڑھے دس بجے ٹوکیو اسٹیشن سے روانہ ہوئے اور یوکو ہاما ہوتے ہوئے ساڑھے گیارہ بجے کماکورا اسٹیشن پہنچ گئے۔ دن نہایت عمدہ اور موسم خوشگوار تھا۔ کماکورہ چونکہ سمندر کے کنارے واقع ہے اس لئے یہاں کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ موسم سرما میں سردی کم ہوتی ہے اور گرمی میں تو بڑی بہار رہتی ہے۔ ہزاروں آدمی ٹوکیو اور اطراف و جوانب سے آتے رہتے ہیں۔ یہاں کی آبادی دوگنی و تگنی ہو جاتی ہے۔ مکانات کے کرائے اور چیزوں کی قیمت بھی اس زمانے میں کئی گنی بڑھ جاتی ہے۔ جو لوگ مستقل طور سے سمندر کے کنارے والے بنگلوں میں کرائے پر رہتے ہیں، مکان دار اُن سے یہ شرط کرواتا ہے کہ یا تو گرمی میں زیادہ کرایہ دیں ورنہ اس موسم میں مکان خالی کر دیں۔

جاپانی سرائیں بکثرت ہیں۔ جو صاف ستھری اور آرام دہ ہونے کے باوجود نسبتاً ارزاں ہیں "کاہین" ہوٹل مغربی وضع کا نہایت وسیع اور شاندار ہوٹل سمندر کے کنارے واقع ہے۔ کم از کم کرایہ دس ین روزانہ فی کمرہ ہے۔

کماکورہ اسٹیشن کے باہر کافی تعداد میں رکشا۔ ٹیکسی۔ موٹر بس، اور ٹریم موجود رہتی ہیں۔

اسٹیشن سے باہر نکل کر جو سڑک بائیں جانب جاتی ہے اس کے دونوں طرف بازار ہے، سڑک کے وسط میں پیدل چلنے والوں کے لئے پٹڑی ہے۔ پانچ منٹ چلنے کے بعد پٹڑی پر ایک دروازہ ملتا ہے اس سے گذر کر دونوں طرف چیری کے درختوں کی قطار دور تک چلی گئی ہے جس کے اختتام پر پھر دوسری جاپانی وضع کے محراب ہے۔ یہ ایک قدیم مندر کا بیرونی دروازہ ہے۔ اندر داخل ہو کر ایک باغ سے گذرتے ہوئے اُس مقام پر آئے جہاں برابر برابر تین پُل بنے ہوئے ہیں۔ اِدھر اُدھر کے پُل بالکل ہموار اور معمولی قسم کے ہیں۔ مگر بیچ کا سنگین پل نہایت عجیب شکل کا ہے قوس قزح کی طرح یہ نصف قطر کی شکل میں بنا ہوا ہے۔ پتھر چکنے اور پھسلواں ہیں۔ اس لئے اس پر چڑھنا اُترنا نہایت دشوار ہے۔ شاید اِس دشواری ہی کی وجہ سے ہر شخص جو یہاں آتا ہے بشوق اس پر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔

اِس پُل سے گذر کر سڑک کے دونوں جانب دو عمارتیں نظر آتی ہیں۔ ان کی چھتوں پر نہایت خوبصورت گلکاری ہے۔ سنہری زمین پر سیاہ رنگ کے نہایت نازک بیل بوٹے بنائے ہیں۔ دونوں عمارتوں کے بیچ میں ایک سنگین زینہ ہے۔ پینسٹھ سیڑھیاں چڑھ کر اصل مندر کی عمارت تک پہنچتے ہیں۔ یہ چینی وضع کی لکڑی سے بنی ہوئی نہایت وسیع اور شاندار عمارت ہے۔ مندر کے سامنے دو بہت بڑے بڑے بت رکھے ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور جنرل اور قائد اعظم **مینا موتو یوری تومو** کا ہے۔ اسی کے نام پر یہ مندر معنون ہے۔ بارہویں صدی میں اس جنرل نے کماکورہ کو اپنا صدر مقام بنا کر ایک نہایت خوبصورت شہر آباد کیا۔ جو بعد کی طوائف الملوکی اور خانہ جنگیوں میں بالکل مسمار و تباہ ہو گیا۔ اب اس شاندار تاریخی شہر کے مٹے ہوئے نشانات اور کھنڈر سمندر کے کنارے کنارے دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس مندر کی سیر کرنے کے بعد پھر اسٹیشن پر واپس آئے۔ اسٹیشن کے بالکل سامنے

ریسٹورینٹ ہے۔ اس میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ اور ٹریم میں سوار ہو کر مہاتما بدھ کا برنجی بت دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے۔

دس منٹ بعد ٹریم سے اُترے اور کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک دروازے کے سامنے پہنچے۔ دروازے کے دونوں طرف دو نہایت مہیب بت رکھے ہوئے ہیں۔ اور دروازے پر انگریزی زبان میں یہ نوٹس لگا ہوا ہے۔ "اے وہ شخص جو اس دروازے میں داخل ہونے والا ہے۔ خواہ تو کسی ملک کا باشندہ ہو کسی نسل و قوم و مذہب سے تیرا تعلق ہو، اس مقدّس مقام میں قدم رکھنے سے قبل اپنے دل کو بُرے خیالات سے پاک کرلے اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ قدم بڑھا۔ کیونکہ یہ وہ مقام پاک ہے جس کی پرستش ایک ہزار سال سے جاری ہے"۔

مہاتما بُدھ کا برنجی بُت

اِس دروازے سے گذر کر ایک سیدھی سڑک پر تقریباً سو گز چل کر ایک کشادہ میدان کے وسط میں ایک مرتفع چبوترے پر مہاتما بدھ کا شہرہ آفاق برنجی بت نصب ہے۔ اس میں مہاتما بدھ کو بحالت مراقبہ بیٹھے ہوئے دکھایا ہے۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے ہوئے ہیں آنکھیں بند ہیں۔ متین و پُر سکون و باوقار چہرے سے ایک ایسے دل کا پتہ چلتا ہے جو جذبات و خواہشات سے پاک ہے۔ اس مجسمہ میں ایک عجیب سحر انگیز جاذبیت ہے بت اندر سے کھوکھلا ہے۔ دو پیسے دے کر اندر جا سکتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی کھڑکی سے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اور ایک آہنی زینے سے چڑھ کر وسطِ جوف تک پہنچ سکتے ہیں۔ سر میں ایک گز لمبی ایک طلائی مورت نصب ہے، اور دوسری سنگین مورت پیٹ میں ایک طاق پر رکھی ہوئی ہے۔ اس بڑے بت کے باہر ایک بورڈ پر مندرجہ ذیل معلومات درج ہے:۔

بلندی ———— ۱۲،۸۹ میٹر

چوڑائی گھٹنے سے گھٹنے تک ——— ۹ ، ۸۵ میٹر

موٹائی ——— ۸ ، ۳۹ میٹر

سر ——— ۳ ، ۹۷ میٹر

چہرے کی لمبائی ——— ۲ ، ۳۵ میٹر

چہرے کی چوڑائی ——— ۲ ، ۳۴ میٹر

کل وزن ——— ایک لاکھ کیلو گرام

اکثر لوگ بت کے سامنے کھڑے ہوکر تصویر کھچواتے ہیں، اور ایک لائسنسدار فوٹوگرافر یہاں ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ایک اسٹال پر، اس بڑے بت کے چھوٹے چھوٹے سیاہ ماڈل فروخت ہوتے ہیں۔

یہاں کی سیر سے فارغ ہوکر ہم واپس ٹریم تک گئے۔ اور نصف گھنٹے تک سمندر کے کنارے کنارے سفر کرکے جزیرۂ اینوشیما کے سامنے جا اُترے۔

جزیرہ اینوشیما

آج کل سمندر کا ساحل بالکل خاموش اور سنسان پڑا ہوا ہے حالانکہ موسم گرما میں اس مقام پر عجیب چہل پہل اور رونق ہوتی ہے۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے ہزاروں مرد و عورتیں خوشنما رنگین تیرنے کا لباس پہنے ہوئے سمندر میں نہانے تیرنے اور ریت میں لیٹے ہوئے دھوپ کا لطف اٹھانے اور دیگر خوش فعلیاں کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔

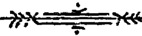
موسم گرما میں جزیرۂ اینوشیما سیر و تفریح کرنے والوں سے پُر رہتا ہے۔ آج بھی کافی لوگ اس کی سیر کے لئے آرہے ہیں۔

ساحل جاپان اور اینوشیما کے درمیان ایک میل لمبی آبنائے حائل ہے۔ اس پر نہایت قدیم زمانے سے ایک لکڑی کا پل بنا ہوا ہے۔ روزانہ اس کی مرمت ہوتی رہتی ہے، جس کے اخراجات کے لیے ہر گذرنے والے سے دو پیسے ٹیکس

وصول کیا جاتا ہے۔

پُل سے گذر کر جزیرے کے اس سرے پر بکثرت دکانیں، ریسٹورینٹ اور جاپانی سرائیں بنی ہوئی ہیں۔ ان دُکانوں میں ایسی چیزیں بکتی ہیں جو سیاح شوقیہ خریدتے ہیں۔ مثلاً گھونگے اور سیپ کی بنی ہوئی آرائشی چیزیں۔ کھلونے۔ تصاویر مورتیں وغیرہ۔

یہ جزیرہ پہاڑی ہے۔ کافی بلند ہونے کی وجہ سے دور دور تک کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ چوٹی پر جانے کے لئے راستے بہت اونچے نیچے ہیں۔ دوست ہمراہ ہوں تو واقعی سیر کرنے اور قدرت کی دلفریب مناظر سے لطف اُٹھانے کے لئے یہ جگہ بہت خوب ہے۔



"نِکّو اور جھیل چوزنجی"

۱۵ر فروری ۱۹۳۲ء صبح ساڑھے پانچ بجے موٹر کار میں اپنے مکان سے نِکّو روانہ ہوئے، یہ مقام توکیو سے تقریباً ۹۰ میل کے فاصلہ پر جانب شمال پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ اور جاپان کے مشہور ترین مقامات میں خیال کیا جاتا ہے، سترہویں صدی میں توکوگاوا خاندانِ قائدین کے بانی ای آے یاسُو نے اِس اِس پُر فضا مقام کو اپنے دربار کے لئے موسم گرما کا تفرج گاہ قرار دے کر یہاں عالیشان عمارتیں تعمیر کیں۔ جن کا ثانی جاپان میں نہیں ہے۔ ہر سال ہزاروں سیّاح اور عالم نورد اس مقام کی سیر کے لئے آتے ہیں۔ اس جگہ کے دیکھنے کا لطف موسم گرما و خزاں میں ہے باوجود انتہائی کوشش کے میں اس موسم میں نہ جا سکا۔ اور اب چونکہ میں نے جاپان کو الوداع کہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس لئے اسی موقعہ کو غنیمت جان کر نکّو دیکھنے کا قصد کر ہی لیا۔

علاوہ ڈرائیور کے ہم چار ساتھی تھے۔ میں۔ میری اہلیہ۔ میرے ایک دوست اور اُن کی دوست ایک جاپانی خاتون (مغربی لباس میں) اگرچہ راستے میں ہر جگہ کھانا مل سکتا تھا۔ لیکن اب تک ہم جاپانی لذائذ ہضم کرنے اور اُن کو برغبت کھانے کے عادی نہیں ہو سکے ہیں۔

ہمارے دوست اور جاپانی خاتون بھی ہندوستانی چٹپٹے کھانوں کی شوقین ہیں۔ اِن دونوں کی درخواست پر اپنا کھانا اپنے ہمراہ موٹر کار میں رکھ لیا۔

توکیو سے نِکّو جانے کے لئے کئی راستے ہیں، یا تو موٹر کار سے جائیں اور پورے ایک دن کا کرایہ طے کر لیں۔ عموماً بیس اور تیس ین کے درمیان کرایہ ہوتا ہے۔ کم از کم

دو ین بخشش اور دو پہر کا کھانا ڈرائیور کو مزید براں دینا پڑتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے توکیو سنٹرل اسٹیشن یا یوکوہاما سے توکیو کے مشہور اسٹیشن وینّو (ueno) تک بجلی کی ریل میں جائیں جو دن و رات ہر پانچ منٹ کے بعد روانہ ہوتی رہتی ہیں۔ وینّو اسٹیشن سے ریل سیدھی نکّو جاتی ہے۔ کرایہ فی کس وینو سے نکّو تک ڈیڑھ ین تیرہ سین ہے۔ نکّو اسٹیشن سے باہر نکل کر ٹریم ملتی ہے۔ جو تاریخی مقامات تک جاتی ہے۔ بذریعہ ریل وینّو سے نکّو تک تقریباً ساڑھے تین گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ صبح جاکر شام کو واپس آجاتے ہیں۔ بعض دوپہر کو جاتے ہیں رات کو وہاں قیام کرتے ہیں اور صبح واپس آتے ہیں۔ جو لوگ مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں ان کو جاپان ٹورسٹ بیورو سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ جس کا دفتر توکیو اور یوکوہاما اسٹیشن میں موجود ہے۔ یہ لوگ بلا معاوضہ ہر قسم کی معلومات بہم پہونچاتے ہیں ریل کا کرایہ لے کر ٹکٹ بھی دیتے ہیں۔ اور اگر گائڈ (رہبر) کی ضرورت ہو تو مناسب کرایہ پر گائڈ کا انتظام کر دیتے ہیں۔ ناواقف آدمی کو اگر موٹر کار سے جانا ہو تو بھی ان کے ذریعہ سے کرایہ طے کرنا بہتر ہوگا۔

اپنے مکان سے ساڑھے پانچ بجے صبح روانہ ہوئے، اور چھ بجے توکیو شہر میں داخل ہوئے۔ اُس وقت سڑکیں سنسان پڑی تھیں، دکانیں بند تھیں، چوراہوں سے پولیس مین غائب تھے۔ غرض عجیب سنسان منظر تھا۔ بجلی کی خیرہ کن روشنی سے دن نکلا ہوا تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا، گویا جادو کے اثر سے شہر کی آبادی یکایک بالکل غائب ہوگئی ہے۔ یہ گمان ان لوگوں کے دلوں پر بالخصوص تحیّر انگیز اثر پیدا کر سکتا تھا، جنھوں نے رات کے وقت دو تین بجے تک توکیو کی شاہراہوں کو دیکھا ہو، کیونکہ رات کے وقت توکیو دن سے کہیں زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔ اس کی سڑکوں پر کئی گنی زیادہ چہل پہل اور آمد و رفت تمام شب رہتی ہے۔ صرف صبح کے دو تین گھنٹے

خاموشی کا وہ عالم طاری رہتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

تقریبًا ایک گھنٹے تک ٹوکیو کی سنسان سڑکوں پر تیزی کے ساتھ گذرتے رہے سورج نکلنے کا وقت ہو چکا مگر سورج نہیں نکلا کیونکہ ہماری دعاؤں کے برخلاف سفید گھنگور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ جو اس ملک میں بالخصوص افسردگی و گرفتگی دل کا باعث ہوتی ہے۔

ٹوکیو اور ملحقہ آبادیوں سے گذرتے ہی منظر یکایک تبدیل ہو گیا۔ پتلی خراب قسم کی سڑک بل کھاتی ہوئی ایک میدان سے گذر رہی تھی جس میں چھوٹی چھوٹی دھان کی کیاریاں کوسوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مگر وادی گنگا سے یہ منظر کس قدر مختلف تھا نہ کھیتوں کی وہ وضع ہے نہ اونچی اونچی مینڈیں ہیں۔ نہ بلند و پختہ کنوئیں ہیں جن پر چرس یا رہٹ چل رہا ہو، اور کنواں چلانے والے ایک مخصوص راگ گا رہے ہوں نہ خوبصورت محنتی بیل کہیں ہل چلا رہے ہیں جن کی گھنٹیوں کے بجنے سے عجیب دلنواز نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ آہ وادی گنگا!

آموں کے باغات کی جگہ یہاں کہیں کہیں بانسی کا جھنڈ نظر آتا ہے یا صنوبر کے درخت۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جاپان میں شہتوت کے درخت نہیں بلکہ کھیت ہوتے ہیں۔

جب پہلی بار میرے دوست نے ایسے کھیتوں کی طرف اشارہ کر کے مجھے بتایا کہ یہ شہتوت کے کھیت ہیں، تو میں اس کو اسی قسم کا مذاق سمجھا، جیسے ہندوستان میں آٹے یا شکر کا کھیت دکھایا کرتے ہیں۔ مگر اس سفر سے واپسی کے بعد میں نے مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ہے، یہاں کے لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہوتی ہے کہ شہتوت کا بھی درخت ہوتا ہے۔ یہاں شہتوت کا کھیت تقریبًا اسی قسم کا ہوتا ہے جیسے ارہر کا کھیت۔ جاڑوں میں پتیاں سب گر جاتی ہیں۔ موسم بہار میں پھر نکلتی ہیں۔

اور ان پر ریشم کے کیڑے پرورش پاتے ہیں۔ اگرچہ پھل ہوتا ہے مگر بہت چھوٹا اور کھایا نہیں جاتا (جس طرح انار یہاں ہوتا ہے مگر نہایت خراب قسم کا جس کو کوئی نہیں کھاتا)

راستے میں چھوٹے بڑے قصبات اور قریئے بھی پڑے جو آج کل قدیم جاپان کی یادگار ہیں۔ بالعموم سڑک کے کنارے دونوں طرف یک منزلہ مکانوں یا دکانوں کی ایک قطار چلی جاتی ہے۔ مکانات عموماً لکڑی یا مٹی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں جن کی چھتیں کھپریل کی یا چھپر کی ہوتی ہیں۔ بعض بڑے قصبوں میں دو چار اچھی عمارتیں بھی نظر آتی ہیں۔ عہد جدید کی دو چیزیں چھوٹے سے چھوٹے قصبے میں بھی موجود ہیں۔ یعنی بجلی اور موٹر لاری اور بس، اس لئے ہر جگہ پٹرول بیچنے کی دوکانیں بھی ہیں۔ بائیسکل جاپان میں نہایت ذلیل سواری خیال کی جاتی ہے، اور مزدور پیشہ لوگ ہی اسے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اِن اطراف میں یہ خصوصیت کے ساتھ دیکھا گیا کہ عورتیں بکثرت اس سواری کا استعمال کرتی ہیں۔

دیہاتوں کی معاشرت بھی شہروں سے بالکل مختلف اور نہایت سادہ ہے۔ اگرچہ لباس کی وضع قطع میں تو کوئی بڑا فرق نہیں معلوم ہوتا۔ مگر یہاں نہ تو شہر کی سی لطافت اور نزاکت ہی ہے، اور نہ صفائی۔ جس پر جاپانی قوم کو ازحد ناز ہے۔

دیہات کی عورتیں چونکہ اپنے اصلی رنگت میں نظر آتی ہیں اس لئے اپنی شہری بہنوں سے بالکل مختلف معلوم ہوتی ہیں۔ جن کی گوری اور دلفریب رنگت یورپ کے ایجاد کردہ اور جاپان کے نقل کردہ غازوں کی رہین منت ہے۔

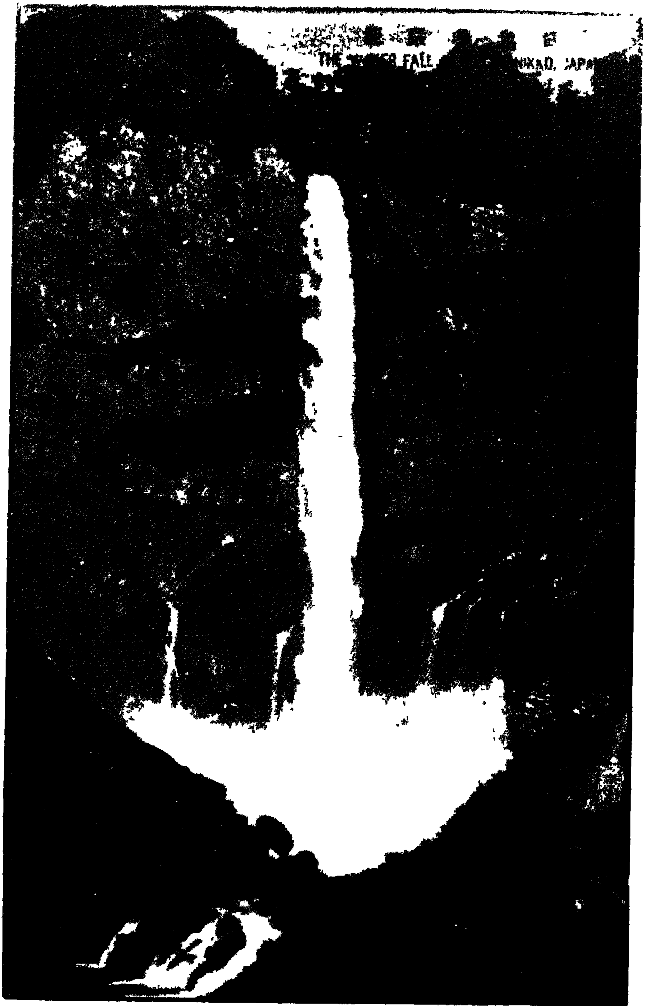
ہم لوگ کبھی دلچسپ گفتگو یا ہنسی مذاق سے دل بہلاتے۔ کبھی منظر کو دیکھتے اور کبھی اپنے خیالات میں مستغرق ہو جاتے، تین گھنٹے اسی طرح گذر گئے۔ ڈرائیور نے بارہا کار روک کر راستہ دریافت کیا، بالآخر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جس کے چاروں طرف

اونچے اونچے پہاڑ کھڑے تھے۔ قریب ہی چونے کی چٹانیں تھیں، جن میں سے پتھر کھود کر متعدد کارخانوں میں چونہ پھونکا جا رہا تھا۔ اور آگے بڑھے بالآخر معلوم ہوا کہ اب آگے نہیں جا سکتے۔ ہم اصلی راستے سے بیس پچیس میل دور چلے آئے تھے۔ گاؤں کے بچے موٹر کے گرد جمع ہو کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غیر ملکیوں کو، اور موٹر کو دیکھنے لگے۔ بچوں کے کپڑے اور جسم حد سے زیادہ غلیظ تھے، اور سب کی ناکیں بہتے بہتے اوپر کے ہونٹوں میں زخم پڑ گئے تھے۔ حالانکہ ان میں گیارہ بارہ برس تک کے بچے موجود تھے۔

موٹر واپس لوٹایا گیا۔ اور دو ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اصلی راستے پر آئے۔

نکو سے چند میل ادھر راستہ پہاڑی ہو جاتا ہے، اور سڑک کے دونوں طرف کرپٹو میریا کے دیو قامت درخت نہایت قریب قریب کھڑے ہوئے ہیں جن سے راستہ نہایت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

ٹھیک بارہ بجے موٹر نکو کی تاریخی عمارتوں کے سامنے رکی۔ یہ عمارتیں کسی قدر بلندی پر واقع ہیں۔ اِن کے نیچے ایک نہایت تیز پہاڑی ندی ہے، جو ایک آبشار سے نکلتی ہے۔ اور غل وشور مچاتی ہوئی بہتی ہے۔ اس کی چوڑائی اندازاً سو گز ہوگی۔ پانی نہایت شفاف ہے جس کے نیچے سنگلاخ چٹانیں صاف نظر آتی ہیں۔ پانی اس قدر تیزی سے بہتا ہے کہ اس میں جا بجا جھاگ سے اُٹھ رہے ہیں۔ اور بڑی زور کی گونجنے والی آواز پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ نکو کی آبادی اور تاریخی عمارات کے درمیان یہ ندی واقع ہے۔ اس پر آمد و رفت کے لئے ایک پُرانا پل بندھا ہوا ہے مگر اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک اور پُل ہے جو لاکھہ کا پُل کہلاتا ہے۔ یہ ہر وقت بند رہتا ہے۔ اور صرف خاص موقعوں پر کھلتا ہے۔ قدیم زمانے میں صرف شوگن کی سواری اس پر سے گذرتی تھی۔ اب بھی شہنشاہ کی سواری اس پر



چوزنجی میں کیگوں کی آبشار جو آٹھہ ہزار فٹ کی بلندی سے گرتی ہے

سے گذرتی ہی۔ یہ پُل لکڑی کا ہے۔جس پر لاکھ کا سُرخ پالش نہایت صفائی سے کیا گیا ہی مگر کھلی جگہ میں ہونے کی وجہ سے اِس میں چمک باقی نہیں رہی۔ یہ پُل بھی قابل دید عمارتوں میں سے خیال کیا جاتا ہے۔

اگرچہ عمارات کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر صرف خاص خاص کا ذکر کیا جائے گا۔ عمارات تمام لکڑی کی ہیں، جن پر سُرخ رنگ کے لاکھ کا پالش ہے اور جا بجا یا تو رنگ سے گلکاری کی ہے یا پیتل کا پترا چڑھا کر یا لکڑی کھود کر، اس طرح صرف پھول بوٹے ہی نہیں بت اور جانوروں کی تصاویر اور مورتیں بھی بنائی گئی ہیں۔ سب سے بڑی اور خوبصورت عمارت ای اے یاسُو شوگن کا مقبرہ ہے۔ایک چوڑی سڑک سے گذر کر اونچی اونچی ۴۵ سنگین سیڑھیاں چڑھتے ہیں۔ اور ایک پتھر کے دروازے سے گذر کر ایک مربع صحن میں آتے ہیں جن میں پتھروں کا فرش ہے۔ پتھروں کی شکلیں بھی غیر منظم ہیں، اور ان کے درمیان ایک انچ چوڑی گہری جھری ہے جس کو سیمنٹ یا کسی مسالے وغیرہ سے بند نہیں کیا، بلکہ ویسے ہی چھوڑ دیا ہے۔ پتھر بھورے رنگ کے ہیں۔

اس صحن کے ایک طرف ایک پانچ منزلہ پگوڈہ یا مینار نما مندر ہے، جو باوجود زلزلوں کے تین سو برس سے اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس صحن سے گذر کر ایک اور دروازہ آتا ہے جس کے دونوں طرف دو مہیب شکلوں کے بت رکھے ہوئے ہیں۔ اب ایک اور صحن آتا ہے جس میں کئی عمارتیں ہیں۔ ان ہی میں سے ایک شاہی اصطبل ہے، جو اس قدر چھوٹا ہے کہ اس میں بمشکل ایک گھوڑا سما سکتا ہے۔ باہر بندروں، لنگوروں کی مورتیں ہیں۔

سامنے ایک اور دروازہ ہے، اس دروازے کے دونوں طرف دو مورتیں ہیں۔ جو خود توکوگاوا شوگنوں کی ہیں۔ ان سے اس قدیم زمانے کا جاپانی درباری

لباس معلوم ہوتا ہے۔ اس دروازے سے گذر کر ایک چھوٹے صحن میں آتے ہیں جس کے چاروں طرف برآمدہ بنا ہوا ہے، اور برآمدہ کی دیوار پر نہایت خوشنما بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ سامنے ای اے یاسو شوگن کا مقبرہ ہے اس کے اندر اور باہر عمدہ کاریگری اور صناعی دکھائی گئی ہے۔

شوگن کے مقبرہ کے علاوہ اس احاطہ میں بدھ مت کے بڑے بڑے مندر بھی بنے ہوئے ہیں، جو چینی صناعوں کی کاریگری کا نمونہ ہیں، مگر جن میں ایرانی اور ہندوستانی آرٹ کا بھی نقّاد پتہ چلاتے ہیں۔

ایک مندر میں بالکل علیحدہ چاروں طرف سے کھلی ہوئی عمارت کے اندر دیو پیکر نقّارہ دیکھا، جو چھت سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کے بجانے کا بھی عجیب طریقہ تھا۔ اس نقّارے کے سامنے ایک شہتیر بھی چھت سے اس طرح لٹکا ہوا ہے کہ شہتیر کا ایک سرا نقّارے کے منہ سے چھوتا ہے، شہتیر سے ایک رسّی اور لٹک رہی ہے، ایک پجاری یہاں تعینات رہتا ہے جو بار بار اس رسّی کو پکڑ کر پوری طاقت سے جھول جاتا ہے۔ شہتیر کھینچ کر نقّارے سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ پھر پجاری رسی کو ڈھیل دیتا ہے، شہتیر نہایت زور سے نقّارے پر لگتا ہے اور آواز پیدا ہوتی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ شہتیر کے منہ پر جو کھال چڑھی ہوئی ہے وہ کس جانور کی ہوگی اور کس قدر مضبوط ہوگی کہ اس زبردست ضرب کو برداشت کرتی رہتی ہے۔ ہم اِن عمارات کو دیکھ کر موٹر پر واپس آئے۔

جھیل چوزنجی

ہمارا یہاں سے اور اوپر جانے کا قصد تھا۔ جہاں قدیم آتش فشانی دہانے میں چھ میل لمبی جھیل چوزنجی ہے جس میں سے آبشار کا گون گرتی ہے۔ یہ مقام جاپان کا شملہ ہے۔ موسم گرما میں تمام غیر ملکی سفراء اس مقام پر چلے جاتے ہیں۔ شاہنشاہ کے لئے بھی ایک محل بنا ہوا ہے

اگرچہ سرما میں شاذ و نادر کوئی اس برفانی مقام پر جاتا ہے۔ لیکن اس کی دلفریبی بچشم خود دیکھنے کا شوق مجھے اوپر کھینچ ہی لے گیا۔ جھیل جو زمین کی سطح سے تقریباً چار ہزار فٹ بلند ہے۔ مگر چکر دے دے کر چوڑی سڑک اوپر لے گئے ہیں۔ پھر بھی چڑھائی کافی صبر آزما اور راستہ نہایت خطرناک ہے۔ انتظام یہ کیا ہے کہ جہاں سے راستہ زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے، وہاں سے اوپر اور نیچے محافظ مقرر ہیں۔ دو گھنٹہ تک موٹریں صرف اوپر جاتی ہیں۔ اور دو گھنٹے صرف نیچے اُترتی ہیں۔ چنانچہ ڈیڑھ بجے ہماری موٹر اوپر روانہ ہوئی۔ برفباری شروع ہو گئی تھی۔ چاروں طرف سربفلک کشیدہ پہاڑ کھڑے تھے، یا عمیق غار منہ کھولے ہوئے تھے۔ تمام کوہستان پانی کے گرنے کی آواز سے گونجتا تھا۔ برف سے پشتِ کوہ سفید ہو گئی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹے میں موٹر اوپر پہنچ گئی۔ اب برف زمین پر چند ساٹھ انچ اونچا پڑ چکا تھا۔ موٹر ڈرائیور نے ہمیں جھیل کے پاس اُتار دیا اور یہ کہہ دیا کہ موٹر میں بیٹھ کر نیچے اُترنا سخت خطرناک ہے بھاری موٹر کو روکنا مشکل ہے، برف کی وجہ سے زمین چکنی اور پھسلوان ہو رہی ہے اگر ذرا غلطی ہوئی تو موٹر کھڈ کے اندر جائے گی۔ اگرچہ اس سردی میں مجھ جیسے مریض دو عورتوں اور ایک بڈھے کا نیچے اُترنا سخت دشوار تھا، مگر جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ مجبوراً موٹر کو رخصت کیا۔ ڈرائیور نے وعدہ کیا کہ اگر زندہ بچ گیا تو اس جگہ آپ لوگوں کا انتظار کرونگا جہاں سے راستہ زیادہ خطرناک نہیں ہے۔

ہمارے سامنے جھیل کوسوں تک پھیلی ہوئی تھی مگر افسوس ہے کہ برفباری اور دھند کی وجہ سے دوسرا کنارہ نظر نہ آتا تھا۔ خدا کی شان ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں سے کسی زمانے میں آگ نکلتی تھی اب پانی سے پُر ہے۔ اسی مقام پر جہاں ہم تھے جھیل کے کنارے کنارے گرمیوں میں لوگوں کے بیٹھنے اور سیر و تفریح کے لئے بنچیں پڑی ہوئی ہیں۔ گرمیوں میں کشتیاں بھی ملجاتی ہیں۔ اسی جگہ فرانسیسی سفیر کی

کوٹھی ہے۔ یہاں ایک مختصر سا بازار بھی ہے جس میں کچھ تو قہوہ خانے اور ہوٹل ہیں کچھ اور دکانداری ہیں۔ یہ لوگ تصاویر وغیرہ ایسی چیزیں بیچتے ہیں جو سیر کرنے والے تحفہ دینے کے لئے خرید کرلے جاتے ہیں۔ ایک شخص لکڑی کی خوبصورت پھول دار کشتیاں اور خوانچے بیچتا ہے اور خریدار کا نام اسی وقت اُس پر کھود دیتا ہے اور حسب منشا قدرتی منظر بھی بنا دیتا ہے۔ میں نے کہا کہ جاپانی زبان میں نام کھودنا تو تمہارا کام ہے اگر اس میں مشاق ہو تو کیا بڑی بات ہے۔ ہاں اگر اُردو میں ہمارا نام کھودو تو ہم بھی خریدیں۔ میرا خیال تھا کہ یہ شخص صاف انکار کردے گا۔ لیکن وہ فوراً تیار ہوگیا کہ جو کچھ پنسل سے آپ لکھدیں گے میں کھود دونگا۔ چنانچہ ایک کشتی پر میں نے اپنا نام اُردو میں پنسل سے لکھا اور اُس نے نہایت آسانی سے کھود دیا۔

یہاں سے چل کر اس مقام پر پہنچے جہاں سے آبشار دیکھنے کے لئے ٹکٹ ملتے ہیں چالیس چالیس سین کے ٹکٹ خرید کر اندر گئے، اور ایک لفٹ میں کھڑے ہوئے میرا خیال تھا کہ اوپر جا رہے ہیں، مگر معلوم ہوا کہ نیچے جا رہے ہیں۔ ایک ہزار فٹ نیچے اُتر کر اور ایک لمبے بند راستے سے گذر کر کھلی جگہ میں آئے۔ پھر اسّی سیڑھیاں نیچے اُتر کر ایک برآمدے میں کھڑے ہوئے۔ اب آبشار سامنے تھا۔ افسوس گرمی نہ ہوئی ورنہ واقعی لطف آجاتا۔

آج کل اوپر کے حصّے میں تو برف کا ایک عظیم الشان فانوس بن کر ہوا میں معلق لٹک رہا تھا، جس کے بلوری جھالر گزوں لمبے جھول رہے تھے۔ مگر نیچے کے حصّہ میں پہاڑ کے پہلو سے رِس رِس کر جو پانی نکل رہا تھا وہ ایک چادر کی شکل میں ہزاروں فٹ نیچے گر رہا تھا۔

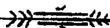
یہ منظر دیکھ کر پھر لفٹ کے ذریعہ سے اوپر پہنچے۔ کچھ دور چل کر جھیل کی ایک شاخ کے اوپر بندھے ہوئے پل سے گذرے، یہاں پانی کے اوپر فٹ بھر

ہوٹی چادر برف کی جم گئی تھی۔ جس کو کاٹ کاٹ کر اور ایک موٹر لاری پر لاد کر ٹوکیو لے جا رہے تھے۔

اب پہاڑ سے نیچے اُترنے کی زبردست مہم ہمارے سامنے تھی۔ چار و نا چار کمر ہمت باندھ کر اُترنے لگے۔ سب سے پہلے خواتین نے پھسل کر گرنے اور زور زور سے ہنسنے کی بسم اللہ شروع کی۔ پھر ہمارے دوست نے گرنا شروع کیا۔ میں بیمار، اور کمزور تھا، اس لئے نہایت احتیاط سے پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا۔ میرا یہ بھی خیال ہو چلا تھا کہ اس مصیبت کی تکلیف کم کرنے کے لئے یہ لوگ ظریفانہ پارٹ کر رہے ہیں، اور جان جان کر اسکٹینگ کرتے ہیں۔ مگر یکایک زمین نیچے اور آسمان اوپر ہو گیا۔ بجائے دوسروں کا تماشا دیکھنے کے بے اختیار دوسروں کو تماشا دکھانے لگا۔ ایک لمحہ کے بعد احساس ہوا کہ باوجود انتہائی احتیاط کے زمین بوس ہو کر اُٹھنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر اب میں نے مزید احتیاط سے کام لیا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اس حادثے کا وقوع کم از کم میرے لئے دوبارہ نہیں ہوا۔ راستہ کسی طرح ختم ہوتا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر دنیا کی ہر چیز آخر ختم ہو جاتی ہے پھر بھلا راستہ کیوں نہ ختم ہوتا۔ اس پہاڑی راستے کے نصف پر ایک چائے خانہ بنا ہوا ہے۔ یہ آیا تو جان میں جان آئی۔ ذرا بیٹھ کر چائے پی، بدن میں گرمی آئی۔ تھوڑی دیر سستا کر آگے چلے۔ اس چائے خانے کے لوگوں نے بتایا کہ تمہاری موٹر یہاں سے بخیر و عافیت نیچے گئی ہے، اور موٹر لئے ہوئے ڈرائیور پل کے پاس جو یہاں سے زیادہ دور نہیں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ یہ خوش خبری سن کر ہمت تازہ ہو گئی، اور ہم پھر نیچے کی طرف چل پڑے۔ انھیں لوگوں نے ایک قریب کا راستہ بھی بتا دیا جو زیادہ خطرناک تھا۔ کیونکہ ہزاروں سیڑھیوں کے ذریعہ نیچے اُترنا تھا۔ مگر پھر بھی بہت سا وقت اور محنت بچ گئی۔ موٹر نظر آئی تو

جی چاہتا تھا کہ اڑ کر جا بیٹھیں۔ آخر وہ وقت بھی آگیا کہ موٹر کے سامنے کھڑے تھے ہمارے کالے کوٹ اور ہیٹیں برف سے بالکل سفید تھیں۔ خیال ہوا کہ کاش کیمرہ ہوتا تو اپنی تصویر اس حالت میں ضرور کھنچواتے اور احباب یہ تصویر دیکھ کر ہمیں ضرور "اسکیمو" سمجھتے۔

کپڑے جھاڑ جھاڑ کر موٹر میں بیٹھے اور بخیر و عافیت دس بجے شب کو گھر پہنچ گئے۔



واپسی کا سفر

ٹوکیو سے روانگی

میرا معاہدہ ملازمت ۳۱ مارچ ۱۹۳۲ء کو ختم ہوتا تھا اگر صحت اجازت دیتی تو تجدید معاہدہ کا قصد تھا۔ معاہدہ طرفین کی رضامندی پر منحصر تھا، اور اس مدرسے میں اکثر لوگ اس کی تمنا کرتے ہیں مگر دور اندیش اپنے عمدہ رویہ اور کارگزاری سے طرف ثانی کو تجدید کے لئے تیار کرتے ہیں۔ بعض ناعاقبت اندیش دوران قیام میں تو غفلت کی نیند سوتے، کام سے لاپرواہی کرتے اور اپنی مخالفانہ رائے سے جاپانی اساتذہ اور طلبہ کے احساسات کو ٹھیس لگاتے ہیں یا مدرسے سے باہر سیاست یا عیاشی کے پھندوں میں پڑکر بدنام ہو جاتے ہیں۔ مگر اختتام معاہدہ کے وقت خوشامد اور چاپلوسی سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔ لیکن مدرسے کا ڈائرکٹر ان کے تمام کرتوتوں کو نظر غائر سے دیکھتا رہتا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ آخری وقت کی خوشامد اس پر مطلق اثر انداز نہیں ہوتی۔ اور وہ تجدید معاہدہ سے قطعاً انکار کر دیتا ہے۔

خود میں ایک عرصہ تک فیصلہ نہ کر سکا کہ تجدید معاہدہ کروں یا نہ کروں۔ ایک طرف تو یہ دل چاہتا تھا کہ ابھی کچھ اور عرصے تک رہ کر اس ملک کی معاشرت کے متعلق مزید تحقیقات کروں اسی لئے اس امر کا منتظر تھا کہ میری صحت کی حالت درست ہو جائے۔ جب صحت کی طرف سے مایوسی ہوئی اور ڈاکٹروں نے جلد از جلد جاپان سے چلے جانے کا مشورہ دیا تو پھر بالآخر روانگی کا قصد کرنا ہی پڑا۔

۶ فروری کو میں نے ڈائرکٹر کو لکھا کہ میں تجدید معاہدہ نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے واپسی کی اجازت دی جائے۔ ڈائرکٹر کو معلوم ہوا تو ان کو سخت تعجب اور افسوس ہوا۔

مجھے بُلا کر سمجھایا مگر میں نے اپنی مجبوری ظاہر کی تو اُن کو بھی خاموش ہونا پڑا۔ میں نے اپنا سفر خرچ مانگا۔ تو انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ جلد از جلد وزیر تعلیم سے میرے لئے سفر خرچ حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔

میں نے سفر کی تیاری شروع کردی۔ اسباب بندھ گیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں تو ڈائرکٹر صاحب نے پھر بلا کر ایک سند عطا فرمائی کہ حکومتِ جاپان کی طرف سے آپ کو دوسرے درجے کا درباری اعزاز دیا گیا ہے۔ اور اگر آپ آئندہ قیام کریں تو اپریل میں شاہنشاہ کی خدمت میں آپ کو پیش کیا جائے گا۔ میں نے پھر معذرت کی تو انھوں نے کہا کہ اگرچہ مدرسہ مارچ کے مہینہ میں تعطیلاتِ موسم بہار کی وجہ سے بند رہیگا، لیکن آپ کا معاہدہ آخر مارچ تک ہے۔ اس لئے فروری میں سفر خرچ نہ مل سکیگا۔ نیز آپ اب جائیں گے تو مارچ کی تنخواہ کے بھی حقدار نہ ہوں گے۔ سفر خرچ بعد میں آپ کو بھیجدیا جائے گا۔ یہ خبر سُن کر مجھے سخت پریشانی ہوئی۔ تیاری مکمل کرنے کے بعد پھر ایک دن کا قیام بھی وبال جان معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اپنے دوست مسٹر میڈلی سے مشورہ کیا انھوں نے کہا کہ اگر آپ جانے کا ارادہ کرہی چکے ہیں تو پھر مارچ کی تنخواہ سے آپ کو ہاتھ دھونا پڑے گا، اور سفر خرچ کی رقم میں آپ کو دیدوں گا۔ اور پھر مدرسے سے وصول کرلوں گا۔ اگر یہ منظور رہو تو میں ڈائرکٹر سے مل کر معاملہ طے کروں۔ میں نے منظور کرلیا۔ وہ گئے اور اجازت لے آئے۔ پھر ڈائرکٹر نے کچھ سوچ کر مارچ کی تنخواہ بھی دیدی اور سارٹیفکٹ بھی عنایت کیا۔

میرے جاپانی اسسٹنٹ اور دوست مسٹر گامو کو میرے ساتھ کوبے تک جاکر مدرسے کی جانب سے مجھے الوداع کہنے کا حکم دیا۔ آخری چار یا پانچ روز بڑی بھاگ دوڑ میں گذرے۔ احباب سے ملنے، رخصت ہونے۔ سفر کے لئے چیزیں خریدنے اسباب بھجوانے وغیرہ میں صبح سے شام ہوجاتی تھی۔ اکثر احباب تحفے لائے۔

۲۵ رفروری کو مدرسے میں طلبہ اور کالج کے دوسرے پروفیسروں سے رخصت ہوا۔ اُسی روز ٹوکیو میں سخت برفباری ہوئی۔ طلبہ نے کہا کہ یہ برفباری آپ کے جانے کی یادگار رہے گی۔ ۲۷ر کی شام کو سات بجے تمام طلبہ اور احباب ٹوکیو اسٹیشن پر رخصت کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ ساڑھے سات بجے یہاں سے روانہ ہوئے۔ رات کو آرام سے سلیپنگ کار میں سوئے۔ اگلے دن صبح کو ریل جھیل بیوا کے کنارے سے گذری جو جاپان کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ صبح ساڑھے چھ بجے کیوتو جا اُترے جو جاپان کا قدیم پایہ تخت ہے۔ اور تاریخی عمارات و روایات کی وجہ سے مشہور ہے۔ صبح کا ناشتہ کرکے موٹر بس تاریخی مقامات کی سیر دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے۔ تاریخی مقامات تو بہت سے قابل دید ہیں۔ مگر ان میں سے چند مشہور ترین کا انتخاب کرلیا گیا۔ خوش قسمتی سے ہمارے ساتھ ایک کیوتو کے رہنے والے دوست رہبری کے لئے موجود تھے۔ سب سے پہلے ایک بہت اونچی پہاڑی پر ایک قدیم مندر دیکھنے گئے۔ موٹر جہانتک جاسکتی تھی گئی، اس کے بعد ہم نے سیڑھیوں پر چڑھنا شروع کیا۔ جن کا سلسلہ نامتناہی تھا۔ مندر کے دروازے پر ایک بہت بڑی وزنی گھنٹی ایک اُلٹے پیالے کی شکل کی لٹکی ہوئی تھی۔ اس دیو پیکر گھنٹے کو جس کا وزن دو ڈھائی سو من سے کم نہ ہوگا بجانے کے لئے ایک بہت بڑا شہتیر لگا ہوا تھا۔ اس گھنٹے کے نقوش میل بھر کر سیاہ ہو گئے تھے۔ دروازے سے اوپر کی طرف اور کئی سو سیڑھیاں چڑھ کر مندر آتا ہے۔ یہ بدھ مت کا مندر ہے اور کیومیزو کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخی روایات اور قومی افسانوں اور حکایات میں اکثر اس مندر کا نام آتا ہے۔ اس مقام سے تمام کیوتو نظر آتا ہے جو ہر جانب پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس مندر کے پشت پر جو پہاڑ واقع ہے، اس کو شعراء جاپان نے ایک ایسے لحاف سے تشبیہ دی ہے، جس کے نیچے کوئی سو رہا ہو

مگر شاید عرب کا شاعر اس کو اونٹ کے کوہان سے تشبیہہ دیتا، یا عوج بن عنق کے قبر سے۔

مندر کی عمارت ایک جانب سے پہاڑ پر ٹکی ہوئی ہے۔ مگر دوسری طرف تیس فٹ کی گہرائی میں بڑے بڑے شہتیروں پر بنیاد قائم ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات عمارت میں قابل تعریف نظر نہیں آئی۔ اس قدر بلندی کی وجہ سے یہاں اس وقت بڑی سخت سردی تھی۔

لکڑی کا ایک عجیب و غریب مندر

یہاں سے نکل کر ایک مشہور پارک ماروِیاما سے گذرے اور پھر ایک قدیم بدھ مت کے مندر کے سامنے رُکے جو چیونین کے نام سے مشہور ہے یہ بہت بڑا مندر ہے اور اپنی قدیم تصاویر و نقاشی کے لئے مشہور ہے۔ یہ وسیع عمارت تمام و کمال لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ اور باوجود زلزلوں کے سینکڑوں برس سے اپنی جگہ قائم ہے، اس کو دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور بنانے والوں کے کمال کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تعمیر کے لئے ایک پورا جنگل کاٹنا پڑا ہوگا۔

مندر کا اندرونی حصہ

اصلی عمارت اس قدر کرسی دے کر بنائی ہے کہ لکڑی کی ایک ایک فٹ اونچی پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچتے ہیں۔ اور بیرونی برآمدہ میں جو عمارت کے چاروں طرف ہے داخل ہوتے ہیں۔ اس سے گذر کر ایک بہت وسیع اور بلند ہال کے اندر گئے۔ اس میں باوجود چاروں طرف بلند پھاٹک نما دروازوں کے کسی قدر تاریکی تھی۔ جو اس منظر کو پُراسرار اور بارُعب بنا رہی تھی۔ اندر جا بجا بہت سی قربان گاہوں پر شمعیں روشن تھیں۔ دھاتوں کی منقش تختیاں تین چار گز لمبی اور ڈھائی فٹ چوڑی چھتوں سے لٹک رہی تھیں۔ ایک طرف فرش پر ایک قطار میں آٹھ عورتیں دوزانو ہاتھ باندھے

ہوئے بیٹھی تھیں۔ اسی قطار کی سیدھ میں ایک طرف ہٹ کر ایک پجاری دوزانو بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا۔ اور بار بار آگے کی طرف سر جھکاتا تھا۔ اس کے ساتھ عورتیں بھی سر جھکاتی تھیں۔

نغمۂ بلبل

یہاں سے نکل کر ایک اور ہال میں پہنچے وہاں کچھ پجاری موجود تھے اُنھوں نے اپنا ایک آدمی ہمارے ہمراہ کیا اور مندر کا نقشہ اور چھپے ہوئے حالات بھی دیئے۔ اس رہبر نے ہاتھ میں ایک پنکھا لیا اور اس سے اشارہ کرکے ہر چیز دکھا دکھا کر اور گا گا کر سمجھانے لگا۔ اس مندر کی ایک یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ ہر جگہ لکڑی کے تختوں کا فرش ہے، اور یہ تختے کچھ اس طرح لگائے گئے ہیں کہ ان پر چلتے ہوئے ان میں سے ایک نغمہ پیدا ہوتا ہے جس کو شعرائے جاپان زمانہ قدیم سے بلبل کا نغمہ لکھتے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آواز صدیوں سے اسی طرح ان سے پیدا ہوتی رہی ہے۔

فنِّ باغبانی و مصوّری کے نادر نمونے

ہمارا رہبر ہم کو مندر کے گرد والے برآمدے سے لیکر گذرا۔ اس کے ایک جانب مندر سے باہر جاپانی وضع کے باغات ہیں، اور اس فن کے ماہرین نے صدیوں اس کی آرائش میں محنت کرکے بقائے دوام کی سند حاصل کی ہے دوسری جانب مندر کے اندر جاپانی وضع کے کمرے ہیں۔ جن کے فرش پر چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں۔ تین دیواروں پر نامور اور ماہر مصوروں کے شاہکار بنے ہوئے ہیں جن کے نقوش امتدادِ زمانہ سے جس قدر مٹتے جاتے ہیں، اسی قدر مصوّروں کے نام روشن ہوتے جاتے ہیں، اور ان تصاویر کی قدر و قیمت بڑھتی جاتی ہے۔

بعض کمروں کے وسط میں ایک مسند پر کچھ قدیم زمانے کی تلواریں یا اسی قسم کی تاریخی یادگاریں رکھی ہوئی دیکھیں۔ بعض کمروں کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ یہاں

فلاں شہنشاہِ جاپان ایک رات قیام پذیر ہوئے تھے۔
نصف گھنٹہ کے قریب گھوم کر یہاں سے روانہ ہوئے۔ اور ایک شنتو مذہب کے مندر میں پہنچے جو "ہے یان جنگو" کے نام سے موسوم ہے، اور موجودہ شاہنشاہ کے پردادا "کمّو تنوّ" کے اسم گرامی سے معنون ہے۔

ایک شنتو مندر میں جاپانی باغبانی کا کمال

اس مندر کے گرد وسیع باغ ہے ایک میل لمبا چار فرلانگ چوڑا۔ مندر چونکہ شنتو مذہب کا ہے اس لئے اس میں کوئی بات قابل ذکر نہیں۔ نہ یہ کچھ زیادہ شاندار اور وسیع عمارت ہے۔ تاہم معمولی شنتو مندروں سے کہیں زیادہ شاندار ہے۔ یہاں ہر سال ایک مشہور میلہ لگتا ہے جس میں رام لیلہ کی طرح لوگ قدیم زمانے کے لباس پہن کر اور قومی مشاہیر کا روپ بھر کر پرانے کارناموں کو دکھاتے ہیں۔

اس کے گرد باغ قابل دید ہے، اور جاپانی فن باغبانی کا شاندار نمونہ ہے اِس باغ میں مجھے پہلی بار اُن تمام اصولوں کے استعمال دیکھنے کا موقعہ ملا۔ جو اِس فن کے متعلق کتابوں میں دیکھ چکا تھا۔ یعنی۔

۱۔ سکون و خاموشی۔

۲۔ باغ کو اس طرح ترتیب دینا کہ فی الواقع جتنا بڑا ہے اس سے کئی گنا معلوم ہو۔ اس مقصد کے لئے اصول پرسپکٹو کا استعمال کرنا۔ یعنی بڑے درخت آگے اور چھوٹے پیچھے لگا کر نظر کو دھوکا دینا۔ نیز مصنوعی پہاڑیاں وغیرہ بنا کر راستوں کو اس طرح پیچ در پیچ بنانا کہ دیکھنے والا ایک ایکڑ زمین میں کئی میل چلتا رہے اور اسے یہ نہ معلوم ہو کہ بار بار وہ ایک ہی مقام سے گزر رہا ہے۔

۳۔ جھیلوں کے کنارے اور اُن کے طاس میں سمندر کی تہ سے لاکر

پتھریاں اور چٹان ڈالنا تاکہ نئی تعمیر بہت قدیم نظر آئے، اور مصنوعی جھیل، ساحل، اور پہاڑیاں سب قدرتی معلوم ہونے لگیں۔

۴۔ جھیل کے بعض حصّوں کو اس طرح لٹکے ہوئے درختوں کے نیچے چھپا دینا جس سے یہ دھوکا ہو کہ جھیل بہت بڑی ہے اور اس کے بڑے حصّے چھپے ہوئے ہیں۔

۵۔ بڑے بڑے درختوں کو جنھوں نے کسی جھیل کے یا سمندر کے کنارے نشو ونما پائی تھی وہاں سے کھود کر ان باغات میں منتقل کرنا تاکہ قدامت کا دھوکہ ہو۔

۶۔ جھیل کے تنگ حصّوں پر خوبصورت اور رومانی وضع کے پل بنانا۔

۷۔ جھیل کے اندر مصنوعی جزیرے بنا کر اُن پر درخت۔ جھاڑیاں۔ سبزہ لگانا

اس باغ میں یہ تمام چیزیں موجود تھیں۔ ایک جگہ ایک لمبا لکڑی کا پل باندھا ہوا ہے اس پر چھت بھی پڑی ہوئی ہے، اور دونوں جانب بیٹھنے کے لئے بنچیں لگی ہوئی ہیں اِس پل کے نیچے تالیاں بجانے سے سینکڑوں خوبصورت رنگ برنگ کی مچھلیاں جمع ہو گئیں۔ اور منہ اٹھا اٹھا کر کھانا مانگنے لگیں۔

عجیب دلفریب منظر

یہ عجیب پُر فضا مقام ہے، یہاں بیٹھ کر دل میں عجیب سرور اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے

خاموش پانی، جزیرے، جنگل، پہاڑ، جو اس کے چاروں طرف انسانی صنعت نے پیدا کر دیئے ہیں، اُن کے درمیان بیٹھ کر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کاوشوں اور زندگی کی کشمکش سے علیحدہ گویا ایک گوشۂ عافیت ہے۔ جہاں شاعر کے لئے شاعری کا، مصوّر کے لئے نقاشی کا، اور زاہد کے لئے مراقبہ اور دھیان کا بہترین سامان فراہم ہے۔

یہاں سے جانے کو دل تو نہ چاہتا تھا۔ مگر وقت کہاں تھا۔ جلد ہی برخیز کی صدا نے چونکا دیا۔

شاہی محل

وہاں سے چل کر شاہی محل کے بیرونی احاطے میں داخل ہوئے اور محل کے گرد جو پارک ہے اس کی سیر کی، موٹر میں بیٹھے بیٹھے تمام محل کا ایک چکّر لگایا۔

اس محل کی بیرونی دیواریں مشکل آٹھ فٹ بلند ہوں گی اور کچھ آثار بھی زیادہ نہیں افسوس ہے اتنا وقت نہ تھا کہ اس کے اندر جانے کے لئے ٹکٹ حاصل کئے جاتے کیونکہ اس کے لئے ایک دن قبل اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ یہ محل سنہ ۱۸۶۸ء تک شاہنشاہان جاپان کا مستقر رہا ہے اور اب بھی توکیو میں تاجپوشی کے بعد کیوتو کے اس محل میں تاج پوشی کی رسم ادا ہونا لازمی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سال میں دو تین بار موجودہ شاہنشاہ بھی کیوتو کے اس محل میں کچھ قدیم مراسم ادا کیا کرتے ہیں

مندر کن کاکوجی

یہاں سے چل کر بدھ مت کے ایک مندر موسومہ کِن کاکوجی پہنچے۔ جس کے معنی طلائی مندر ہیں۔

یہ نام اس لئے پڑا کہ اس کے ایک حصّے پر جو ایک مصنوعی جھیل نما تالاب کے کنارے باقی عمارتوں سے الگ بنا ہوا ہے، سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ اب اگرچہ نیچے کے حصّے پر سونے کا نام ونشان بھی باقی نہیں، لیکن بالائی منزل کی چھت پر کچھ سنہرا پانی چڑھا ہوا نظر آتا ہے۔

اس مندر کے دوسرے حصّوں میں بھی کچھ قدیم مصوّری اور خطاطی کے نادر نمونے اور کچھ کانسی پیتل کے پرانے بت اوزار وہتھیار اور آرائشی چیزیں موجود ہیں۔ اس مندر کا باغ بھی خاصا اچھا ہے۔ ایک چیز بالخصوص اس میں دلچسپ ہے یعنی رسم چائے نوشی کا مکان۔

اس مقام سے رخصت ہو کر دوسرے محل موسومہ نی جو کے سامنے سے گذرے اس کے گرد دوہری خندق بھی ہے۔ اور اس کی دیوار بھی بلند ہے۔ یہاں بھی داخلہ

بغیر ٹکٹ کے ممکن نہیں۔ اس مقام سے گذر کر سیدھے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے، اور دوپہر کا کھانا کھا کر آدھ گھنٹے کے بعد بجلی کی ٹرین سے نارا روانہ ہوئے، تقریباً پون گھنٹہ بعد نارا پہنچ گئے اور موٹر کرایہ کر کے قابل دید مقامات کی سیر کو روانہ ہوئے۔

شہر نارا (جاپان کا بنارس)

کیوتو اور نارا گویا جاپان کے "بنارس" اور "اجودھیا یا گیا" ہیں۔ دونوں مقامات قدیم مندروں کے لئے شہرت رکھتے ہیں۔

نارا موجودہ زمانے میں کوئی بہت بڑا شہر نہیں ہے۔ آج کل اس کی آبادی پچاس ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ چاروں طرف پہاڑوں سے کچھ گھرا ہوا ہے اس لئے خود شہر بھی بہت اونچا نیچا آباد ہے۔ سرما میں سردی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اکثر برفباری ہوتی رہتی ہے۔ اس وقت بھی ہو رہی تھی۔ خوش قسمتی سے جس وقت تک ہم لوگ اِدھر اُدھر گھومتے رہے معمولی برفباری تھی۔ مگر موسم گرما میں یہ مقام نہایت پُرفضا ہوتا ہے، اس لئے بکثرت لوگ بغرض تفریح آتے ہیں۔

نارا کی ایک عجیب خصوصیت تین ہزار بارہ سنگھوں کا بازار میں پھرنا

نارا کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ تمام شہر میں تین ہزار کے قریب بارہ سنگھے کوچہ و بازار میں پھرتے ہیں ان کا تعلق درحقیقت ایک مندر سے ہے، مگر اب تو یہ آزاد ہیں۔ حکومت کی طرف سے ان کو آزادی اور حفاظتِ جان حاصل ہے۔ کوئی شخص نہ ان کو مار سکتا ہے نہ تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ ان کو دیکھ کر ہندوستان کی رسم گائے بیل چھوڑنا یا مندروں میں بندر پالنا یاد آتی ہے۔ لوگ ان کو ٹکیاں وغیرہ خرید کر کھلاتے ہیں۔ مندر کی طرف سے سال میں ایک بار ان کے سینگ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اور ان تراشیدہ سینگوں کو بیچ دیتے ہیں۔ کاریگر ان سینگوں سے طرح طرح کی چیزیں بنا کر فروخت کرتے ہیں۔

یہاں بھی کئی بدھ اور شنتو مذہب کے مندر اور اُن کے گرد باغات دیکھے مگر ان میں کوئی بات قابل ذکر نہیں ہے صرف ایک کا حال بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"تودائی جی کا مندر"

ایک عظیم الشان پھاٹک سے مندر کے وسیع احاطہ میں داخل ہوئے اور ایک لمبی چوڑی سڑک سے گذر کر اصل عمارت کے اندر گئے۔ یہ بھی لکڑی کی عمارت ہے۔ ۱۶۰ فٹ ۷ انچ بلند ۱۸۸ فٹ ۲ انچ لمبی اور ۱۶۶ فٹ ۷ انچ چوڑی ہے۔ چھت ساٹھ ستونوں پر قائم ہے جن میں سے ہر ایک کا قطر ۴۵½ انچ ہے۔

مہاتما بدھ کا تمام دنیا میں سب سے بڑا بت

اس کوہ رفعت عمارت کے اندر وسط میں دو تہائی کے قریب جگہ گھیرے ہوئے ایک تین گز اونچا مستطیل چبوترہ ہے۔ اس چبوترے پر وسط میں مہاتما بدھ کی عظیم الشان مورت ایک زبردست کنول کے پھول پر بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس بت کی پیمائش حسب ذیل ہے:-

جسم کی بلندی	۵۳ فٹ
چہرے کی بلندی	۱۶ فٹ
چہرے کی چوڑائی	۹½ فٹ
ناک کی بلندی	۱ فٹ ۷ ۵/۸ انچ
دہانے کی چوڑائی	۳ فٹ ۸ ½ انچ
کان کی لمبائی	۸½ فٹ
انگوٹھے کا محیط	۴ فٹ ۹ ۳/۵ انچ
گرۂ زلف (۹۶۶ عدد) بلندی	۱ فٹ
قطر	۷ ۱/۵ انچ

کنول کے پھول کی اونچائی ——————— ۱۰ فٹ

کنول کے پھول کا محیط ——————— ۸ء۰ فٹ

پشت پر بت کے گرد جو سنہرا چکر بنا ہوا ہے اس کی بلندی ۳۸ فٹ

اِس چکر پر چاروں طرف اور چھوٹے چھوٹے بہت سے بت بنے ہوئے ہیں۔ جن کی بلندی ۸ فٹ ۹ انچ ہے۔ اس بت کے دونوں طرف دو اور مورتیں مہاتما بدھ کے چیلوں کی ہیں، جو بڑے بت سے نصف ہیں۔ یہ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس چبوترے سے علیحدہ کمرے کے دو گوشوں میں دو اور بت تیس فٹ بلند کھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کو بریدہ انسانی دست و بازو اور سروں کے ڈھیر پر کھڑا کیا ہے۔ ایک طرف اس مندر کا ایک بڑا ماڈل بھی رکھا ہوا ہے۔

اس بت کی تاریخ

یہ مہاتما بدھ کا تمام دنیا میں سب سے بڑا بت ہے جس کو ۷۴۹ء میں جاپان کے پینتالیسویں شاہنشاہ شومو نے بنوایا۔ اس بت کے ڈھالنے میں ۴ء۳۷ ٹن کانسی ۲۸۸ پونڈ سونا ۷ ٹن موم ۱۶۵ پونڈ پارہ اور کئی ہزار ٹن کوئلہ صرف ہوا۔ سونا اور پارہ صرف مطلا کرنے میں صرف ہوئے بت کو ڈھالنے میں دو سال خرچ ہوئے۔ شاہنشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے بنیاد رکھی سر اور گردن تو ایک سانچے میں ڈھل گئے۔ مگر جسم کے مختلف حصے علیحدہ علیحدہ ڈھال کر پھر سب کو یکجا کر کے جوڑ دیا گیا۔ اور پھر پوری مورت پر پالش کر کے سونے کا ملمع چڑھا دیا گیا۔ یہ سونا سب غائب ہو چکا ہے۔ صرف پشت کے چکر اور اس کی مورتوں پر اب بھی موجود ہے۔

اگلے سال اس پر مندر تعمیر ہوا۔ مگر بارہویں صدی میں یہ مندر خانہ جنگی کے دوران میں سپرد آتش ہو گیا۔ اور بت کا بھی سر علیحدہ ہو کر خراب ہو گیا۔ مگر دوسرے سال شاہی حکم سے دوبارہ ڈھال کر پھر اپنی جگہ پر قائم کیا گیا۔ اس لئے جسم کے دوسرے

حصوں سے سر زیادہ سیاہ ہے۔

سنہ ۱۱۹۰ء میں دوبارہ مندر تعمیر ہوا۔ لیکن سنہ ۱۵۶۷ء میں پھر آگ سے جل کر خاکستر کا ڈھیر ہو گیا، اور سو برس سے زیادہ عرصہ تک بت کھلے میدان میں نصب رہا۔ سنہ ۱۶۹۹ء میں سہ بارہ تعمیر شروع ہوئی اور تین سال میں تکمیل کو پہنچی۔ موجود عمارت یہی تیسری تعمیر ہے جو اصل مندر سے بقدر ۳۴ فیصدی چھوٹی ہے۔ مگر پھر بھی دنیا میں سب سے بڑی لکڑی کی عمارت ہے۔

تعمیر کے بعد دو سو سال گذر گئے اور عمارت پھر مرور ایّام سے شکستہ و ریختہ ہو کر ویران ہو گئی۔ آخر سنہ ۱۹۰۳ء میں اس کی مرمت شروع ہو کر سنہ ۱۹۱۳ء میں ختم ہوئی۔ اب خاصی اچھی حالت میں ہے۔

اوساکا

ساڑھے تین بجے واپس اسٹیشن پر آئے اور برقی ٹرین سے ایک گھنٹہ میں اوساکا پہنچ گئے۔ یہ جاپان کا تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔ شہر وسعت خوبصورتی اور صفائی کے اعتبار سے توکیو سے دوسرے درجے پر ہے۔ بندرگاہ بھی ہے۔ مگر چونکہ بڑے بڑے جہاز اس میں داخل نہیں ہو سکتے، اور اس کے بالکل قریب کوبے کی بندرگاہ موجود ہے۔ اس لئے مسافروں کے جہاز یہاں نہیں آتے صرف مال کے جہازوں کے کام آتی ہے۔ کسی بلند مقام سے دیکھیں تو کوسوں تک ہزاروں فیکٹریوں کی چمنیوں سے دھواں نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ جاپان کا "منچسٹر" ہے

جاپان کے تمام مشہور شہر دیکھنے کے بعد میں نے یہ اندازہ لگایا کہ خوبصورتی اور صفائی کے لحاظ سے توکیو اوّل درجے پر ہے۔ شہر توکیو دیکھنے کے بعد دوسرے شہر نظروں میں نہیں جچتے۔ مگر جو لوگ چھ سات برس پیشتر توکیو دیکھ چکے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء تک توکیو کی سڑکیں بھی نہایت گندی اور خراب تھیں۔ بارش ہوتی تھی تو پانی کھڑا ہو جاتا تھا۔ کیچڑ جمع رہتی تھی۔ بڑی بڑی عمارات بھی حال کے مقابلہ میں

صرف بیس فی صدی بن چکی تھیں۔ حال ہی میں اس شہر کی کایا پلٹ ہو گئی۔ رفتہ رفتہ دوسرے شہروں کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

شب کو اوساکا میں ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ صبح کو کوبے گئے۔ اور براہ راست جہاز پر چلے گئے۔ کچھ سامان پیشتر سے بھیجدیا گیا تھا، جو ساتھ تھا وہ بھی جہاز پر پہنچایا پھر بندرگاہ کے قریب ایک ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھا کر جہاز پر آئے۔

جہاز کی روانگی

جہاز پہلے شام کو چار بجے جانے والا تھا۔ مگر خدا جانے کیا وجہ ہوئی کہ تین بجے ہی جانے لگا۔ گاموصاحب ہم سب سے رخصت ہوئے۔ وہ لوگ جو سفر کرنے والوں کو پہنچانے آئے تھے نیچے گئے۔ اور جاپان کی رسم کے مطابق یک انگشتی رنگین کاغذ کے چکر اپنے عزیزوں یا دوستوں کو جو سفر کرنے والے تھے دے گئے۔ جب جہاز کے چھوٹنے کی سیٹی بجی تو اوپر والوں نے ان کاغذ کی دھجیوں کے ایک سرے کو مضبوط پکڑ کر چکر نیچے پھینکے جو اُن کے عزیزوں نے نیچے پکڑ لئے۔ بعض کی کوششیں ناکام بھی رہیں۔ چکر بجائے ہاتھوں کے سمند کی نذر ہوئے، اور دوسرا چکر پھینکا گیا۔ دوسری یا تیسری بار ضرور نیچے والے اس کے پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ اب جہاز کھل چکا تھا۔ اور جہاز اور بندرگاہ کے درمیان بیسیوں رنگ برنگ کی دھجیاں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ جب تک ممکن تھا، لوگ چکر کھول کھول کر ڈھیل دیتے رہے۔ مگر آخر کار یہ نازک رشتہ ٹوٹ کر ہی رہا۔ اور یہ دھجیاں ہوا میں اُڑتی رہ گئیں۔ دونوں طرف یعنی عرشۂ جہاز پر اور بندرگاہ کے وھارف پر سینکڑوں رومال ہلتے رہے۔ جب تک وھارف نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا یہ سلسلہ جاری رہا۔

یہ جہاز جس میں ہم سفر کر رہے ہیں، جاپانی کمپنی او۔ ایس۔ کے (O.S.K) کا جہاز اری زونہ مارو (arizona maru) ہے۔ جو جاپان سے جنوبی افریقہ جا رہا ہے۔ ہم اس میں صرف سنگاپور تک سفر کریں گے، اور پھر وہاں سے

برٹش انڈیا کمپنی کے جہاز تلاوہ (Tilawa) سے کلکتہ جائیں گے۔

اری زونہ مارو کا وزن دس ہزار ٹن ہے۔ اگرچہ خوبصورتی صفائی۔ اور حُسن انتظام کے لحاظ سے یہ رانچی (جس جہاز سے ہیں بمبئی سے جاپان گیا تھا) کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ لیکن تاہم اوّل درجے کے کیبن خاصے آرام دہ ہیں۔ دوسرا درجہ اس میں نہیں ہے۔ صرف پہلا اور تیسرا درجہ ہے۔ تیسرے درجہ میں بھی دو قسمیں ہیں ایک میں علیحدہ کیبن ہیں، اور اس کا کرایہ نسبتاً زیادہ ہے۔ دوسرے میں ایک ہال کے اندر بہت سے لوگ رہتے ہیں۔ اس کا کرایہ کسی قدر کم ہے۔

سمندر کی حالت نہایت اچھی ہے۔ بلا تشویش سفر کر رہے ہیں، اور چکّر وغیرہ کی مصیبت سے آزاد ہیں۔

بندرگاہ موجی

۲۹ رفروری کو شام کے وقت کوبے سے چل کر یکم مارچ کو صبح گیارہ بجے بندرگاہ موجی پہنچ گئے۔ یہاں وھارف نہیں ہے۔ سمندر ہی میں جہاز کھڑا ہوتا ہے، اور کشتیاں ساحل تک لے جاتی ہیں۔

میں افسران جہاز کے ہمراہ ساحل پر گیا۔ شہر دیکھا۔ چھوٹا سا شہر ہے جو جزیرہ کیوشو پر واقع ہے، آبادی ایک لاکھ ہے۔

یہ مقام جہاں ہمارا جہاز کھڑا ہے جزیرۂ ہانڈو اور کیوشو کے درمیان ایک آبنائے ہے ہانڈو کی طرف بندرگاہ شمونوسکی ہے جہاں سے فوزان (کوریا) کو جہاز جلتے ہیں۔ اور چھ گھنٹے میں فوزان (کوریا) پہنچا دیتے ہیں۔ موجی سے شمونوسکی صرف آدھ گھنٹے کا راستہ ہے۔

بندرگاہ می کے

یکم مارچ کو جہاز سات بجے رات کے وقت روانہ ہوا۔ اور اگلے دن بارہ بجے دوسری بندرگاہ "می کے" (mi Ke) پر جہاز ٹھیرا۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ایک جزیرہ پر واقع ہے۔ یہاں صرف کوئلہ لینے

کے لئے جہاز ٹھیرتا ہے۔ پانچ چھ گھنٹہ کوئلہ مشینوں کے ذریعے سے ساحل سے جہاز پر آیا۔ رات کو یہاں سے روانہ ہوئے۔

۳ مارچ۔ آج سمندر کی حالت نہایت عمدہ ہے۔ دھوپ نکل رہی ہے۔ ہوا بالکل نہیں۔ سمندر گویا ایک تالاب بنا ہوا ہے۔ پانی بالکل ٹھیرا ہوا ہے۔ جہاز پانی کو چیرتا ہے تو اس کے قریب جو لہریں پیدا ہوتی ہیں موم کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

اب تک برابر دونوں جانب جزائر نظر آرہے ہیں۔ جو از حد دلفریب معلوم ہوتے ہیں

۴ مارچ موسم بدستور نہایت خوشگوار رہے نہ سردی ہے نہ گرمی۔ سمندر گویا آئنہ کا فرش معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بہار دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ہانگ کانگ

پانچویں تاریخ بھی بہت اچھی طرح گذری۔ چھٹی کی صبح سے ہانگ کانگ کی آمد آمد کا انتظار تھا۔ ساڑھے بارہ بجے ہی پہاڑیاں قریب ہونے لگیں۔

ڈیڑھ بجے بندرگاہ کے اندر داخل ہوئے، اور ایک گھنٹے برابر اس میں سے گذرتے رہے۔ آخر ہانگ کانگ کے بالکل مقابل۔ مگر بیچ سمندر میں ہمارا جہاز لنگر انداز ہوا۔ چاروں طرف سے جہاز کو چھوٹی چھوٹی کشتیوں نے گھیر لیا۔ مزدور دکاندار اور مسافروں کے احباب و رشتہ دار جہاز پر آئے۔ تھوڑی دیر میں بازار لگ گیا۔

چین میں جاپان کے خلاف اشتعال

ساڑھے چار بجے کے قریب میں جہاز کی کشتی پر سوار ہو کر ساحل گیا ہماری کشتی کوئنز پائر پر جاکر ٹھیری۔ کشتی سے اتر کر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے ادھر اُدھر گھومتا رہا۔ افسوس ہے کہ اول تو وقت بہت خراب تھا۔ دوسرے کوئی ساتھی نہ تھا کہ خاص خاص مقامات کی سیر کر سکتے۔ موٹر کرایہ کرنے کا ارادہ کیا تو ایک بڑی زحمت در پیش آئی۔ یعنی غلطی سے میں نے جہاز پر جاپانی سکے ہانگ کانگ کے ڈالر میں

تبدیل نہ کئے تھے - اب خیال آیا کہ میرے پاس جو رقم ہے اس کو تبدیل کرانا چاہیئے
اس غرض کے لئے میں ایک چینی صرّاف کی دکان پر پہونچا - اور جاپانی نوٹ دکھایا -
اُس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا - اور اس نے انگریزی میں مجھ سے کہا کہ جاپانی سکہ
ہم نہیں دیکھنا چاہتے - براہ مہربانی اس کو جیب میں رکھ لیجیئے - اب سخت مشکل کا سامنا تھا
جب تک ہانگ کانگ کا سکہّ نہ ہو وہاں نہ خریداری ممکن تھی نہ کوئی سواری مل سکتی تھی -
آخر سوچ لیا کہ پیدل ہی گھومنا چاہیئے - چنانچہ میں اِدھر اُدھر بازاروں میں گشت
لگاتا رہا - شہر کی سڑکیں نہایت کشادہ صاف وشفاف - عمارات تمام چار پانچ منزل
بلند پختہ اور خوبصورت ہیں - اس وضع کی جیسی بمبئی میں نظر آتی ہیں - (توکیو کی بلند و پختہ
عمارات سے طرز تعمیر میں بالکل مختلف) جابجا مورتیں نصب - گھنٹہ گھر بنے ہوئے - بالکل
سمندر کے سامنے والے بازار میں جو سائن بورڈ نظر سے گذرے وہ اکثر معروف نام
نظر آئے - مثلاً طامس کک - وہائٹ وے لیڈلا - جاپانی امریکن اور انگریز جہاز راں
کمپنیوں کے نام وغیرہ وغیرہ - چپہ چپہ پر سکھ اور پٹھان پولیس مین کھڑے ہوئے نظر آئے
اِن کے علاوہ چلتے پھرتے ہندوستانی بھی بڑی کثرت سے ملے - یورپین اور امریکن
لوگ بھی بڑی کثرت سے ہیں - چینیوں کا تو ملک ہی ہے -

چینیوں کا لباس

شام کا وقت تھا، ہر کوچہ و بازار میں چینی نوجوان عورتیں اپنا قومی ریشمی لباس زیب تن کئے مصروف گلگشت تھیں -

جاپان کی طرح یہاں بھی عورتوں کے لئے سر کا لباس نہیں ہے، برہنہ سر ہی رہتی ہیں
فیشن پرست خواتین کے بال نوّے فیصدی باب ڈ (پٹھے نما) تھے - اور چہرہ منت کش
غازہ و کریم معدودے چند مغربی لباس میں بھی تھیں - غریب عورتیں بلا استثنا اور
متوسط طبقہ کی اکثر عورتیں لمبی چوٹیاں رکھتی ہیں - مگر پیشانی کے بال آگے کی طرف کر کے
ابروُں کے برابر تراش دیئے جاتے ہیں - چینی مرد و عورت کا لباس ایک شلوکہ اور

ڈھیلی موری کا نیم ساق پاجامہ ہوتا ہے۔ مگر اُمرا ءیں اس لباس کے اوپر ایک لمبا ریشمی کوٹ پہنا جاتا ہے، شیروانی کی طرح دونوں طرف لمبے لمبے چاک کھلے ہوتے ہیں۔ آگے سے بند ہوتا ہے۔ مگر سامنے کی طرف بٹن نہیں ہوتے بلکہ داہنی طرف پہلو میں بند باندھتے ہیں۔

آمد و رفت کی بڑی کثرت ہے۔ موٹروں کی کثرت بالخصوص جاذب توجہ تھی۔ رکشا بھی ہر طرف کثرت سے کھڑی اور چلتی پھرتی نظر آتی تھیں۔ ٹریم کاریں یہاں دو منزلہ ہیں۔ بسیں نہایت نفیس اور آرام دہ ہیں۔ ان کے علاوہ سمندر کے کنارے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے اکثر لوگ معمولی چپّو کی کشتیاں جن کو سمپان کہتے ہیں۔ اور موٹر بوٹس استعمال کرتے ہیں۔

اِدھر اُدھر گھومتے گھومتے دفعتاً نظر جو اُٹھی تو ایک بڑے بورڈ پر لکھا ہوا تھا۔ توکیو ہوٹل۔ یہ دیکھ کر ایک ترکیب سمجھ میں آئی۔ ہوٹل کی عمارت میں داخل ہوا۔ دفتر چوتھی منزل پر تھا۔ منیجر سے مل کر میں نے اپنی مشکلات بیان کی کہ میرے پاس جاپانی سکّہ ہے۔ اور بوجہ چینی و جاپانی مخاصمت چینی صرّاف جاپانی سکّہ لینے سے انکار کرتے ہیں انہوں نے کچھ رقم کا تبادلہ ہانگ کانگ کے ڈالر سے کر دیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔ اب ممکن تھا کہ ٹیکسی لیکر اِدھر اُدھر گھوم آتا۔ لیکن دیر زیادہ ہو چکی تھی۔ مجھے کچھ چیزیں بھی خریدنا تھیں۔ اور آٹھ بجے جہاز کی کشتی واپس جہاز پر جانے والی تھی۔ اس لئے اب وقت نہ تھا۔ جلد جلد میں نے سامان خریدا۔ ایک دکان پر میں نے اپنے پاس سے رومال نکالا تو چینی دکاندار نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ کہاں کا بنا ہوا ہے۔ میں نے کہدیا کہ جاپانی ہے۔ چینی نے نہایت نفرت سے کہا کہ اس کو تو جیب ہی میں رکھیئے جاپانی چیز دیکھ کر ہمارا خون کھولنے لگتا ہے۔

میں نے دیکھا کہ موجودہ جھگڑے کی وجہ سے چینیوں میں از حد اشتعال پھیلا ہوا ہے

ٹوکیو کے اخبار جو یہ لکھتے ہیں کہ "ہم جاپانی لوگ چینی قوم سے کوئی مخالفت نہیں رکھتے بلکہ وہاں کی بدنظمی سے اور جنگجو ڈاکوؤں سے لڑتے ہیں۔ خود چینیوں کو ہمارے (یعنی جاپانیوں کے) ساتھ کوئی مخالفت نہیں" یہ سراسر دھوکہ ہے۔ چین میں اب عام بیداری کے آثار نمایاں ہیں۔ اور وہاں کا بچّہ بچّہ اپنے دشمنوں اور دوستوں کو پہچانتا ہے۔

ایک عجیب واقعہ

آٹھ بجے سے کچھ دیر قبل میں پائر پر آگیا۔ اور کشتی کا انتظار کرنے لگا۔ مگر کوئی کشتی نہ آئی مجھے تشویش ہوئی۔ جو سردار جی وہاں پہرے پر تھے۔ اُن سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ حتیٰ کہ نو بج گئے۔ اس وقت ہمارے جہاز کی کشتی آئی، اور میں نے جب اس میں بیٹھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ اب یہ کشتی واپس جہاز پر نہ جائے گی۔ اور کل صبح کشتی مل سکے گی۔ میں چونکہ اہلیہ سے یہ کہہ کر نہ آیا تھا کہ رات کو وہیں قیام کروں گا۔ اس لئے یہ خیال تھا کہ اگر رات کو واپس نہ گیا۔ تو خدا معلوم کس قدر پریشانی لاحق ہو۔ سردار جی سے میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ کشتی کرایہ پر لیجایئے۔ میں نے منظور کیا۔ معلوم ہوا کہ ایک ڈالر بیس سنٹ تو موٹر بوٹ کا کرایہ ہوگا۔ اور پچاس سنٹ چپو کی کشتی کا۔ میں نے موٹر بوٹ لیجانا چاہی تو سردار جی نے عنایت فرما کر ایک ڈالر کرایہ طے کرایا۔ جو پیشگی ادا کرنا چاہیئے تھا۔ مگر میں نے بٹوا دیکھا تو ۳۵ سینٹ باقی تھے۔ سردار جی نے اس کو بمشکل اس بات پر راضی کیا کہ جاپانی ین لے لے۔ مگر میرے پاس صرف پانچ اور دس ین کے نوٹ تھے۔ سخت دشواری ہوئی۔ ۳۵ سینٹ پر کشتی بھی تیار نہ ہوتی تھی۔ میرے پاس تیس جاپانی سین تھے ۳۵ سینٹ اور ۳۰ سین دیکر کشتی کرایہ کی اور جہاز پر واپس آیا۔ تو میرا اندیشہ صحیح نکلا۔ یعنی مجھے واپسی میں دیر لگی تو میری اہلیہ نے جہاز والوں سے دریافت کیا کہ آخری کشتی کب آئے گی۔ انھوں نے جواب دیا کہ اب کوئی کشتی نہ آئے گی اور ہم ذمہ دار نہیں۔ چینی لوگ نہایت خراب ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن کو مار ڈالا ہو

یا قید کرلیا ہو۔ یہ وحشت ناک خبر سُن کر ان کے رہے سہے حواس جلتے رہے، اور رونا شروع کر دیا۔ مگر بجائے ہمدردی کرنے کے افسران جہاز برابر یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے کہ اب میری جان سے ہاتھ دھولینا چاہیئے۔ میری اہلیہ نے مدد کی درخواست کی تو انھوں نے انکار کیا۔ انہوں نے کچھ رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے منہ پھیر لیا۔ اسی کشمکش میں گرفتار تھیں کہ ایک ہندوستانی بھائی جہاز پر آنکلے۔ اور ایک ہندوستانی عورت کے آنسو دیکھ کر ان کا دل کڑھا۔ انہوں نے تسلّی وتشفی کی۔ حال سُنا اور اطمینان دلایا، کہ یہاں انگریزی راج ہے اندھیر نہیں۔ علاوہ بریں سینکڑوں ہزاروں ہندوستانی یہاں موجود ہیں ہرگز بال بیکا نہیں ہوسکتا۔ اگر کچھ دیر اور نہ آئے تو میں فوراً پولیس کو خبر کروں گا۔ وہ بیچارے تسلّی وتشفی کر ہی رہے تھے کہ میری کشتی جہاز کی طرف آئی، اور مجھے صحیح وسالم اس میں بیٹھا دیکھ کر تردد رفع ہوا۔

۷ مارچ دن کو بارہ بجے جہاز نے لنگر اٹھایا۔ اور چار بجے تک ہانگ کانگ کی پہاڑیاں بالکل نظر سے اوجھل ہوگئیں۔ اب پھر چاروں طرف سمندر ہی سمندر ہے۔

۸ مارچ۔ خیریت کے ساتھ گزرا۔ خفیف گرمی شروع ہوگئی ہے۔ مگر موسم نہایت خوشگوار اور سمندر بالکل خاموش ہے۔ آج میں نے تھامس کُک کی شاخ واقع سنگاپور کو ایک لاسکی پیغام جہاز سے بھیجا۔ جو صاحب اس کام کے انچارج ہیں آدھ گھنٹہ تک حساب کرتے رہے۔ خوب سوچ سمجھ کر ایک رقم بطور محصول مانگی۔ میں رقم لینے کے لئے اپنے کیبن میں گیا، اور دو تین منٹ بعد واپس آیا تو کلرک صاحب نے فرمایا کہ حساب غلط لگا تھا۔ پانچ سین اور ہوتے ہیں۔ میں نے بخوشی وہ بھی ادا کئے۔ مگر سوچا رہا کہ جاپانی حساب دانی میں کس قدر کمزور ہوتے ہیں۔ زبانی حساب لگانا تو ساری قوم میں رائج ہی نہیں۔ مگر کاغذ پر بھی صحیح حساب نہیں نکال سکتے۔

اس جہاز پر افسر تو نہایت شریف وخلیق ہیں اور مسافروں کے ساتھ بڑی ہمدردی

کرتے ہیں۔ مگر ملازمان جہاز نہایت گستاخ تنگ کرنے والے اور کام سے لاپرواہ ہیں اور مسافر عام طور پر ان کی شکایت کرتے ہیں۔

میرے شرکائے سفر

ہمارے شرکائے سفر میں ایک شخص مسمی کپتان کیسر لنگ منچوریا سے افریقہ ہوتے ہوئے رخصت پر اپنے وطن انگلستان جا رہے ہیں۔ نوجوان آدمی ہیں۔ جاپان میں پیدا ہوئے تھے۔ پندرہ سال تک جاپان میں رہے۔ اب فوجی ملازمت میں منچوریا میں کسی خدمت خاص پر متعین تھے تھوڑی بہت جاپانی بولتے اور سمجھتے ہیں۔ نہایت خوش مزاج سادہ طبیعت اور ملنسار آدمی ہیں۔ کھیلوں کے خاص طور پر شوقین ہیں۔ اور شطرنج کے دھتّی۔ جہاز پر آدمی آدمی سے پوچھتے تھے کہ شطرنج کھیلو گے، مگر ہر جگہ مایوس رہے۔ آخر میری باری آئی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اقرار کرلیا۔ ڈرتے ڈرتے اس لئے کہ اگر اچھے کھیلاڑی ہوئے اور ماتیں برسانے لگے تو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ مگر میری خوش قسمتی سے کپتان صاحب جس قدر شطرنج کے شوقین ہیں اتنے اچھے کھیلاڑی نہیں۔ مات کھانے میں ان کو لطف آتا ہے۔ آخری پانچ چھ روز دن کا سب سے بڑا مشغلہ شطرنج کھیلنا تھا۔ جو صبح نو بجے سے بارہ بجے تک جاری رہتا تھا۔ کھانے کا وقت ہو جاتا۔ نوکر آکر کہتے، کھانا چنا جا چکا، مگر کپتان صاحب یہی کہتے تھے کہ ابھی ذرا سی دیر ٹھہرو۔ مجبور ہو کر کھانے کے لئے اُٹھتے۔ کھانا کھا کر ذرا سی دیر آرام کرتے۔ اور پھر کپتان صاحب میرے کیبن کا دروازہ کھٹکاتے اور پوچھتے کہ کھیلتے نہیں۔ کھیلتے کھیلتے آخر پھر شام کے کھانے کا وقت ہو جاتا ہے۔ بعض وقت تو رات کے کھانے کے بعد بھی لگی ہوئی بازی ختم کی جاتی۔ کپتان صاحب کا مات کھا کھا کر کھیل سے نہ اکتانا، اور نہایت درجہ جوش کے ساتھ خوش ہونا، کھیل کے متعلق ان کے بڑھے ہوئے ذوق کا پتہ دیتا ہے۔

۸ کی شام کو جہاز میں بعد طعام شب سینما دکھایا گیا۔ اول تو جاپان کے خاص

خاص مناظر و مراسم دکھائے۔ پھر ایک مذاقیہ فلم اور پھر ایک مختصر ڈرامہ ۱۱ر کی شام کو شطرنج کی آخری بازی ختم ہوئی تو ان بازیوں کی یادگار میں کپتان صاحب نے ایک خوبصورت کھلونہ میری بچی کو دیا۔

۱۲ر کی صبح کو سات بجے ہمارا جہاز سنگاپور کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ بندرگاہ کے افسر جہاز پر آئے۔ ہمارے پاسپورٹ جہاز کے کپتان نے گذشتہ شب ہی جمع کر لیئے تھے۔ ان افسروں نے پاسپورٹ لے لئے۔ اور ساحل پر واپس گئے۔ وہاں درج رجسٹر کروائے۔ اور جب نو بجے جہاز وہارف پر لگا تو مسافروں کو واپس کر دیئے۔

اوّل درجے میں ہمارے ہم سفر ایک پادری صاحب تھے، جو جنوبی افریقہ میں مشنری ہیں۔ جاپان کی سیاحت کے لئے آئے تھے۔ اور صرف دو ہفتے وہاں گذارے۔ اکثر جاپان کے متعلق اُن سے گفتگو رہتی تھی۔ نہایت دلچسپی کے ساتھ وہ جاپان کے حالات سنتے تھے۔ مگر بدقسمتی سے وہ جاپان کے متعلق کچھ کتابیں دیکھ چکے تھے۔ اور انھیں کی روشنی میں انھوں نے جاپان کی سیر کی تھی۔ نیز اُن کا قیام جاپان میں اس قدر مختصر تھا، کہ گویا جاپان کو انھوں نے ریل کی کھڑکی میں سے دیکھا تھا۔

ایک اور شریک سفر ڈاکٹر ڈاؤنز تھے۔ جو امریکن ہیں۔ بیس برس شانگھائی میں رہے ہیں۔ جاپان بھی بارہا گئے ہیں۔ اکثر سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ چین اور چینیوں کے متعلق بہت وسیع معلومات رکھتے ہیں بہت زیادہ بولنے والے ہیں۔ بدقسمتی سے اُن کو زکام کھانسی کی شکایت تھی۔ آواز بیٹھ رہی تھی مگر پھر بھی مجھے چین کے متعلق بہت کچھ بتاتے رہے۔

نہایت وسیع المشرب اور بلند نظر انسان ہیں۔ اپنے دعوے کے مطابق تفریق رنگ و نسل و مذہب سے قطعاً آزاد۔ عیسائی مشن کے دشمن اور مشرق کے پرستار ہیں۔ مذکورہ بالا مسافروں کے علاوہ جاپانیوں کا ایک نوجوان جوڑا، اور دو انگریز خواتین

بھی اوّل درجے میں سفر کر رہی ہیں۔

بندرگاہ سنگاپور

۱۲ ر کی صبح کو سنگاپور پہنچے۔ پہلے میں طامس کک کے دفتر گیا اور کلکتہ جانے کے لئے علاوہ جہاز سے اپنا ٹکٹ خریدا۔

پھر تمام اسباب اہلیہ اور بچّی کو لے کر اورنٹیل ہوٹل پہنچا۔ یہ ہوٹل پہلے ایک چینی کے پاس تھا۔ مگر گزشتہ جنوری میں اس کا دیوالہ نکل گیا۔ اب ایک انگریز نے خرید کر لمٹیڈ کروایا ہے۔ ایک عراقی مسلمان نوجوان اس کے اسٹنٹ مینجر ہیں چینی، اور ہندوستانی ملازم ہیں۔ عمارت نہایت شاندار اور صاف ستھری ہے اور شارع عام پر واقع ہے۔ انتظام نہایت معقول ہے۔ کمرے کا کرایہ کھانے کے ساتھ کم از کم ۱۲ ڈالر (۱۸ روپے) روزانہ ہے، اور بغیر کھانے کے ۴ ڈالر (۶ روپیہ) ہے۔ ہم نے کھانا نہیں لیا۔ حسن اتفاق سے جو ملازم ہمیں جہاز سے ہوٹل لایا تھا۔ وہ بھی مسلمان تھا۔ اس لئے کھانے کا انتظام ایک ہندی مسلمان کے ہوٹل میں کیا۔ مدت کے بعد ہندوستانی لذائذ کھا کر دل بہت خوش ہوا۔ مگر باوجود انتہائی احتیاط کے دوسرے وقت ہی سوء ہضمی کی شکایت ہوئی، اور اس کے بعد جب تک سنگاپور رہا صرف دودھ اور سوڈے پر گذر کی۔

۱۲ ر کی شام کو ہوٹل کی موٹر کار لے کر سنگاپور کی سیر کو نکلے۔ اور تمام جزیرہ کا ایک چکر لگایا۔ اول بوٹنیکل گارڈن گئے۔ عجیب پُر فضا مقام ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ساری عمر یہیں زندگی بسر کریں۔ پارک ایک بہت بڑی پہاڑی کی ڈھالوں پر لگا گیا ہے۔ راستے چکّردار ہیں۔ ان پر بجری پڑی ہوئی ہے۔

ذرا تصوّر کیجئے۔ اوپر صاف و شفاف نیلگوں آسمان کا شامیانہ نیچے سبزے کا وسیع مخملیں فرش۔ جس پر جا بجا پھولوں کی کیاریاں اور چکر کھاتی ہوئی گہرے سُرخ رنگ کی روش۔ گویا گلکاری کا لطف دے رہی ہے۔ ناریل کے درختوں کے

لمبے سیدھے اور گول گول تنے اور ان کی سرسبز چوٹیاں گویا آسمانی شامیانے کے ستون ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر پرستان یا خواب شیریں کا دھوکا ہوتا ہے۔

افسوس یہ دلفریب منظر صرف دس منٹ میں ختم ہو گیا۔ موٹر تیزی کے ساتھ پارک کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل گئی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑیوں اور وادیوں نے تمام جزیرے کو باہم تقسیم کر لیا ہے۔ قدرت کے دست کرم نے نہایت فیاضی کے ساتھ اس کو حسن و جمال عطا فرما کر ارضی بہشت کا نمونہ بنا دیا ہے۔ چپّہ چپّہ زمین سدا بہار سبزے سے ڈھکی ہوئی ہے، اور سبزہ بھی وہ کہ اس کا دھانی رنگ آنکھوں میں کھپا جاتا ہے۔ کہیں کسی وادی میں دور تک چائے کی کھیتیاں چلی گئی ہیں۔ کہیں کسی پہاڑی کے اُبھار پر ربڑ کے درخت پھیلے ہوئے ہیں۔ کہیں صرف انّناس کی جھاڑیاں ہیں۔ کہیں بانس ہے، کہیں کیلے، ناریل، اور چھالیہ کے درخت ہیں۔

اسی قدرتی پارک میں جا بجا انسانی بستیاں ہیں۔ یہاں کے مکانات میں ملایا کا اصلی طرز تعمیر نظر آتا ہے۔ یعنی گز گز بھر اونچے پندرہ بیس ستون زمین پر کھڑے کر کے اس پر لکڑی کا مکان بناتے ہیں۔ اس پر چڑھنے کے لئے مکان کے سامنے کی طرف ایک لکڑی کا کھلا زینہ لگا دیتے ہیں۔ چھتیں کھپریل کی ڈالتے ہیں یا پھوس کا چھپّر۔ اکثر کوٹھیاں بھی اسی وضع کی دیکھیں جو اینٹ چونے کی بنی ہوئی تھیں۔ شاذ شاذ حالتوں میں نیچے کے حصّے کو بیکار نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ چاروں طرف سے گھیر کر اسٹور روم بنا لیا تھا۔ کہیں کہیں خالص چینی طرز تعمیر بھی اپنی آن بان علیحدہ دکھا رہا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد پھر شہر میں داخل ہوئے تو شہر کے تعفن سے دماغ پراگندہ ہو گیا۔ یہ بدبو کیسی تھی؟

سڑکیں نہایت مصفّا ہیں نہ اُن پر غلاظت کے ڈھیر ہیں اور نہ نالیاں گندی

معلوم ہوتی ہیں۔ صرف چینی آبادی کی کثرت ہی اِس بدبو کی ذمہ دار ہے۔ ان کی کھانے کی دکانیں بڑی کثرت سے ہیں۔ سنگاپور میں کھانوں کی دکانوں کے لئے لائسنس لینا ضروری ہے۔ جس کا مقصد صفائی ہے، مگر یا تو محاسبین کا معیار صفائی ہی نہایت درجہ پست ہے۔ اور یا رشوت میں ایک قانون کی خوبی خاک میں ملا رہی ہے۔ اس حقیقت سے چشم پوشی کرنا محال ہے، کہ یہ کھانے کی دُکانیں حد سے زیادہ گندی ہیں علاوہ بریں چینی کھانے ہمارے مذاق سے اس قدر مختلف ہوتے ہیں کہ ان کی بدبو جو غالباً چینیوں کے لئے خوشبو ہو مگر ہمارے لئے تو ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے تو جاپانی کھانے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔ چونکہ ان میں اچھی یا بُری کسی قسم کی بو نہیں ہوتی، اس لئے زبان کے لئے "تکلیف دہ ہوں تو ہوں ناک کو ان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ جن دکانوں پر خشک مچھلی بکتی ہے وہاں بھی سخت تعفن تھا۔

سنگاپور بالکل ہندوستانی شہر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بازار و عمارتیں، اس کی سڑکیں۔ پھیری والے۔ اس کا موسم، یہاں کے اصلی باشندے، اور ان کا تمدن و رسوم ہر چیز قطعاً ہندوستانی ہے۔ ہندوستانیوں کی بڑی کثرت ہے۔ ان میں تامل لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ لوگ مزدوری پیشہ ہیں۔ ان کے بعد، پنجابی مسلمان اور سکھ ہیں (جن کو یہاں بنگالی کہتے ہیں) یہ لوگ پولیس اور فوج میں کام کرتے ہیں یا چوکیداری کرتے ہیں۔ بعض دکاندار بھی ہیں۔ اس کے بعد پوربیوں کی تعداد ہے، اور یہ بھی ایسے ہی کام کرتے ہیں۔ بنگالی۔ سندھی۔ گجراتی۔ مارواڑی، پارسی، خوجے۔ بوہرے، اور پنجابی قوم کے لوگ بڑے بڑے تاجر اور کوٹھی دار ہیں۔ اس طرح گویا ہندوستان کے ہر گوشہ کا آدمی موجود ہے۔ نواح دہلی کا آدمی ڈھونڈے نہیں ملتا شاید اس لئے کہ جس جنس کی انسان تلاش کرتا ہے اس کے حصول میں اکثر دشواریاں حائل ہو جاتی ہیں۔

آمدورفت کی بڑی کثرت ہے۔ گھوڑا یا گھوڑا گاڑی بالکل نہیں نظر آتی۔ دیہات میں بیل گاڑیاں دیکھیں۔ لوگ بھینسوں کی پیٹھ پر بھی چڑھتے ہیں۔ شہر میں بجلی کی ٹریم چلتی ہے جو ربڑ ٹائر ہے: اور بغیر لوہے کی پٹری کے معمولی سڑک پر دوڑتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی بسیں کثرت سے ہیں۔ جن میں سات آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ لمبی لمبی لاریاں ہیں۔ رکشا ہیں۔ اور ٹیکسیاں ہیں۔ جن کا کرایہ پہلے میل کے لئے ۳۰ سینٹ یعنی ۸ر ہوتا ہے۔ اور پھر ہر میل کے لئے ۱۰ سینٹ مزید۔ رکشا کا کرایہ فی میل ۱۰ سینٹ، باقی ٹپ ۲ سینٹ ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنے گھر کی رکشا رکھتے ہیں، اور کھینچنے والا مزدوری پر بلا لیتے ہیں یا گھر کا نوکر ہی یہ کام بھی کرتا ہے۔

۱۴ ار کی صبح کو دس بجے ہوٹل سے جہاز پر آئے۔ ساڑھے چار بجے جہاز روانہ ہوا۔ اس جہاز میں اوّل درجے و دوسرے درجہ میں تو چند مسافر ہی ہیں۔ لیکن تیسرے درجے میں بڑی کثرت سے ہندوستانی لوگ سوار ہیں، اور بیچارے گاجر مولی کی طرح بھرے ہوئے ہیں۔

جہاز کے افسر اور ملازمین تو نہایت خلیق اور متواضع ہیں، مگر کھانا نہایت خراب ملتا ہے۔

دوسرے درجے میں معدودے چند مسافر ہیں ان میں دو نوجوان مسلمان شکر کے سوداگر ہیں جو جاوا میں رہتے ہیں اور وہاں سے شکر ہندوستان بھیجتے ہیں۔ یہ دونوں کاٹھیاواڑ کے رہنے والے ہیں۔ ہندوستانی۔ انگریزی، کچھی اور ڈچ زبانیں بولتے ہیں۔ اُن کے نام مسٹر محمد جی پٹیل اور مسٹر محمد یونس ہیں۔

مسٹر اچاریہ کسی گجراتی کمپنی کے مینیجر ہیں۔ شانگھائی سے آرہے ہیں۔ جاپان بھی جا چکے ہیں۔ اور کچھ تھوڑی سی جاپانی جانتے ہیں۔ جزیرہ ماریشس (افریقہ) میں بھی رہ چکے ہیں۔ کم عمر ہیں۔ اور اُن خوش قسمت ہستیوں میں سے ہیں، جو نقلِ محفل بننے کے لئے

وضع ہوئی ہیں۔ ہر شخص ان کو بناتا ہے اپنا دل خوش کرتا ہے۔ مگر یہ ہمیشہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہیں سب کے لئے مرکز توجہ ہوں۔

ایک اٹھارہ سالہ اینگلو انڈین لڑکا ہے جس کے ماں باپ ہانگ کانگ میں ہیں مگر خود کلکتہ میں تعلیم پاتا ہے۔

ایک اور ہندو نوجوان ہیں جو ایک بڑی گجراتی کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اور اس جہاز میں سنگاپور سے اُن کا بہت سا مال (چھالیہ اور گرم مسالہ) بار ہوا ہے۔ اس لئے یہ بغیر کرایہ دیئے ہوئے سفر کر رہے ہیں۔ ان کا نام مسٹر شاہ ہے۔

میرے لئے سب سے زیادہ دلچسپ ساتھی مسٹر اجیت گھوش بیرسٹر ہیں۔ ۲۰ سال کامیاب پریکٹس کے بعد ریٹائر ہو گئے ہیں۔ اور دنیا بھر کا سفر کرتے پھرتے ہیں۔ اب امریکہ سے جاپان ہوتے ہوئے آ رہے ہیں۔ کلکتہ کے رہنے والے ہیں۔ ادبی مذاق رکھتے ہیں۔ پرانے سکّے تصاویر اور مسودات کو جمع کرنے کا اُن کو شوق ہے۔ گذشتہ آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس میں آپ صیغہ آرٹ کے پریسیڈنٹ تھے۔ شوق سیاحت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ ابھی چھ ماہ سیاحت کر کے واپس آئے ہیں، اور تین چار ماہ کے بعد پھر ہندوستان سے باہر جانے کے لئے تیار ہیں۔

پنانگ

۱۶ ر کی صبح کو پنانگ پہنچے۔ مسٹر گھوش۔ مسٹر پٹیل، اور مسٹر لیونس، اور میں۔ ہم چار آدمی کشتی میں بیٹھ کر ساحل پر پہنچے۔ اور ایک موٹر کرایہ کر کے پنانگ دیکھنے چلے۔ نہایت درجہ مایوس کن مقام ہے۔ شہر تو شہر کہنے کے قابل بھی نہیں ہے ایک بڑا قصبہ کہنا چاہیئے۔ سب سے پہلے ایک مندر میں پہنچے۔ جس میں بے شمار گوتم بدھ کی مورتیں ہیں۔ ایک تالاب میں بہت سے چھوٹے بڑے کچھوے پلے ہوئے ہیں۔

علیحدہ علیحدہ بہت سی عمارات ہیں۔ ان میں سے ایک ہفت منزلہ پگوڈہ بھی ہے

یہاں سے واپس ہو کر کیبل کار کے اسٹیشن پر آئے۔ جو پنانگ کی سب سے اونچی چوٹی پر

ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی تک عموداً چڑھتی ہے۔ بیچ میں دو اسٹیشن ہیں۔ کار نہایت ہی آہستہ آہستہ چلاتے ہیں۔ پٹری اکہری ہونے کی وجہ سے جب تک اوپر سے ٹیلیفون نہیں آتا گاڑی نہیں چھوٹتی۔

گاڑی کا ایک ڈبہ ہوتا ہے، اسی کے دو حصہ کرکے ایک کو اوّل اور دوسرے کو دوسرا درجہ کہتے ہیں۔ دونوں میں کرایہ کے سوا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ چوٹی پر سے تمام جزیرہ نظر آتا ہے۔ بندرگاہ میں جو جہاز کھڑے تھے وہ کاغذ کی کشتیاں معلوم ہوتی تھیں چوٹی پہ ایک بڑا یورپین ہوٹل بھی ہے۔ ساڑھے بارہ بجے واپس بندرگاہ پر آئے۔ اور دس منٹ بعد جہاز پر جا پہنچے۔ اسی روز رات کو دس بجے جہاز روانہ ہوا۔

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ برٹش انڈیا کمپنی کے جہازوں کا دارومدار مال پر ہے۔ ایک زمانہ میں تو مال منگانے والے ان کی خوشامد کرکے مال بھجواتے تھے۔ اور اب کساد بازاری کا یہ عالم ہے، کہ اگر کوئی سوداگران کو مال دینے کا وعدہ کرکے جہاز ایک دن ٹھہرانا چاہے تو بخوشی ٹھہر جاتے ہیں۔

یہاں جہاز پر ہم مسافروں کا سب سے بڑا مشغلہ تاش بازی تھا۔ ہر وقت برج کھیلا جاتا تھا۔ ہم چھ آدمی کبھی سب کے ساتھ کھیلتے۔ کبھی برج کے لئے چار اصلی اور دو مشیر ہو جاتے جہاز کے ڈاکٹر ایک نوجوان بنگالی تھے۔ وہ بھی تاش کے ازحد شوقین تھے۔ ڈیوٹی بھگتاتے ہی بھاگے آتے۔

دو پرلطف واقعات

۱۸ ارکو ایک عجیب قضیہ پیش آیا۔ مسٹر شاہ بڑے راسخ الاعتقاد ہندو ہیں۔ اس لئے وہ اپنا کھانا برہمن سے بنوا کر کھاتے تھے۔ سب سامان خوردنی اور پرائیمس کا گیس اسٹو ساتھ تھا۔ جہاز کی طرف سے تیسرے درجے کے مسافروں کے لئے جہاں باورچی خانہ تھا۔ وہاں ہندو مسلمان سب پکاتے تھے۔ اس لئے مسٹر شاہ کے برہمن نوکر نے ایک علیحدہ جگہ چولھا جلا کر کھانا پکانا

شروع کیا۔ دو تین بار منع کرنے کے باوجود وہ اس حرکت سے باز نہ آیا۔ اس لئے چیف افیسر نے چولھا چھین لیا۔ اور کہدیا کہ اب کلکتہ پہنچنے پر واپس ملے گا۔ نوکر روتا ہوا اپنے مالک کے پاس آیا۔ انھوں نے کپتان سے کہا، پرسر سے کہا چیف افیسر سے کہا۔ پہلے سب نے انکار کیا۔ آخر شاہ صاحب کو بھی غصہ آیا، انھوں نے کہا کہ اگر چولھا نہیں ملے گا تو ہم ابھی سنگاپور۔ پنانگ۔ اور کلکتہ کو تار دیں گے کہ آپ کی کمپنی کو بالکل مال نہ ملے۔

آجکل کے زمانے میں یہ بہت بڑی دھمکی تھی۔ چیف افیسر نے فوراً چولھا ان کے حوالہ کردیا۔ اور کہدیا کہ اب اپنے نوکر سے کہدیجئے کہ آئندہ باورچی خانہ میں جا کر پکائے۔ غرض اس طرح معاملہ رفت و گذشت ہو گیا۔ ہم لوگوں میں بھی کئی روز سے کھچڑی پک رہی تھی، کہ کھانا نہایت خراب ملتا ہے۔ مچھلی سڑی ہوئی۔ پھل گلے ہوئے، ترکاریاں نہایت خراب۔ ڈبل روٹی سوکھی ہوئی۔ تولئے پھٹے ہوئے۔ پلیٹیں اور چائے کی پیالیوں پر بال پڑے ہوئے۔ دو تین بار پرسر سے شکایت کی تو انھوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا، کہ اس کی ذمہ داری خود کمپنی کے سر ہے، جو سامان خریدتی ہے۔ جہاز کے افسر کیا کر سکتے ہیں۔ اس پر ایک کونسل ہوئی۔ اور یہ فیصلہ ہوا کہ ایک شکایت ان امور کی اخبار اسٹیٹسمین کو بھیج دی جائے۔ اور اس کی ایک نقل کپتان صاحب کے حوالہ کردی جائے۔

چنانچہ ۲۰ کی صبح کو ایک نقل مع ایک چٹھی کے ہم سب نے دستخط کر کے کپتان صاحب کو بھجوائی کپتان صاحب کے ہوش اُڑ گئے۔ پرسر کو بلا کر پوچھا تو اُس نے قطعاً لاعلمی ظاہر کی۔ کپتان نے پرسر کو ہمارے پاس بھیجا کہ اگر آپ لوگوں کو شکایت تھی تو آپ نے پہلے ہی مجھ سے کیوں نہ کہا میں معقول انتظام و رفع شکایت کر دیتا۔ اب کل جہاز کلکتہ پہنچتا ہے اتنا وقت بھی نہیں کہ تلافی کر سکوں۔ ہم نے پرسر کو شرمندہ کیا کہ آپ نے کپتان سے کیوں نہ کہا۔ پندرہ منٹ کے بعد کپتان۔ چیف افیسر۔ ڈاکٹر۔ پرسر۔ شلر چیف اسٹورڈ

ہم لوگوں کے پاس آئے۔ کپتان صاحب نے نہایت لجاجت کے ساتھ معذرت چاہی۔ اور یہ الفاظ کہے کہ آپ کی شکایت میرے لئے بمب کے گولے سے کم نہیں۔ اگرچہ قصور ماتحت اسٹاف کا ہے۔ لیکن ذمہ واری تمام تر میرے سر پڑیگی۔ کیا آپ یہ نہیں کر سکتے کہ اس شکایت کو پریس نہ بھیجیں کمپنی کے ہیڈ آفس کو بھیجدیں۔ ہم نے کہا کہ پریس کو بھی بھیجیں گے، اور ہیڈ آفس کو بھی۔ بڑی دیر تک خوشامد کرتے رہے۔ اور بار بار یہی کہتے تھے کہ آپ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب آپ لوگوں کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ اس وقت تو یہ کہہ کر کپتان صاحب کو ٹال دیا کہ اچھا غور کریں گے۔ مگر کپتان صاحب نے یہ چال چلی کہ تمام ہندوستانی ماتحت اسٹاف کو ہمارے پاس بھیجا۔ جو آکر قدموں پر گر گیا کہ کپتان صاحب انگریز ہیں اُنکا کچھ نہیں بگڑیگا ہم سب مارے جائیں گے۔ ہندوستانیوں پر ظلم نہ کیجئے۔

غرض دو دن خوب چہل پہل رہی۔ تمام جہاز کے ملازمین عجیب پریشانی کی حالت میں تھے۔

۱۲ر کی صبح سے کلکتہ کی آمد آمد تھی۔ سات بجے سے زمین نظر آنے لگی۔ ہمارے دلوں کی کیفیت عجیب تھی۔ برسوں کے بعد پھر سرزمین ہند کی صورت نظر آئی تھی۔ کوئی دوربین سے ساحل کو دیکھتا تھا۔ کوئی گفتگو سے دل بہلاتا تھا کہ اب اتنے گھنٹے اور باقی ہیں۔ کوئی پوچھتا تھا یہ کون سا مقام ہے۔ غرض ہر شخص بے چین تھا کہ کسی طرح جلد سے جلد ساحل پر پہنچ جائے۔

نو بجے سے کسٹم کی کشتی ہمارے جہاز کی نگرانی کے لئے ساتھ ساتھ تھی۔ کیونکہ گذشتہ سال میں برٹش انڈیا کمپنی کے جہاز ناجائز درآمد کے لئے بہت بدنام ہو چکے ہیں۔

بحری چڑیاں ہمارے چاروں طرف منڈلا رہی تھیں۔ اگر کچھ کھانے پینے کی چیز پھینکو تو فوراً غوطہ لگا کر پانی میں سے نکال لاتی تھیں۔

ایک بجے ڈاکٹر، پولیس کے افسر اور کسٹم کے افسر جہاز پر آئے اور معائنہ شروع ہوا۔

ساحل ہند پر آمد

تین بجے جہاز بندرگاہ پر لگا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ پھر بعافیت ہندوستان میں قدم رکھا۔

کلکتہ کا گریٹ انڈین ہوٹل

میرے ساتھ سامان بہت زیادہ تھا۔ اس لئے اولاً سب سامان ہوڑہ اسٹیشن پر پہنچایا۔ اور کلوک روم میں رکھوا کر پھر ہوٹل گیا۔ گریٹ انڈین ہوٹل سنٹرل ایوے نیو میں ایک بنگالی ہوٹل ہے۔ مسٹر گھوش کے مشورہ سے یہاں قیام کیا۔ ہوٹل اگرچہ کافی بڑا ہے۔ مگر انتظام معقول نہیں۔ کرایہ بھی بہت کافی ہے۔ ایک کمرے کے ساڑھے گیارہ روپیہ روزانہ مع کھانے کے مجھ سے لئے۔ اور بجلی کے پنکھے کے ۱۲ر علیحدہ دیئے۔ کمرے میں پلنگ موجود تھا مگر بچھونا ندارد۔ غسلخانے نہایت گندہ، تولیئے صابون ندارد۔

کلکتہ

۲۳ رکی صبح کو کلکتہ کی سیر کی۔ یہ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ افسوس اگرچہ عمارات کافی بڑی اور نہایت شاندار ہیں۔ لیکن صفائی نہایت ناقابل اطمینان۔ سڑکوں پر غلاظت کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ خاص خاص سڑکوں کو چھوڑ کر باقی سڑکیں بھی ٹوٹی پھوٹی اکھڑی پڑی ہیں۔

کلکتہ کا چڑیا گھر

سب سے پہلے میں چڑیا گھر دیکھنے کے لئے گیا۔ جو نہایت وسیع ہے مگر کوئی خاص چیز نظر نہ آئی جو اور جگہ نہ دیکھی ہو۔ بااستثنائے چند یعنی زیبرہ۔ مگرمچھ۔ اور بہت سے قسم کے سانپ۔ جن میں دکن کا ہرا سانپ خاص طور پر عجیب چیز ہے۔ پیاز کی آل کے برابر موٹا مگر تین چار گز لمبا گھاس میں لپٹ جاتا ہے تو بالکل گھاس کے رنگ میں مل جاتا ہے۔

وکٹوریہ میموریل

چڑیا گھر سے وکٹوریہ میموریل دیکھنے کے لئے گیا۔ سنگ مرمر کی نہایت خوبصورت اور بڑی مرتفع عمارت ہے۔ جو کسی ملک

اور کسی شہر کے لئے باعث فخر وامتیاز ہو سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہولی کے باعث آج بند تھی۔ اندرونی حصہ نہ دیکھ سکا۔

انڈین میوزیم

یہاں سے انڈین میوزیم گیا۔ اور راستہ میں بنگال کلب یونائیٹڈ سروس کلب۔ ایشیاٹک سوسائٹی کی عالیشان عمارات دیکھیں۔ میوزیم پہنچ کر پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ میوزیم بھی ہولی کی وجہ سے بند تھا۔

میونسپل مارکٹ

یہاں سے میونسپل مارکٹ گیا۔ اور راستہ میں الفنسٹن تھیٹر اور میڈن تھیٹر دیکھے۔ مارکٹ بڑا ضرور ہے لیکن کچھ اس بُری طرح بنایا ہے کہ دیکھ کر بجائے مسرت کے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

کاش اگر دو تین منزلہ عمارت ہوتی۔ دکانوں کو قرینہ سے ترتیب دیا جاتا صفائی کا خیال رکھا جاتا تو یہی قابل دید چیز بن جاتی۔ مارکٹ میں جگہ جگہ لکھا ہوا ہے "جیب کتروں سے ہوشیار"۔ آہ غیر ملکی سیاح کے دل پر اس فقرے کا کیا اثر ہوتا ہوگا۔

پھر یہاں کے دکاندار آٹے کی چیز کے کم از کم چار آنے مانگتے ہیں۔ دکاندار اور خریدار میں اچھی خاصی رساکشی ہوتی ہے جب دو چار چیزیں خریدی جاتی ہیں۔

وہائٹ وے لیڈلا

مارکٹ سے وہائٹ وے لیڈلا کے یہاں پہونچا۔ جس کی بہت تعریف سن چکا تھا۔ نہایت ہی اشتیاق کے ساتھ عمارت میں داخل ہوا۔ مگر کیا بتاؤں کہ کس قدر مایوسی ہوئی۔ ٹوکیو کا چھوٹے سے چھوٹا اسٹور بھی اس سے کم از کم دس گنا بہتر ہے۔

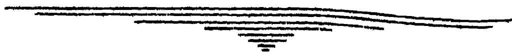
یہ سہ منزلہ عمارت ہے۔ بیچ میں چھوٹا سا لفٹ ہے۔ ایک جانب لکڑی کا زینہ ہے بیچنے والے مرد وعورتیں دونوں ہیں۔ جو اینگلو انڈین، اور نیٹو کرسچن طبقے سے ہیں۔ ان کے علاوہ ہندوستانی لڑکے بھی نوکر ہیں۔ جو میم صاحبوں کا حکم بجالاتے رہتے ہیں حیرت ہے کہ گلاس کیسوں کے شیشے اور فریم گرد آلود تھے۔ اور جو چیزیں میزوں پر لگی تھیں

ان پر بھی گرد پڑی ہوئی تھی۔

یہاں کچھ سامان خرید کر واپس ہوٹل گیا۔ اور اسی روز شب کو دس بجے پنجاب میل میں ہوڑہ اسٹیشن سے سوار ہو کر اگلے دن یعنی ۲۳ مارچ کی شام کو ساڑھے نو بجے دہلی جا پہنچا۔

آہ دہلی! تیری کشش مجھے ہزاروں کوس سے کھینچ لائی۔ تیری محبت، اور تیری تاریخی عظمت کا تو ایک شمہ بھی میرے دل سے کم نہیں ہوا۔ مگر تیری حالت زار دیکھ کر بے اختیار رونا آتا ہے۔

کشورِ ہند کا دارالسلطنت بن کر بھی تیرے بخت خفتہ بیدار نہ ہوئے۔ حیف اے فرزندانِ ہند صد ہزار حیف۔



فہرست مطالب

(۱) جغرافیائی حالات۔

(۲) موسمی تغیرات۔

(۳) جاپانیوں کی قومی و نسلی خصوصیات۔

(۴) جزائر جاپان کی تاریخ۔

(۵) جاپانیوں کی معاشرت۔

بہار کی خوشیاں - چراغاں کا میلہ - شاہنشاہ میجی کی برسی - گل داؤدی کا تہوار - شاہنشاہ میجی کی سالگرہ - چاولوں کا تہوار - کرسمس شاہنشاہ تالشو کی برسی - جاپانیوں کی مہمان نوازی، جاپانی مکانات، لباس - غذا -

(۶) جاپانی فنون -

مصوّری - مجسمہ سازی - فن تعمیر - فن موسیقی، اسلحہ سازی - اشیا پر لاکھ کا روغن -

(۷) جاپانی زبان کی چند دلچسپ خصوصیات -

چینی و جاپانی زبانوں کا فرق - چینی الفاظ کا اختلاط - جاپانی تحریر کی ابتدا - حروف ہجی چینی رسم الخط - چینی علاماتِ الفاظ میں ترتیب - جاپانی حروف ہجی - دیگر خصوصیات -

(۸) ادبیات جاپان پر ایک نظر -

جاپان کا معلم اوّل - جاپانی لٹریچر کی ابتدا - حروف ابجد کا موجد - سولھویں صدی تک کی تصانیف - قدیم لٹریچر کا آخری دور - جدید لٹریچر کے پانچ دور، صحافت کی تاریخ - دو مشہور اخبارات - اخبارات کی چند خصوصیات - اخبارات کی مشکلات جاپان کو انگریزی روزنامے ماہوار رسائل کی حالت - چند مشہور رسائل -

(۹) مذاہب و عقاید -

چار مذاہب - توہم پرستی -

(۱۰) حکومت و سیاست -

حقوق شاہی - رعایا کے حقوق و فرائض، شاہی پارلیمنٹ - سیاسی پارٹیاں - مرکزی حکومت - مالیات سلطنت - قومی قرضہ جات - موجودہ شاہنشاہ کی مختصر سوانح حیات - ملکہ جاپان اور اُن کی اولاد -

(۱۱) تحفظ قومی -

جبریہ فوجی خدمت - تخفیف اسلحہ - موجودہ برّی و بحری قوت -

(۱۲) مقبوضات و نوآبادیات۔

کوریا۔ تیوان۔ کرافوتو۔ جنوبی منچوریا۔ بحرِ جنوبی کے جزائر محروسہ۔

(۱۳) تعلیم۔

تعلیم کی تاریخ، پرائمری اسکول۔ کنڈرگارٹن، اندھوں گونگوں کے مدارس۔ ثانوی تعلیم۔ ہائی اسکول۔ یونیورسٹی۔ نارمل اسکول۔ زراعتی تجارتی اور حرفتی مدارس۔ غیر ملکوں میں تعلیم۔ تعلیم کی چند خصوصیات۔

(۱۴) کھیل تماشے۔

مغربی کھیل۔ پیراکی۔ کھیلوں کی انجمنیں۔ سپاہیانہ کھیل۔ عام کھیل۔ بچوں کے کھیل۔

(۱۵) صنعت و حرفت و تجارت۔

تجارت۔ ریلوے۔ جہازرانی۔ غیر ملکی تجارت۔ ہندوستان سے تجارت۔ صنعت وحرفت۔ ریشم۔ سوت کاتنا۔ ریشم کاتنا۔ سنی کاتنا۔ پارچہ بافی۔ کاغذسازی۔ بجلی و گیس۔ کان کنی۔ زراعت۔ جنگلات۔ ماہی گیری۔

(۱۶) تتمہ اوّل سیاحوں کے لئے مفید معلومات۔

پاسپورٹ۔ ویزہ۔ ہمراہ نقدی رکھنا۔ بیمہ۔ سفر کا موسم، رختِ سفر۔ چیچک کا ٹیکہ دوران سفر میں، سکے۔ ڈاکخانہ کی شرح محصول۔ اوزان و پیمائش۔ چند ضروری جاپانی الفاظ کی فہرست۔

(۱۷) تتمہ ثانی۔

انگریزی زبان میں جاپان کے متعلق مستند کتابیں۔

(۱) جغرافیائی حالات

محل وقوع سلطنت نیپّان یا جاپان شمالی بحرالکاہل کے شمالی مغربی گوشہ میں براعظم ایشیا کے مشرقی ساحل سے متصل ۲۱ درجہ ۴۵ دقیقے شمالی عرض البلد سے پچاش درجے چھپّن دقیقے شمالی عرض البلد تک اور ۱۱۹ درجے ۱۸ دقیقے طول البلد سے ۱۵۶ درجے ۳۲ دقیقے طول البلد تک پھیلی ہوئی ہے۔

سلطنت جاپان کتنے جزائر کا مجموعہ ہے؟ تمام سلطنت چھ بڑے اور ایک ہزار چھ سو بیس چھوٹے جزائر و مجمع الجزائر اور جزیرہ نمائے چوزن (کوریا) و جزیرہ نمائے کن ٹنگ پر مشتمل ہے۔

بڑے بڑے جزیرے چھ بڑے جزائر کے نام حسب ذیل ہیں۔ ہانشو (سب سے بڑا جزیرہ جس پر دارالسلطنت واقع ہے) شی کاکو۔ کیوشو۔ ہوکیڈو۔ تیوان۔ (فارموسا) جنوبی کرافوتو (سنگالین) ان میں سے تین اوّل الذکر جزیرے یعنی ہانشو۔ شی کاکو۔ اور کیوشو جاپانی نسل کا مسکن ہیں۔ ان کی آبادی کو پورے پورے حقوق شہریت حاصل ہیں۔ باقی جزائر میں جاپانی نوآبادیات ہیں۔ اور آبادی کی زیادہ تعداد نسلاً غیر جاپانی ہے۔ مگر جاپانی رعایا ہے۔

چھوٹے چھوٹے جزیرے چھوٹے جزائر میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔ باقی بہت چھوٹے یا غیر آباد ہونے کے باعث قابلِ اعتنا نہیں ہیں۔

سادو۔ اوکی۔ سوشیما۔ اکی۔ اواجی۔ مجمع الجزائر ہوکو (Pescadores) مجمع الجزائر چیشیما (Kurile) مجمع الجزائر کاساوادا (Bonin) مجمع الجزائر ریوکیو (LOOCHOO)

ہوکیڈو۔ ہانشو۔ کیوشو۔ شی کاکو کے علاوہ دیگر تمام اجزائے سلطنت گذشتہ پچاس سال میں روس و چین سے لڑائیوں میں فتح پاکر یا معاہدوں کے ذریعہ سے حاصل کئے گئے ہیں۔

رقبہ کل سلطنت کا رقبہ دو لاکھ ساٹھ ہزار سات سو چار مربع میل ہے۔ ساحل کا مجموعی طول اٹھائیس ہزار چار سو بائیس میل ہے۔ گویا اوسط لگایا جائے تو ہر دس مربع میل رقبہ کے لئے ایک میل سے کچھ زیادہ لمبا ساحل موجود ہے۔

آبادی جاپان کی آخری مردم شماری یکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء کو ہوئی تھی۔ اس کی رپورٹ کے مطابق تمام جاپان خاص (یعنی جزائر ہوکیڈو۔ ہانشو۔ کیوشو۔ شی کاکو) کی کل آبادی ۶ کروڑ ۴۴ لاکھ ۵۰ ہزار سات سو چھبیس ہے اور سابقہ مردم شماری یکم اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء میں ۵ کروڑ ۹۷ لاکھ ۳۶ ہزار آٹھ سو بائیس تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ پانچ سال میں ۹،۷ فی صدی کی زیادتی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس سے پچھلے پانچ سال میں (سنہ ۱۹۲۰ء تا سنہ ۱۹۲۴ء) زیادتی صرف ۶،۷ فی صدی ہوئی تھی۔

دنیا بھر کے ان تمام ممالک میں جہاں گذشتہ دس سال میں مردم شماری ہوئی ہے ہندوستان (۳۲ کروڑ)، روس (ساڑھے چودہ کروڑ)، ریاستہائے متحدہ امریکہ (ساڑھے دس کروڑ) کے بعد جاپان کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔ اور اگر زیادتی آبادی کی شرح فی صدی کا لحاظ کیا جائے تو تمام دنیا میں کوئی ملک جاپان کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ اس کی آبادی تو سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ مگر سلطنت کی وسعت میں کوئی معتدبہ اضافہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جاپان کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جاتی ہے۔ اور موجودہ جنگ چین یا آئندہ ایک زبردست جنگ کا خطرہ اس کا قدرتی و لازمی نتیجہ نظر آتا ہے۔

اوپر صرف جاپان خاص کی آبادی کے اعداد و شمار درج ہیں۔ اگر مقبوضات و نوآبادیات کی آبادی بھی اُس میں شامل کی جائے تو کل تعداد (مطابق مردم شماری واقع یکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء)

۹ کروڑ ۳ لاکھ ۵ ۹ ہزار اکتالیس ہو جاتی ہے۔

سلطنت میں اوسط آبادی فی مربع کیلو میٹر ۱۳۴ ہے۔ مگر جاپان خاص میں ۱۶۹ ہے۔ اس خصوص میں جاپان دنیا کے چند سب سے زیادہ گنجان آبادی رکھنے والے ممالک میں سے ہے۔ آبادی میں ذکور وانات کی نسبت بالترتیب ۳ ۱۰۲ : ۱۰۰۰ ہے جاپان خاص کی آبادی میں شہری آبادی کی نسبت کل آبادی میں ۲۴ فی صدی ہے۔ باقی ۷۶ فی صدی دیہی آبادی ہے۔ شہری آبادی کا تناسب گذشتہ پندرہ سال میں بڑی سرعت سے بڑھا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ صنعت وحرفت وتجارت کی غیر معمولی ترقی کے باعث بکثرت آبادی دیہات سے شہروں میں منتقل ہوئی ہے۔ اور ہو رہی ہے۔

شہروں کی تعداد

جاپان خاص میں کل ۱۰۹ شہر ہیں۔ ان میں سے ۲۸ کی آبادی ایک لاکھ سے زائد ہے۔ ان اٹھائیس شہروں کی مجموعی آبادی ایک کروڑ ۱۱ لاکھ ۲۹ ہزار سات سو سینتالیس یعنی کل جاپان خاص کی آبادی کا چھٹا حصّہ ان شہروں میں آباد ہے۔

شہروں کی آبادی

ان میں سب سے بڑے چھ شہروں کی آبادی حسب ذیل ہے:۔

اُوساکا	۲۴۵۳۵۶۹
توکیو	۲۰۷۰۵۲۹
ناگویا	۹۰۷۴۰۲
کوبے	۷۸۷۵۹۶
کیوتو	۷۶۵۱۴۲
یوکوہاما	۶۲۰۲۹۶

ان کے بعد ہیروشیما، فوکواوکا اور ناگاساکی کی آبادی ۲ لاکھ سے زائد ہے

باقی ۱۹ شہروں کی آبادی ایک لاکھ سے زائد مگر دو لاکھ سے کم ہے۔

سطح و ساخت

جاپان خاص کوہستانی ملک ہے۔ اس لئے اس کی سطح نہایت ناہموار ہے جزیرہ ہانشو میں تین متوازی سلسلہ ہائے کوہ جن کی ساخت آتش فشانی ہے۔ شمالاً جنوبی پورے طول میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پہاڑوں کے درمیان ۲۰۰ آتش فشاں دہانے پائے جاتے ہیں جن میں سے پچاس اب بھی آگ، دھواں، راکھ اور لاوا اُگلتے رہتے ہیں۔

سطح و ساخت کے اثرات اور نتائج

اس ساخت کے گوناگوں نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اوّل تو ان پہاڑوں کے ڈھال لہلہاتے ہوئے سبزے خودرو پھولوں اور سدا بہار پودوں اور اس کی قسم کے درختوں سے پٹے پڑے ہیں۔ نیز اُن کے درمیان دلفریب وادیاں واقع ہیں۔ سینکڑوں آبشاریں گنگناتی ہیں بکثرت تیز رو ندی نالے کف اُڑاتے بھاگے چلے جاتے ہیں۔ اور ہزاروں گرم و سرد قدرتی چشمے اُبلتے ہیں اِن میں سے ۳۰۰ اپنے کیمیائی اور طبّی فوائد کے لئے بہت مشہور ہیں۔
اِن تمام قدرتی دلفریبیوں نے ملک کو سیّاحوں کے لئے پرستان بنا دیا ہے۔ ہر سال ہزاروں سیّاح و عالم نورد اکنافِ عالم سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ نیز مناظرِ قدرت کی دلآویزی اور کثرت نے یہاں کے باشندوں کو حُسنِ فطرت کا دلدادہ بنا دیا ہے۔ اور اُن میں جمالیات کا ایسا ذوقِ سلیم پیدا کر دیا ہے کہ اس خصوص میں دنیا کی کوئی قوم ان کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ اس جمالیات کے ذوق کا اثر نہ صرف ان لوگوں کی روزانہ زندگی میں نظر آتا ہے، بلکہ ان کی صنّاعی پر بھی پڑتا ہے جس سے ساری دنیا حسب استعداد متمتع ہوتی ہے۔

مگر فطرت حُسن و زیبائش کی دولت اس قوم کو دے کر ایک زبردست خراج وصول کرتی ہے۔ یعنی وہی آتش فشانی قوت جو اس قدر زرخیزی اور ملک کو حُسن کے سانچے میں ڈھالنے کی موجب ہے، اکثر زمین کو لرزہ براندام کرتی رہتی ہے۔ یہ آتش فشانی دیو اس

پرستان کا مالک ہے۔ جب تک سوتا رہتا ہے۔ انسان بے خبر اس پرستان سے لذت اندوز ہوتا رہتا ہے۔ لیکن جب یہ دیو بیدار ہوتا ہے تو اپنے ملک میں انسان کا دخل بیجا دیکھ کر ایسا سخت انتقام لیتا ہے کہ ہزاروں انسانی جانیں اُس کے غصہ کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔

پہاڑوں کی کثرت اور وادیوں اور میدانوں کی قلّت کا اثر یہ ہے کہ بڑے شہر بسنے کی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے جتنے بڑے شہر ہیں باستثنائے کیوتو تمام سمندر کے کنارے واقع ہیں۔

دوسرا اثر یہ ہے کہ زراعت کے لئے موزوں زمین بہت تھوڑی رہ گئی ہے حتیٰ کہ تمام رقبہ میں سے صرف پندرہ سولہ فی صدی زمین زیر کاشت ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے واسطے جاپانی کسان کو تھوڑی زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ محنت اور بکثرت کھاد استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ملک کی چوڑائی بہت ہی کم ہے۔ بعض مقامات پر تو سمندر سے سمندر تک صرف پچاس میل کا فاصلہ ہے۔ اور ۲۰۰ میل سے زیادہ کہیں نہیں ہے۔ ملک کی چوڑائی کم، پہاڑوں کی کثرت، بارش کی فراوانی، نتیجہ یہ ہے کہ دریا بہت چھوٹے چھوٹے مگر نہایت تیز رو ہیں۔ تین سب سے لمبے دریا صرف ۲۰۰ میل لمبے ہیں۔ ان کے بعد پندرہ دریا ایسے ہیں جو سو میل سے زیادہ لمبے ہیں۔ باقی اس سے بھی کم طول رکھتے ہیں۔

یہ دریا کشتی رانی یا آب پاشی کے قابل تو نہیں ہیں مگر ان سے برقی قوت بکثرت پیدا کی جاتی ہے۔ جس سے ملک میں سینکڑوں صنعتی کارخانے چل رہے ہیں۔

ساحل

جاپان کا ساحل بہت کٹا پھٹا ہے۔ مشرقی ساحل بہ نسبت مغربی ساحل کے زیادہ ٹوٹا پھوٹا ہے۔ اس لئے اس پر بہت سی عمدہ بندرگاہیں پائی جاتی ہیں جن کے ذریعہ سے شاندار غیر ملکی تجارت کی درآمد برآمد جاری ہے۔ بحری بیڑے کے تحفظ و قیام کے لئے تمام ساحل میں متعدد بحری چھاؤنیاں بنی ہوئی ہیں۔ علاوہ بریں بکثرت

مقامات سمندر کے کنارے بطور تفرج گاہ مستعمل ہیں۔

ایک تو ملک کم چوڑا ہے۔ پھر ساحل کٹا پھٹا اور سمندر دور دور تک اندر آیا ہوا ہے۔ اس لئے آبادی کا ایک معتد بہ حصہ ملاحی، ماہی گیری اور دیگر بحری صنعتوں اور پیشوں سے روزی کماتا ہے۔ اسی باعث یہاں سینکڑوں قسم کی مچھلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور مچھلی غذا کا لازمی جزو ہے۔

آب و ہوا چونکہ سلطنتِ جاپان منطقہ باردہ سے حارّہ تک دو ہزار دو سو میل کے طول میں پھیلی ہوئی ہے اس لئے تمام سلطنت کی آب و ہوا یکساں نہیں ہے ایک طرف شمال میں کیورائل اور سنگھالین کے جزیرے ہیں جو تمام سال سخت سردی کے باعث برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ دوسری طرف جنوب میں جزیرۂ فارموسا ہے کہ جہاں اپریل سے اکتوبر تک سخت گرمی پڑتی ہے۔ اور نومبر سے مارچ تک خوب سردی ہوتی ہے۔ کوریا۔ اور منچوریا کی آب و ہوا برّی ہے۔ اس لئے باوجود شمالی عرض البلد میں واقع ہونے کے گرمی میں گرمی اور سردیوں میں سردی کی زیادتی ہوتی ہے۔

خود جزائر جاپانِ خاص (ہوکیڈو، ہانشو، کیوشو، شی کاکو) میں شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کی آب و ہوا میں بڑا فرق ہے۔ ہوکیڈو میں جو شمال میں واقع ہے نومبر سے مئی تک مسلسل برف باری ہوتی رہتی ہے، اور تمام کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ گرمیوں میں دن کے وقت اتنی گرمی ہوتی ہے کہ لوگ ٹھنڈے کپڑے پہنتے ہیں۔ مگر اگست میں بھی صبح و شام اس قدر سردی ہوتی ہے کہ گرم کپڑوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جزیرۂ خاص یعنی ہانشو میں بھی آب و ہوا کا بہت کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مغربی حصّہ بہ نسبت مشرقی کے اور جنوبی حصّہ بہ نسبت شمالی کے گرم تر ہے۔ تاہم من الحیث المجموع کہہ سکتے ہیں کہ اس جزیرہ کی آب و ہوا معتدل ہے۔

دسمبر جنوری اور فروری میں اکثر مقامات پر برفباری ہوتی ہے اور سخت سردی

پڑتی ہے۔ اس زمانے میں سرد موسمی ہوائیں برّاعظم ایشیا سے جزائر جاپان کی جانب چلتی رہتی ہیں۔ جولائی اور اگست میں کافی تیز گرمی پڑتی ہے۔ کرۂ ہوائی میں رطوبت حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ہوا اکثر بند رہتی ہے۔ اس لئے حالت نہایت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ مگر باستثنائے چند صبح شام اور راتیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ سال میں اوسط دو سَو دن بارش کے ہیں۔ جولائی اور ستمبر برسات کے موسم خیال کئے جاتے ہیں۔

موسم گرما میں درجۂ حرارت زیادہ سے زیادہ ۳۸ درجے سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ اور سرما میں کم سے کم درجہ حرارت جزیرہ ہانشو میں نقطہ انجماد سے ۲۴ درجے سینٹی گریڈ نیچے ہوتا ہے۔ توکیو میں حالانکہ نسبتاً کم سردی ہوتی ہے۔ لیکن وہاں بھی عموماً سات آٹھ درجے سینٹی گریڈ نقطہ انجماد سے نیچے رہتا ہے۔

پیداوار چونکہ سلطنت جاپان دو ہزار دو سو میل تک شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کے مختلف حصّوں میں تقریباً ہر قسم کی حیوانی و نباتاتی زندگی پائی جاتی ہے۔

جاپان خاص میں چاول اور چائے کی کاشت بکثرت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی باشندوں کی خاص غذا ہے۔ اس کے علاوہ گیہوں۔ جو۔ مکی۔ مٹر۔ موٹھ۔ مونگ۔ اور تل کی محدود پیداوار ہے۔

ترکاریاں ترکاریوں میں آلو، شلجم۔ اروی۔ گوبھی۔ کرم کلہ۔ بینگن۔ ٹماٹر۔ مولی گاجر۔ چقندر۔ کھیرا۔ ککڑی، ادرک۔ پیاز۔ لہسن۔ سرخ مرچ۔ اور کئی قسم کے ساگ اور دوسری جاپانی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کے مزے اور شکلیں عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ مثلاً بانس کا پھل۔ ایک قسم کی بند گوبھی جس کے پتّے بال کی طرح باریک ہوتے ہیں۔ ایک قسم کی ترکاری جو بلبول سے کچھ چھوٹی ہوتی ہے۔ مگر اُس پر ہرے پتے

پیاز کی طرح تہ بتہ ہوتے ہیں۔

پھل پھلوں میں سیاہ انگور، آڑو۔ بیر، اسٹابری، چیزنٹ اور گولر ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں ایک قسم کا مخصوص جاپانی پھل موسم خزاں میں پکتا ہے۔ یہ سیب کے برابر ہوتا ہے۔ اور صورت ایک بڑے ٹماٹر سے ملتی ہے۔ شیریں ہوتا ہے۔ سیب، ناسپاتی، انناس، کیلہ، سنترے، لیموں، تربوز، سردے، لوکاٹ، اور ناریل فارموسا سے آتے ہیں۔

درخت سرو، صنوبر، دیودار، کرپٹومیریا۔ اور اس قسم کے سدا بہار درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ پیپل، بلوط، کافور، بیر، آڑو، چیری اور شہتوت بھی بکثرت ہوتے ہیں۔ بانس بھی بہت زیادہ اور نہایت عمدہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ضروریات زندگی میں بڑی کثرت سے مستعمل ہے۔ شہتوت کا درخت بڑا نہیں ہوتا۔ اور صرف ریشم کے کیڑوں کو پالنے کے لئے بویا جاتا ہے۔
دیودار کے جنگل بکثرت ہیں۔ ان کی لکڑی بجلی کے کھمبوں۔ جہاز سازی اور تعمیر کے لئے مستعمل ہے۔ نیز اس سے پانی رکھنے کے برتن اور نہانے کے ٹب وغیرہ بھی بناتے ہیں۔

حیوانات حیوانات بھی انواع و اقسام کے پائے جاتے ہیں۔ ان میں دو سو ستر قسم کے دودھ پلانے والے۔ آٹھ سو قسم کی چڑیاں۔ ڈھائی ہزار قسم کی مچھلیاں۔ ساڑھے دس ہزار قسم کے کیڑے۔ ایک سو اُنّیس قسم کے زہریلے کیڑے سانپ وغیرہ ہوتے ہیں۔

وحشی جانور جاپان خاص میں وحشی جانوروں میں گیدڑ۔ لومڑی، ریچھ، جنگلی سوئر ہرن۔ خرگوش۔ آبادی میں رہنے والے اور پالتو جانوروں میں کتا۔ بلی، گائے۔ گھوڑا۔ اور مرغیاں پائی جاتی ہیں۔ بھیڑ۔ بکریاں نہیں ہوتیں۔ ریچھ اور سوئر کے علاوہ درندوں سے بھی ملک خالی ہے۔

سانپ وغیرہ سانپ، گرگٹ، چھپکلی کے قسم کے جانور بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

مگر عموماً مردم آزار نہیں ہوتے۔

چڑیاں وغیرہ چڑیوں میں خانگی چڑیاں، کوّے، مرغابیاں۔ قازین۔ بگلے۔ سارس۔ جل کاگ۔ ایک قسم کا مور (فیزنٹ) ایک قسم کی بلبل اور بطخیں پائی جاتی ہیں۔

حشرات الارض کیڑوں میں مچھّر، مکڑی، پسّو، مکھی، کھٹمل چیونٹیاں، کینچوے بھڑیں، اور پروانے ہوتے ہیں۔ مگر صرف موسم گرما میں دکھائی دیا کرتے ہیں۔

(۲) موسمی تغیرات

جاپان میں سال کے چار موسم ہوتے ہیں۔ سرما و گرما و بہار و خزاں

موسمِ سرما

دسمبر، جنوری اور فروری

یوں تو نومبر ہی سے سردی شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن دسمبر آتے ہی سردی کی شدت ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ قصبات میں عموماً کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ یہ کسانوں کے لئے آرام کا زمانہ ہے۔ شہروں میں اگرچہ کاروبار تو بند نہیں ہوتے۔ دفاتر، تجارتی کوٹھیاں فیکٹریاں۔ مدرسے اور دکانیں برابر کھلی رہتی ہیں۔ خرید و فروخت اور آمد و شد کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ مگر فضا پر ایک اداسی اور ایک دہشت انگیز سناٹا چھایا رہتا ہے گھروں میں انگیٹھیاں روشن رہتی ہیں۔ عموماً جاپانی اپنے گھروں میں لکڑی کا کوئلہ چینی کی انگیٹھیوں میں جلاتے ہیں۔ لیکن بڑے شہروں میں معدنی کوئلہ یا بجلی و گیس کی انگیٹھیوں سے گھر گرم کرنے کا رواج عام ہوتا جاتا ہے۔ بھاپ کے ذریعہ سے عمارات کو گرم کرنے کا طریقہ جدید ترین اور بہترین ہے۔

برفباری کی کثرت

جزیرۂ ہانشو میں دسمبر کے اواخر میں برفباری شروع ہوتی ہے اکثر سفید سفید بادل چھائے رہتے ہیں پہلے دو تین بار برف پڑتا ہے تو زمین تک آتے آتے پگھل جاتا ہے۔ پھر باجرے کی طرح برستا ہے اور ایک آدھ انچ پڑ کر بند ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ۲۴۔ اور ۳۶ گھنٹے تک مسلسل برفباری ہوتی ہے۔ اور روئی کے گالوں کی طرح ایک ایک گچھا اتنا بڑا بڑا گرتا ہے کہ پوری ہتیلی ڈھک جائے۔ زمین پر فٹ فٹ بھر برف کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ آمد و رفت میں سخت دشواری پیش آتی ہے۔ شہروں میں میونسپلٹی کی طرف سے ہزاروں آدمی اس کام پر

متعین ہوتے ہیں کہ سڑک سے برف ہٹاتے رہیں۔ اور لاریوں میں لاد لاد کر شہر سے باہر لیجاتے ہیں۔ برفباری کے بعد ہر طرف بازاروں میں یہ لوگ کام کرتے نظر آتے ہیں۔ گھروں یا دُکانوں کے سامنے سے خود دکان یا مکان کے ملازمین بھی برف ہٹاتے رہتے ہیں جس مقام پر پڑا رہ جاتا ہے دب دب کر سخت ہو جاتا ہے، اور اس پر پیر پھسلتا ہے۔ برفباری کا منظر نہایت خوبصورت ہوتا ہے۔ درخت زمین عمارات آسمان غرض ہر چیز سفید ہو جاتی ہے مگر فضا پر ایسی خاموشی چھا جاتی ہے کہ اس خوبصورتی کو دیکھ کر دل شگفتہ نہیں ہوتا۔

برفباری کے وقت سردی کچھ بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ بلکہ برفباری درجہ حرارت کو زیادہ گرنے نہیں دیتی۔ برفباری کے وقت اگر تیز ہوا چلے تو برف کے ذرات جو سوئی کی طرح نوکدار ہوتے ہیں جسم کے جس حصّہ پر پڑتے ہیں وہاں زخم ڈال دیتے ہیں لیکن میں نے یہاں یہ خصوصیت دیکھی کہ بالعموم برفباری کے وقت ہوا بند رہتی ہے۔

موسم سرما میں جب برفباری نہیں ہوتی تو شب کے وقت درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے کئی درجے نیچے ہو جاتا ہے۔ صبح کے وقت نلوں میں پانی جم جاتا ہے۔ زمین پر جہاں جہاں نمی ہوتی ہے برف کے شورے جیسے قلم پانچ چھ انچ اونچے گھاس کی طرح عموداً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور دن کو دس گیارہ بجے سے قبل نہیں پگھلتے۔ پالا اس طرح پڑتا ہے کہ زمین پر چونا سا بکھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

سردی سے بچنے کے ذرائع

سردی کی یہ شدّت اور اس پر لکڑی کے مکانات، اس صورت میں اگر مصنوعی ذرائع سے اُن کو گرم نہ رکھیں تو زندگی محال ہو جائے۔ جاپانی گھروں میں یا تو چینی کی نہایت خوبصورت گول انگیٹھیاں ہوتی ہیں یا لکڑی کی بکس نما انگیٹھیاں۔ ان میں سفید راکھ چھان کر بھرتے ہیں۔ اور لکڑی کا کوئلہ جلاتے ہیں۔ ہر وقت اُس آگ کو قائم رکھتے ہیں، اور جلتی ہوئی کیتلی میں پانی اس آگ پر کھولتا رہتا ہے۔ گھر والے اس انگیٹھی کے گرد بیٹھ جاتے ہیں

چائے کا دور چلتا رہتا ہے۔ شب کو سونے سے قبل سارے گھر والے غسل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس غسل کی حرارت جسم میں دیر تک باقی رہتی ہے۔

جاپانی چونکہ اس سردی کے عادی ہوتے ہیں اس لئے وہ تو لکڑی کے کوئلے سے گذر کر لیتے ہیں۔ غیر ملکیوں کے لئے مکان گرم کرنے کے واسطے پتھر کا کوئلہ استعمال کرنا اشد ترین ضرورتِ زندگی ہے۔ صرف ایک بیٹھنے والے کمرے کو گرم رکھنے کے لئے ایک موسم گرما میں ڈیڑھ دو ٹن پتھر کا کوئلہ جلتا ہے۔

لحافوں، توشکوں میں دس بارہ سیر روئی ڈالتے ہیں، اور دو توشکیں اوپر نیچے بچھا کر اوپر سے دو لحاف اور اُن کے نیچے کمبل لگا کر اوڑھتے ہیں۔ اگر سوتے ہوئے انگلی بھی لحاف سے باہر نکل جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گل گئی۔ بعض لوگ ٹین کی ایک بڑی کپّی میں بہت تیز گرم پانی بھر کر سخت ڈاٹ لگا کر ایک موٹا کپڑا اس پر لپیٹتے ہیں اور لحاف کے اندر رکھ کر سوتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسی چھوٹی چھوٹی کپّیوں میں گرم پانی بھر کر پیٹ پر باندھے پھرتے ہیں۔

سردی کے موسم میں آتشزدگی کے حادثات

سردی کے موسم میں شہروں میں آتشزدگی کے حادثات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ توکیو کے رہنے والے تو تقریباً ہر شب "کاجی کاجی" (آگ! آگ!!) کی خوفناک آوازیں سنتے ہیں۔ ان کے ساتھ عورتوں اور بچّوں کی چیخیں آگ بجھانے والوں کا غُل وشور فائر بریگیڈ کے بگلوں اور گھنٹوں کی آوازیں نیند حرام کر دیتی ہیں۔

چونکہ عموماً مکانات لکڑی کے ہوتے ہیں اس لئے آگ اکثر نہایت ہولناک نتائج پیدا کرتی ہے۔ آدھ گھنٹے کے اندر اندر باوجود فائر بریگیڈ کی فوری اور انتہائی کوشش کے کئی مکان جل کر خاک کا ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ جس مکان میں آگ لگتی ہے۔ فائر بریگیڈ کبھی اُس کی آگ بجھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ اِرد گرد کے مکانات پر اس قدر پانی

برساتے ہیں کہ آگ پھیل نہیں سکتی۔ اس طرح جو مکانات آگ سے محفوظ رہتے ہیں ان کو پانی سے زبردست مالی نقصان پہنچتا ہے۔ فائر بریگیڈ کا انتظام نہایت معقول ہے۔ ہر محلہ میں اونچے اونچے لوہے کے مچان بنے ہوئے ہیں جن پر چوبیس گھنٹے ایک آدمی متعین رہتا ہے اور چاروں طرف نظر کرتا رہتا ہے۔ آگ کا شعلہ کہیں بلند نظر آیا اور اس نے وہیں سے فائر بریگیڈ کو ٹیلیفون کیا۔ اس مچان پر ایک بڑا گھنٹہ لگا ہوتا ہے وہ فوراً بجایا جاتا ہے تاکہ اس علاقے کے آدمیوں کو آگ لگنے کی خبر ہو جائے۔ اور وہ ہوشیار ہو جائیں۔ عموماً خبر پہنچنے کے دو تین منٹ بعد فائر بریگیڈ آ پہنچتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے۔

علاوہ بریں جاڑوں کی راتوں میں چوکیدار بھی دو لکڑیاں بجاتے پھرتے ہیں۔ جہاں کہیں شبہ بھی ہوتا ہے لوگوں کو ہوشیار کر دیتے ہیں۔

دیہات میں اس قسم کے انتظامات تو نہیں ہیں۔ لیکن وہاں رواجی قانون ہے کہ کہ آتشزدگی کے وقت مرد، عورت، جوان بوڑھے بچے سب اپنے گھر سے نکل کر فوراً مدد کے لئے موقعہ پر پہنچ جاتے ہیں۔

سردی کے موسم میں بھی کبھی کبھی بارش ہوتی ہے۔ ہفتہ میں دو چار روز دھوپ بھی نکلتی ہے۔ اور بعض دفعہ تو ہفتے عشرے تک برابر سورج چمکتا رہتا ہے۔

موسم بہار
(مارچ، اپریل۔ مئی)

مارچ شروع ہوتے ہی سردی کی شدت میں کچھ کمی ہو جاتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے۔ سیاہ رنگ کے بھاری اوورکوٹ اُتر جاتے ہیں۔ سردیوں میں بالعموم سیاہ یا دوسرے گہرے رنگوں کا لباس پہنا جاتا ہے۔ بہار شروع ہوتے ہی سب لوگ لباس تبدیل کر دیتے ہیں اور ہلکے ہلکے رنگوں کے اونی کپڑے پہنتے ہیں۔ طبائع میں خود بخود شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے تفریح گاہیں کھلیں۔ لوگوں نے جوق در جوق گھر سے باہر سیر و تفریح کے لئے نکلنا شروع کیا

اپریل ختم ہوتے ہی صرف گلابی جاڑہ رہ گیا۔مئی کے مہینے میں موسم نہایت درجہ خوشگوار ہوتا ہے۔جو درخت موسم سرما میں صرف سیاہ ٹھنٹ رہ گئے تھے۔اپریل میں یکایک دوبارہ زندہ ہو گئے۔کونپلیں پھوٹیں۔مئی کے مہینے میں پتوں سے لد گئے۔اسی زمانے میں دفعتاً چیری کا پیڑ پھولتا ہے۔اور اس طرح پھولوں سے لد جاتا ہے کہ پھولوں کا ڈھیر معلوم ہونے لگتا ہے۔جن مقامات پر یہ درخت کثرت سے ہیں وہاں لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔اس موسم میں چیری کے علاوہ اور بے شمار قسم کے رنگ برنگ پھول اس قدر کھلتے ہیں کہ تمام ملک گلزار ہو جاتا ہے۔گھاس جو جاڑوں میں جل گئی تھی۔اب پھر زندہ ہو جاتی ہے۔اور ہر سو بجز سبزۂ خوابیدہ و گل دمیدہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔دھان کا پودا جو اب تک برف کے نیچے دفن تھا۔یکایک سر باہر نکالتا ہے۔اور تیزی سے بڑھنے لگتا ہے۔کھیتوں کی سر سبزی آنکھوں میں کھبی جاتی ہے۔

اس موسم میں اکثر ہوا تند چلتی ہے۔اور کبھی کبھی بارش بھی ہوتی ہے۔

موسم گرما
(جون، جولائی، اگست)

ماہ جون شروع ہوتے ہی ہلکی ہلکی مگر خوش گوار گرمی شروع ہو جاتی ہے۔اس مہینہ میں موسم تقریباً ایسا ہی ہوتا ہے جیسا دہلی میں مارچ کا مہینہ۔

اواخر جون اور اوائل جولائی میں تند و تیز ہوائیں چلتی ہیں، اور خوب زور کی بارش ہوتی ہے۔یہ سال کی پہلی برسات ہے۔اگست سب سے زیادہ گرم مہینہ ہے۔اس میں بعض روز گرمی تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔اور شب کو بھی نیند مشکل سے آتی ہے۔پھر بھی شب کے وقت کوئی صحن میں نہیں سو سکتا۔کیونکہ اکثر دفعتاً موسم متغیر ہو جاتا ہے۔نیز ہوا اس قدر مرطوب ہوتی ہے کہ کھلی جگہ میں سونا خطرے سے خالی نہیں۔

اس زمانے میں مچھروں کی بڑی کثرت ہوتی ہے۔ان سے بچنے کے لئے لوگ مچھر دانیاں استعمال کرتے ہیں۔مگر یہاں کی مچھر دانیاں یا تو اس قدر بڑی ہوتی ہیں

کہ سارے کمرے کو ڈھک لیتی ہیں۔ یا اس قدر چھوٹی ہوتی ہیں کہ صرف انسانی جسم ڈھک سکتا ہے
با استطاعت لوگ پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں یا سمندر کے کنارے رہنے لگتے ہیں
جو اتنا خرچ برداشت نہیں کر سکتے وہ فرصت کے وقت سمندر یا دریاؤں اور نالابوں میں
نہاتے۔ تیرتے اور کشتی رانی کرتے ہیں۔ ایسے مقامات پر شام کے وقت بالخصوص بڑی
چہل پہل ہوتی ہے۔ سینکڑوں مرد و عورت بچے جوان۔ بوڑھے، ہنستے اور خوش فعلیاں
کرتے نظر آتے ہیں۔ مرد و عورت بلا تکلف برہنہ اور یکجا بلکہ مل جل کر نہاتے ہیں۔ مغربی
تقلید میں بعض لوگ تیرنے کا مخصوص لباس بھی پہن کر نہاتے ہیں۔ مگر وہ بھی برہنگی کے
مترادف ہے۔

آخر جولائی اور شروع اگست میں ہر سال تقریباً بیس ہزار زائرین بعض مقدس
پہاڑوں پر جاتے ہیں۔ بالخصوص کوہِ فوجی پر ہزاروں آدمی بڑے ذوق و شوق سے پیدل
جاتے ہیں۔ مدرسوں میں چونکہ لمبی تعطیلات موسمِ گرما میں ہوتی ہیں اس لئے طلبہ بھی کثرت سے
فرداً فرداً یا بڑی چھوٹی ٹولیوں میں پیدل پہاڑوں پر جاتے ہیں۔ اور کئی کئی روز قیام کرتے
اور لطفِ زندگی اُٹھاتے ہیں۔ کسانوں کے لئے یہ بڑی مصروفیت کا زمانہ ہے۔ آخر اگست میں
کھیتیاں کٹ جاتی ہیں۔

موسمِ خزاں
(ستمبر، اکتوبر، نومبر)

ستمبر شروع ہوا اور گرمی رخصت۔ خزاں آتی ہے اور سردی کا
پیغام لاتی ہے۔ آخر ستمبر تک سب لوگ پہاڑوں سے نیچے
اُتر آتے ہیں۔ اس زمانے میں سخت طوفان آتے ہیں۔ تند
و تیز ہوائیں چلتی ہیں اور خوب بارشیں ہوتی ہیں۔ کئی کئی روز سورج نظر نہیں آتا۔ یہ سال کی
دوسری برسات ہوتی ہے۔ مگر یہاں کی برسات ہندوستان سے کسی قدر مختلف ہوتی ہے
نہ ہندوستان کی سی کالی لال پیلی آندھیاں آتی ہیں۔ نہ اودی اودی گھٹائیں اُٹھتی ہیں
نہ وہ بجلی کی چمک اور بادل کی گرج ہوتی ہے۔ نہ ایسا موسلا دھار مینہ برستا ہے۔

گھٹا ہمیشہ بھورے رنگ کی آتی ہے۔ جاپانی گرج سے بہت ڈرتے ہیں۔ مگر میں نے اپنے دورانِ قیام میں صرف چند بار گرج سنی اور وہ بھی ایسی کہ ہندوستانی گرج سے اس کو کوئی نسبت نہیں۔ پھر بھی جاپانی مکان گرج کی آواز سے ہلنے لگتے ہیں۔

جاپان میں یہ موسم سب سے زیادہ خوشگوار ہوتا ہے۔ ہوا نہایت صاف ہوتی ہے اور گرمی کے بعد ہلکی ہلکی سردی بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔

اس موسم میں بھی کئی قسم کے پھول کھلتے ہیں۔ مگر خزاں کا خاص پھول "کیکو" یعنی گلِ داؤدی ہے۔ جس کی پرورش کرنے اور ہزاروں اقسام و اشکال پیدا کرنے میں جاپان نے بڑا کمال بہم پہنچایا ہے۔ اس زمانے میں گھر گھر یہ پھول نظر آتا ہے۔ شہر میں نمائشیں ہوتی ہیں۔ اور انعامات دئے جاتے ہیں۔

آخر اکتوبر میں درختوں کے پتے زرد بلکہ گہرے سُرخ ہو جاتے ہیں۔ اور نومبر میں سدا بہار درختوں کے علاوہ سب درختوں کے پتے جھڑ کر صرف ٹھنٹ کھڑے رہ جاتے ہیں۔ میپل ایک درخت ہوتا ہے جس کے پتے پنجے کی سی شکل رکھتے ہیں۔ خزاں میں یہ پتے گہرے سُرخ ہو جاتے ہیں۔ اور بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر پہاڑیوں پر یہ درخت بکثرت ہوتے ہیں۔ دور سے یہ سُرخ سُرخ پتوں کا جنگل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ لگ رہی ہے۔ اکثر لوگ اس منظر کو دیکھنے کے لئے ایسی سردی میں پہاڑوں پر جاتے ہیں۔

نومبر میں جاپان کا خاص پھل کاکی اور سیاہ انگور پک کر تیار ہوتے ہیں۔ اس مہینہ ہی میں سردی خوب تیز ہونے لگتی ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ ہر چیز پر اُداسی چھا جاتی۔ اور سردی کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) جاپانیوں کی قومی و نسلی خصوصیات

جزائر جاپان کے اصلی باشندے

بعض محققین کا قیاس ہے کہ جزائر جاپان کے اصلی باشندے ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتے تھے جو اب دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔ اور تاریخ عالم بھی ان کے حالات سے بے خبر ہے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ نہایت پست قامت اور سیاہ فام تھے۔ ان کے بدن بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ زیر زمین غاروں میں اقامت رکھتے تھے، اور دن کے وقت سوتے اور رات کو جاگتے تھے۔

اکثر محققین کو اس نظریہ سے انکار قطعی ہے، اور وہ نظریۂ بالا کو محض افسانہ و تخیل سمجھتے ہیں۔ اُن کا یقین ہے کہ اِن جزائر کے اصلی باشندے "اینو" تھے۔ جن کو موجودہ جاپانی قوم نے لڑ بھڑ کر شمالی جزیرہ ہوکیڈو کی طرف بھگا دیا۔ اور پھر ہوکیڈو کو فتح کر کے وہاں اس قوم پر ایسا تشدد کیا کہ آج کل یہ قوم گھٹتے گھٹتے بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ گمان ہے کہ چند صدیوں بعد دنیا سے بالکل ناپید ہو جائے گی۔

ریورینڈ بیچلر صاحب نے خود ہوکیڈو میں عرصہ تک رہ کر اس چراغ سحری قوم کے متعلق خوب خوب تحقیقات کی ہے، اور اپنی تصانیف[1] میں ان کے دلچسپ حالات سے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

نوٹ [1] :- ان تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(1) Ainu and their folk-lore.
(2) The Ainu of Japan. (3) Ainu life and lore - epochs of a departing race.

معلوم ہوتا ہے کہ نسلی خصوصیات کے لحاظ سے اینو لوگ امریکہ کے اصلی باشندوں سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ یہ لوگ ایک تہذیب قدیم کے حامل ہیں مگر حیف انقلاب روزگار نے ان کو ترقی کا موقعہ نہ دیا۔

یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ موجودہ جاپانی نسل ان جزائر کی اصلی اور قدیم متوطن نہیں ہے۔ بلکہ باہر سے بحیثیت فاتح یہاں آکر آباد ہوئی ہے۔ لیکن کب ؟ اور کہاں سے ؟ ان سوالات کا صحیح اور یقینی جواب دینا دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ محققین و مبصرین کی موشگافیاں ہنوز جاری ہیں۔ مگر چونکہ موجودہ جاپانی قوم میں ملایا اور منگولین نسل کا اختلاط و امتزاج نظر آتا ہے۔ اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح سے پیشتر کسی زمانے میں ملایا نسل کے منچلے سردار اپنے وطن سے بحری لوٹ مار کے لئے نکلے اور رفتہ رفتہ جزیرہ کیوشو آ پہنچے۔ یہاں کی قدرتی دلفریبی دیکھ کر یہیں آباد ہو گئے یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا۔ ان کی تعداد اس قدر بڑھی کہ آخر درمیانی سمندر پار کر کے یہ جزیرۂ ہانشو کے مغربی حصہ میں پہنچے۔

قدیم باشندوں میں کشمکش حیات

اس وقت سے پیشتر ملک تاتار کی سرحد سے منگولین نسل کی ایک شاخ جو چینی اور کورین لوگوں سے بالکل مختلف، مگر ترک و تاتار سے مشابہ تھی۔ تلاش مسکن میں کوریا آئی اور وہاں گنجایش نہ دیکھ کر آگے بڑھی۔ سمندر پار کر کے جزیرۂ ہونشو کے مغربی حصہ میں آباد ہو گئی۔ یہیں ملایا و منگولین دونوں نسلوں کا تصادم ہوا۔ غالباً کچھ عرصہ تک لڑتے بھڑتے رہے۔ اور بالآخر مل جل کر آباد ہو گئے۔ اور نسلی اختلاط شروع ہوا۔ جب یہ متحد ہو کر ایک قوم بن گئے تو فاتحانہ قدم بڑھاتے ہوئے انھوں نے تمام جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔

شاہنشاہیت کی ابتدا

رفتہ رفتہ تمام سرداروں نے مل کر ایک سردار کی شاہنشاہیت تسلیم کر لی۔ اُس وقت سے اب تک

دو ہزار سال کا عرصہ ہوا اُسی ایک خاندان میں شاہنشاہی چلی آتی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اُس وقت سے ابتک جاپان غیر ملکی حملوں سے بالکل محفوظ رہا ہے جزیرہ ہونے کے باعث غیر ملکی تہذیب و تمدن کا بھی اس پر صدیوں تک اثر نہیں پڑا۔ اس لئے تمام عالم سے الگ اس چھوٹی سی دنیا میں طبعی اثرات کے ماتحت باہمی اختلاط و امتزاج نے ایک متحد و طاقتور قوم پیدا کردی۔ جو اخلاق و عادات، رسوم و عقائد، حکومت اور زبان غرض ہر لحاظ سے اس قدر متحد و متفق ہوگئی کہ آج ہر جاپانی کا عقیدہ ہے کہ اُس کی تمام قوم ایک شخصِ واحد کی اولاد ہے۔

باوجود انتہائی اختلاط اب بھی ملایا، اور منگول نسل کی خصوصیات باشندوں کی شکل و شباہت میں علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہیں۔

ملایا نسل کے خدوخال

ملایا نسل کے لوگ سیاہی مائل گندمی رنگ کے ہوتے ہیں۔ اُن کا جسم بھاری و بھدّا۔ قد و قامت متوسط، کلّے کی ہڈیاں اُبھری ہوئی۔ پیشانی و چہرہ چپٹا۔ دہانہ بہت بڑا۔ ہونٹ موٹے، ناک موٹی اور پھیلی ہوئی۔ آنکھیں اُبلی ہوئی مگر سیدھی ہوتی ہیں۔ آج کل عوام اور ادنےٰ طبقے کے لوگ اس نسل کی خصوصیات رکھتے ہیں۔ اختلاط نسل کے باعث اور عرصہ تک سرد ملک میں رہتے رہتے بعض کی رنگت زرد یا گوشت کی طرح سُرخ ہوگئی ہے۔

منگولین نسل کے خدوخال

منگولین نسل کے لوگ عموماً زرد رنگ کے ہوتے ہیں مگر بعض کی رنگت سفید بلکہ سُرخی مائل سفید ہوتی ہے۔ ان کا بدن چھریرہ اور نازک ہوتا ہے۔ اعضا میں عمدہ تناسب پایا جاتا ہے۔ آنکھیں تنگ مگر لمبی اور ترچھی ہوتی ہیں۔ اور کوئے نیچے کی طرف جھکے ہوتے ہوتے ہیں۔ آنکھوں کے پپوٹے اُبھرے ہوئے۔ مژگاں دراز و سیاہ، خطِ ابرو باریک و کشیدہ۔ دہانہ از بس تنگ۔ چہرہ کتابی۔ ناک سیدھی اونچی اور ستواں۔ ہاتھ غیر معمولی طور پر خوبصورت

انگلیاں پتلی اور آگے سے نوکدار۔ امراء اور طبقۂ اعلےٰ کا تعلق اس نسل سے معلوم ہوتا ہے مگر خانوادۂ شاہی کا تعلق اول الذکر نسل سے ہے۔

دور حاضرہ میں یورپین نسلوں سے بھی اختلاط جاری ہے۔ اگرچہ تاہنوز نہایت ہی محدود ہے۔ لیکن ممکن ہے آئندہ چند صدیاں گذرنے کے بعد اہم اثرات پیدا کرے۔

جاپانیوں کی قومی خصوصیات بیان کرنے کی دشواریاں

اس کے بعد چند اہم قومی خصوصیات کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسا کرنے سے قبل اس کام کی دشواریاں بیان کرنا بھی لازمی ہے تاکہ آگے چل کر جو کچھ لکھا جائے اس کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ جاپانی کیرکٹر کم از کم غیر ملکیوں کے لئے ایک معمہ و چیستان ہے۔ جس قدر اس گلتھی کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے اُسی قدر نئی نئی گرہیں لگتی جاتی ہیں۔ حتےٰ کہ مبصر و محقق پریشان ہو کر اس سعی لاحاصل کو ترک کر دیتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیتا ہے۔ اس کے وجوہات گوناگوں ہیں۔ مثلاً زبان و رسم الخط کا اختلاف۔ تہذیب و تمدن اور معاشرت کا افتراق۔ اور نسلی خصوصیات کا تفاوت۔ پھر صدیوں تک تمام دنیا سے جملہ تعلقات منقطع کر کے اس قوم نے تنہائی کی زندگی بسر کی ہے اس لئے اصلی مغائرت اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جاپان ہی پر کیا منحصر ہے ہر غیر قوم کا کیرکٹر سمجھنے میں یہ دشواریاں حائل ہوتی ہیں۔ مگر جاپان کا معاملہ دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ اول تو نسلی اتحاد اس کام میں معاون ہوتا ہے۔ پھر جو قومیں نسلاً ہم سے مختلف بھی ہیں۔ ان سے بھی گہرے تعلقات رہنے کی وجہ سے خیالات و جذبات میں بڑی مماثلت پیدا ہو گئی ہے۔ وحشی اقوام کا کیرکٹر مطالعہ کرنے میں بھی وہی دشواریاں حائل ہوتی ہیں جو جاپان کی حالت میں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ مگر جاپانی ایک مہذب و متمدن قوم ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایک وحشی کے خیالات و جذبات و خصوصیات جانور کی طرح سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔ مہذب انسان کی زندگی اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے۔ جن کا تجزیہ از بس

دشوار ہے۔ میرے ایک انگریز دوست نے جو پچیس برس سے جاپان میں مقیم ہیں کیا خوب کہا کہ جو لوگ صرف جاپان کی سیر کرنے کے لئے آتے ہیں۔ وہ اس ملک کو اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی خواب دیکھتا ہے۔ پھر بھی وہ سمجھتے ہیں کہ جاپان کے متعلق ان کی رائے نہایت قابل وثوق ہے۔ کیونکہ انھوں نے حالات کو بچشم خود دیکھا ہے۔ جو لوگ کچھ عرصہ تک اس ملک میں قیام کرتے ہیں، ان کو اپنے مطالعہ اور مشاہدہ پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ اور جو چند خوش قسمت لوگ بیس پچیس برس کا تجربہ رکھتے ہیں وہ جاپانی کیرکٹر کے متعلق رائے دینے کی ہرگز جرأت نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے ذاتی تجربات ہمیشہ ان کی پچھلی رائے کو باطل کرتے رہتے ہیں

جاپان کے متعلق انگریزی کتب

جاپان کے متعلق انگریزی زبان میں سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ ان کے مصنفین بھی مختلف درجے کے ہیں۔ بعض نے صرف سنی سنائی باتیں جمع کر دی ہیں۔ بعض نے چند ہفتے جاپان میں رہ کر اپنا سفرنامہ شائع کر دیا ہے۔ پروفیسر چمبرلین جیسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اس ملک کی ملازمت اختیار کی۔ اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ یہاں گذارا۔ اور اس قوم کے متعلق ہمیشہ تحقیق و تفتیش کرتے رہے۔ اور لفکیدیو ہیرن جیسے حضرات بھی ہیں جنھوں نے اپنی زندگی جاپان ہی کے لئے وقف کر دی اور جاپان کو سمجھنے کے لئے خود جاپانی بن گئے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے بھی مندرجۂ بالا قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان حضرات کا جس قدر تجربہ زیادہ ہے اسی قدر ان کو اپنے عجز و قصور کا اعتراف ہے۔ پھر ہر محقق کی رائے جداگانہ ہے، اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب اندھیرے میں ٹٹول رہے ہیں۔

بعض فاضل جاپانیوں نے بھی انگریزی زبان میں اپنی قوم کی خصوصیات سے دنیا کو روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ ان کتابوں سے یہ معمہ حل ہو گیا ہوگا مگر ان کو دیکھ کر بڑی مایوسی ہوتی ہے، کیونکہ اول تو اپنی قوم کے عیوب اور کمزوریوں کو دیکھ ہی نہیں سکتے اور اگر جانتے ہیں تو ان پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔



قوم اینو جو جاپان کے اصلی باشندے ہیں

جاپانی قوم کے اخلاق و عادات اور انکی قومی خصوصیات اور طرزِ معاشرت

جاپانی کیرکٹر پر کوئی آخری رائے قائم کرنے میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ اس قوم میں بالکل متناقض خصوصیات پائی جاتی ہیں جو انفرادی اختلافات نہیں ہیں۔ یعنی یہ بات تو عام ہے کہ ایک قوم میں کچھ لوگ سچے ہوں اور کچھ جھوٹے۔ کچھ قدامت پسند ہوں کچھ ترقی کے حامی اور انقلاب پسند۔ مگر جاپان میں یہ صورت نہیں ہے۔ بلکہ ہر جاپانی قدامت پرست بھی ہے، اور انقلاب پسند بھی۔ اپنے قومی شعار کا دلدادہ بھی ہے۔ اور تقلید مغرب کا پرستار بھی مذہب سے لاپرواہ بھی ہے اور توہم پرست بھی۔ حد سے زیادہ خلیق، متواضع، اور منکسر مزاج بھی۔ اور مغرور، خود دار، خود ستا، اور خود غرض بھی۔ وہ اپنی ہر چیز کو اپنے مہمان کے سامنے حقیر و ذلیل بتاتا ہے، مگر مہمان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کی ہر چیز کی تعریف کرے۔ جاپانی لوگ تجارت و حرفت میں غضب کے چالاک ہوتے ہیں اور فنونِ طب سرجری و انجنیرنگ وغیرہ میں نہایت ذہین مگر ریاضیات و فلسفہ میں افسوسناک حد تک غبی اور کند ذہن ہوتے ہیں اگر کسی معاملہ پر آپ ایک جاپانی سے گفتگو کریں تو آپ کو احساس ہوگا کہ اس کا معیار ذہانت نہایت پست ہے۔ اس دھوکے میں آپ اپنی پوری قابلیت سے کام لینے کے لئے طبیعت پر پورا زور نہ ڈالیں گے۔ جاپانی آپ پر بازی لے جائے گا۔ اس وقت آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔

یہ قوم فطرۃً بہت محنتی، جفاکش، اور مستقل مزاج ہے۔ مگر ایک کام جو دو ہندوستانی کر سکتے ہیں۔ اسی کام کو اتنی ہی دیر میں کم از کم چار جاپانی کریں گے ٹیکسیوں کو ہندوستان میں ایک ڈرائیور چلا لیتا ہے، اس کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جاپان میں ہمیشہ ایک آدمی ڈرائیور کے ساتھ اس کی مدد کے لئے موجود رہتا ہے۔ ہر ٹریم میں تین تین ٹکٹ دینے والے ہوتے ہیں۔ دفاتر میں اس قدر کلرک ہوتے ہیں

کہ وہ اپنا بیشتر وقت چائے پینے اور باتیں کرنے میں گذارتے ہیں۔ اگر آپ کسی غرض سے کسی تجارتی دفتر میں جائیں تو تمام دفتر اپنا کام چھوڑ چھاڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور فوراً دفتر میں ایک طوفان بپا ہو جائے گا۔ کوئی اِدھر دوڑ رہا ہے کوئی اُدھر۔ کاغذات کو سینکڑوں بار الٹ پلٹ رہے ہیں مگر مطلب حل نہیں ہوتا۔

اگر آپ چاہیں کہ آپ کا نوکر کوئی خاص کام آدھ گھنٹے میں ختم کرے تو یقین ہے کہ گھنٹہ بھر سے پیشتر ختم نہیں ہو گا۔ اور اگر آپ اس دوران میں تقاضا کرتے رہیں تو اُس کے اس قدر ہاتھ پیر پھول جائیں گے کہ شاید بنتا کام بگڑ جائے۔

جاپانی اپنے جذبات کو پوشیدہ رکھنے میں بڑا کمال رکھتے ہیں۔ اور بچپن سے بذریعہ تربیت و تادیب اُن کو اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر زود حس بھی پرلے درجے کے ہوتے ہیں۔ اُن کے جذبات بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ شاذ و نادر لڑتے بھڑتے مرتے مارتے یا بدزبانی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ مگر ایسے کینہ توز ہوتے ہیں کہ کسی نامہربانی کو عمر بھر نہیں بھولتے، اور موقعہ مل جائے تو سخت انتقام لیتے ہیں۔ عفو اُن کے نزدیک بے معنی چیز ہے۔

اس قسم کی سینکڑوں متضاد خصوصیات کے باوجود چند امور ایسے بھی ہیں کہ جن میں کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔ مثلاً شاہنشاہ کا احترام جو عبودیت کے درجے تک پہنچتا ہے جذبۂ وطن پرستی جو مذہب کی حیثیت رکھتا ہے۔ کفایت شعاری، اور صفائی کی عادتیں اور جمالیات کا ذوق صحیح وغیرہ۔

شاہنشاہ کی عظمت

اپنے شاہنشاہ کی جس قدر عظمت یہ قوم کرتی ہے اتنی ہرگز دنیا کی کوئی دوسری قوم نہ کرتی ہو گی۔ کیونکہ ہر جاپانی کا مذہبی، اخلاقی، اور پیدائشی فرض ہے کہ اپنے شاہنشاہ کو دیوتا سمجھے۔ اور اس کو تمام قوم کے متحد مورثِ اعلیٰ کا نائب مناب جان کر اس کی پرستش کرے۔ اُن کے عقیدہ کے

مطابق شاہنشاہ کا جسم اور اس کی قیام گاہ مقدس ہے۔ شاہنشاہ کے چہرے کی طرف نظر اُٹھانا یا جسم کو چھونا اور شاہی محل میں داخل ہونا بدترین گناہ ہیں۔ چنانچہ شاہنشاہ میجی سے قبل بادشاہ کبھی محل سے باہر عام پبلک کے سامنے نہ آتے تھے۔ اور اب تک محل کے اندر جانے کی اجازت صرف چند خواص ہی کو حاصل ہے جو اس طرح وہاں جاتے ہیں جیسے ایک مقدس عبادت گاہ کے بڑے سے بڑے پجاری عبادت گاہ کے اندر داخل ہوں۔

درسگاہوں میں ایک تصویر شاہنشاہ کی ضرور ہوتی ہے۔ مگر تمام سال ڈھکی رہتی ہے۔ صرف سالگرہ کے روز اس کو ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل۔ طلبہ اور اساتذہ کے سامنے کھولتا ہے تو سب سجدے میں گر جاتے ہیں۔ چند منٹ کے بعد پھر پردہ ڈھک دیا جاتا ہے۔

سکوں پر یا نوٹوں پر یا کتابوں میں شاہنشاہ کی تصویر نہیں بناتے کیونکہ یہ بے ادبی اور گستاخی سمجھی جاتی ہے۔

جاپانی اپنے شاہنشاہ کے متعلق گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس کے کسی فعل پر نکتہ چینی کرنا تو خارج از بحث ہے۔ لیکن اگر کوئی غیر ملکی اُن کے سامنے بادشاہ کے متعلق کوئی گستاخانہ و بے ادبانہ ذکر کرے تو سخت اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ اور اکثر ایسی حالت میں فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ شاہنشاہ کی عظمت و محبت گویا ایک مرکز ہے جس کے گرد اس قوم کی زندگی کا دائرہ گھومتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ ان کی وطن پرستی کا جذبہ ہے۔

وطن پرستی

اپنے شاہنشاہ اور اپنے ملک و ملت کی خاطر یہ لوگ ہر وقت بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور اپنی قوم کی آزادی کے لئے یہ ہمیشہ جان بکف رہتے ہیں۔

سنہ ۱۹۰۴ء میں جب روس جیسے قوی دشمن سے مقابلہ آپڑا تھا تو ساری قوم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک ایک متنفس باقی ہے۔ وہ دشمن سے مقابلہ کرے گا۔

اس زمانے میں عجیب عجیب واقعات رونما ہوتے تھے۔ جنہوں نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ مثلاً بعض لوگوں نے صرف اس لئے خودکشی کر لی تھی کہ حکام نے اُن کو فوجی خدمت کے لائق نہ سمجھ کر بھرتی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بعض ماؤں نے اس لئے پیٹ میں چھری بھونک لی تھی کہ شاید اُن کے اکلوتے بیٹے اپنی بڑھیا اور بے کس ماں کے خیال سے میدان جنگ میں پوری طرح سرفروشی نہ کر سکیں۔

میرے دورانِ قیام میں جب چین سے جنگ ہو رہی تھی، تمام ملک میں ایک ہیجان پھیلا ہوا تھا۔ گوشہ گوشہ سے دن رات "بان زائی" "بان زائی" (شاہنشاہ زندہ باد) کے نعرے سنائی دیتے تھے۔

یہ لوگ اپنی ملکی مصنوعات کو ہمیشہ غیر ملکی مصنوعات پر ترجیح دیتے ہیں۔ اپنے قومی شعار کو دنیا بھر سے افضل و اولے خیال کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک جاپانی دنیا بھر سے زیادہ متمدن، نیک اطوار، خوش اخلاق، اور بہادر قوم ہے۔ وہ اپنی قوم کے چھوٹے سے چھوٹے اور ذلیل ترین آدمی کو غیر ملکی بڑے سے بڑے عالم و فاضل یا مدبر یا دولتمند شخص سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اگر غیر ملکی سے اُن کی اپنی ذات کو فائدہ نہ پہنچ سکے تو اپنے کسی دوسرے ملکی بھائی کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر آپ اپنے کسی جاپانی دوست کا تعارف کسی دوسرے جاپانی دوست سے کرائیں، اور خواہ اُن دونوں جاپانیوں نے اس سے قبل کبھی ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو۔ مگر بہت جلد آپ محسوس کرنے لگیں گے کہ وہ چند منٹ میں دوستی کے وہ مدارج طے کر چکے جو بیس برس میں آپ کو نصیب نہ ہوتے ہوں۔ وہ باہم گفتگو کریں گے اور آپ اُن کے درمیان ایک اجنبی معلوم ہوں گے۔ بظاہر غیر ملکیوں کے ساتھ بڑی تواضع اور مہربانی کے ساتھ پیش آتے ہیں مگر غیر ملکیوں سے اُن کو جو طبعی نفرت ہے وہ شاید صدیاں گذر جانے پر بھی دور نہ ہو گی۔ اس جذبۂ وطن پرستی کا ایک تاریک پہلو یہ بھی ہے کہ غیر ملکیوں سے اُن کی دوستی کبھی اخلاص پر مبنی نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کی غایت

ہمیشہ ذاتی یا قومی منفعت ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض لوگ نہایت سادگی کے ساتھ اس کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں۔

فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ اُن میں بھی باہم اکثر اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ کبھی اس کا اظہار غیر ملکیوں پر نہیں کرتے۔ نہ باہمی نزاع کا تصفیہ کسی بیرونی طاقت سے کرواتے ہیں۔ اس امر کی تاریخی مثال یہ ہے کہ ۱۸۶۸ء میں جب حکومت شوگن کی مخالفت ملک میں پھیلی اور شوگن کو یہ صاف نظر آنے لگا کہ جو طاقت تین صدیوں سے اُس کے خاندان میں چلی آتی ہے وہ بہت جلد اُس کے ہاتھ سے نکل کر شاہنشاہ کو واپس ملنے والی ہے۔

یورپین دول عظام نے ایسے وقت میں دست اندازی کا بے نظیر موقعہ دیکھا۔ اور شوگن سے تحریک کی کہ وہ اُن کی مدد سے اقتدار اپنے ہاتھ میں قائم رکھے۔ مگر شوگن نے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ اس انکار کی بدولت اُس کو حکومت جیسی عزیز چیز سے ہاتھ دھونا پڑا اگر اس وقت شوگن نے غیر ملکی مدد حاصل کر لی ہوتی، تو آج یقیناً جاپان اپنی آزادی کھو چکا ہوتا۔

جاسوسی اِس جذبۂ قومی کے ماتحت اُن کی ایک خصوصیت، جاسوسی کا شوق بھی ہے۔ جو اعتدال سے کئی درجہ متجاوز ہو کر ایک قبیح قومی شعار بن گیا ہے۔ مرد، عورت، بچّے، جوان بوڑھے، اعلیٰ و ادنےٰ، امیر و غریب، غرض بلا استثناء ہر متنفس اِس لعنت میں گرفتار نظر آتا ہے۔ اس کی تمیز بھی باقی نہیں رہی کہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیں۔ جاسوسی صرف جاسوسی کا شوق پورا کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔

جو غیر ملکی یہاں رہتے ہیں۔ اُن کے خیالات، وجذبات، اُن کی سابقہ زندگی کے حالات، اُن کی آئندہ امیدیں۔ اُن کا خانگی دستور العمل، روزانہ نظام الاوقات، اُن کا حساب آمد و خرچ، اپنے خاندان کے افراد سے سلوک، دوستوں سے تعلقات، اُن کے

عادات واطوار، چال چلن، غرض ہر چیز کا کھوج لگانا ہر جاپانی کا فرض ہے، خواہ ایسا کرنے میں کتنی ہی کوشش کرنی پڑے۔ عموماً جاپانی خادمہ ان امور کا بنظر غائر مطالعہ کرتی ہے اور وقتاً فوقتاً نہایت ہوشیاری سے تحقیق و تفتیش بھی کرتی رہتی ہے۔ پھر جتنے دکاندار پھیری والے مزدور جو گھر پر آتے ہیں وہ خادمہ سے جملہ حالات دریافت کر جاتے ہیں۔ اور وہ بڑی خوشی سے بتاتی رہتی ہے حتیٰ کہ جو دوست گھر پر آتے ہیں۔ اگر اُن کو موقعہ ملجاتا ہے تو وہ بھی اپنے دوست کے تمام خفیہ حالات خادمہ سے دریافت کر جاتے ہیں۔ اسی طرح گھر کے باہر بھی یہ جاسوسی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور ہر وقت سینکڑوں آنکھیں نگراں رہتی ہیں۔

ان تمام عیوب سے قطع نظر بحیثیت ہندوستانی مجھے ان کے باہمی اتحاد و اتفاق کو دیکھ کر رشک آتا ہے۔ جاپانیوں کی موجودہ ترقی اور ان کی قومی عظمت کا راز صرف اس ایک خصوصیت میں پنہاں ہے۔ ورنہ یہ لوگ نہ تو تعداد میں کثیر ہیں۔ نہ جسمانی طاقت و جرات میں ہندوستانیوں سے بہتر ہیں۔ نہ ذہانت کے لحاظ سے برتر۔

صفائی جاپانی قوم کی ایک اور بڑی خصوصیت صفائی ہے۔ جس پر اُن کو بڑا ناز ہے اور فی الحقیقت یہ ناز بجا ہے۔ کیونکہ اس خصوص میں دنیا کی معدودے چند اقوام ان کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ حالانکہ مجھے شرم و ندامت کے ساتھ اس امر واقعہ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہم ہندوستانی اس لحاظ سے چین کو چھوڑ کر شاید دنیا کی تمام متمدن اقوام سے پیچھے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم میں بھی نفاست پسند اور صفائی پسند لوگ موجود ہیں مگر اوّل تو ان کی تعداد اس قدر تھوڑی ہے کہ بآسانی نظر انداز کئے جا سکتے ہیں۔ دوسرے صفائی کے متعلق ہمارا معیار بھی اس قدر پست ہے کہ صفائی کا جو مفہوم جاپان میں ہے اُس کو ہم سمجھ بھی نہیں سکتے۔ وہ قوم جو ہم پر حکمران ہے۔ ہندوستان میں صفائی کے لئے معیار خیال کی جاتی ہے۔ مگر اُن ممالک میں جہاں صفائی کا معیار بلند تر ہے خود انگریز قوم

کثافت کے لئے بدنام ہے۔

انگریز بھی نہانے کے دھنی ہوتے ہیں۔ مگر اوّل تو اُن کا طریقہ غسل خود ہی غلیظ ہے یعنی ٹب کے اندر بیٹھ کر وہیں صابون لگانا اور اُسی کثیف پانی میں نہانا۔ دوسرے پبلک حمام نہ ہونے کے باعث غریب طبقہ اس سے محروم رہتا ہے۔ اس کی شہادت وہی لوگ دے سکتے ہیں جنہوں نے بچشم خود لندن کے سلمز (غربا کی بود و باش کا مقام) دیکھی ہیں۔

اس کے بالکل برخلاف جاپان میں یہ صورتِ حال ہے کہ ہر محلہ اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بستی میں پبلک حمام ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ اس قوم کے نزدیک یہ سب سے بڑی ضرورتِ زندگی ہے۔ ایک دفعہ حمام کرنے کی فیس اس گرانی کے زمانے میں صرف پانچ پیسے فی کس ہے اگر ایک شخص کو دن بھر میں صرف پانچ پیسے ہی دستیاب ہوں تو وہ اُس روز بھوکا رہ کر غسل ضرور کرے گا۔ غسل کا طریقہ یہ ہے کہ حوض سے باہر پہلے خوب اچھی طرح صابون سے یا ویسے ہی رگڑ رگڑ کر اپنا تمام جسم پوری طرح پاک و صاف کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد نہایت تیز گرم پانی کے حوض میں آہستہ سے اتر جاتے ہیں۔ اور پندرہ بیس منٹ اس میں بیٹھ کر باہر نکل آتے ہیں۔ پھر جسم رگڑتے ہیں اور دھو کر پھر اس پانی میں اتر جاتے ہیں۔ اسی طرح دو تین بار عمل کرتے ہیں۔ اور تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ غسل کے اس طریقہ پر صرف یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہی پانی میں بہت سے آدمیوں کا اترنا بجائے خود غلاظت ہے اور متعدی امراض ایک سے دوسرے کو لگ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ اعتراض بلا شبہ صحیح ہے۔ مگر اوّل تو اُن کے جسم اُس وقت بالکل صاف ہوتے ہیں۔ جب وہ حوض کے اندر جاتے ہیں۔ دوسرے وہ اس کے اندر جسم کو ملتے دلتے نہیں۔ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ تیسرے پانی اس قدر گرم ہوتا ہے کہ جراثیم سے بھی نقصان پہنچنے کا احتمال کم رہ جاتا ہے۔

اُن کے لباس اور مکانات غذا اور برتن بھی پوری طرح صاف ہوتے ہیں۔

اور اُن کو صاف رکھنے کے لئے سخت محنت گوارا کرتے ہیں۔ اور اگر صفائی میں ذرا بھی کسر رہ جائے تو اس کو نہایت شرمناک بات خیال کرتے ہیں۔

اُن کی تاریخی عمارات کی صفائی دیکھ کر دل پھڑک جاتا ہے۔ کیا مجال کہ کہیں کسی قسم کا کوڑا کرکٹ۔ گرد و غبار ہو، یا دیواروں پر چاقو اور پنسل سے لوگ ایسی بے تکی نقاشی کرتے ہیں جن سے ہمارے ملک کی تاریخی عمارتیں مجروح اور فریاد کناں رہتی ہیں۔ پبلک عمارات۔ ڈاکخانوں۔ ریلوے اسٹیشنوں، دفتروں اور مدرسوں وغیرہ کی بھی یہی حالت ہے۔ نہ اُن مقامات میں ٹین پر کاغذ کے پھٹے ہوئے پرزے، اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ نہ دیواریں اشتہاروں سے کالی اور بدنما ہوتی ہیں۔ اسٹیشنوں کے پلیٹ فارم پر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد چھڑکاؤ ہوتا رہتا ہے اور لکڑی کا برادہ ڈال ڈال کر جھاڑ دیتے رہتے ہیں۔ مگر اس طرح کہ پبلک کو اس سے تکلیف نہیں پہنچتی۔

جب میں اس ملک کی صفائی اور اپنے وطن کی عام کثافت کا مقابلہ کرتا ہوں تو روحانی اذیت پہنچتی ہے۔ اور دل میں یہ تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہم بھی صفائی کو لازمۂ زندگی سمجھنے لگیں، اور ہمارے درمیان بھی صفائی نہ صرف ایک معیار اور نظریہ بنی رہے۔ بلکہ ہماری عادات و اطوار میں شامل ہو کر ہماری زندگی کا جزو بن جائے۔

اسی سلسلہ میں تحقیق کرتے ہوئے مجھے ٹوکیو کے مسلمز (غربا کی بود و باش کا مقام) دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ان مقامات میں بلاشبہ غربت و افلاس۔ فاقہ کشی اور امراض کے آثار صاف نظر آتے ہیں۔ صفائی کا معیار بھی بہت پست ہے۔ مگر حیف کہ ان کی حالت بھی ہندوستانی شہروں کی عام حالت سے بہتر ہے۔

کفایت شعاری

جاپانیوں کی ایک اور خصوصیت کفایت شعاری ہے۔ کفایت شعاری سے یہاں وہ بخل مفہوم نہیں ہے، جس کی بدترین مثالیں ہمارے ملک میں بکثرت نظر آتی ہیں۔ اور جس کے باعث لاکھوں انسان دولت کے انبار پر



سر کے زیورات۔ بالوں کی آرائش کا مخصوص جاپانی طریقہ

قابض ہونے کے باوجود موری کے کیڑے سے بدتر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بدنصیبی سے اس خصوص میں بھی ہمارے ملک میں بے حد ناہمواری اور افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ ایک طرف تجارت پیشہ طبقے کی عام حالت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ دوسری طرف رؤسا کا طبقہ ہے جو آنکھیں بند کرکے اپنی دولت کو لٹا رہا ہے۔ ان دونوں طبقوں کے پاس اگرچہ دولت کی کثرت ہے۔ مگر دونوں اُس سے نہ خود متمتع ہوتے ہیں اور نہ اپنی قوم کو کوئی نفع پہنچاتے ہیں۔ دولت اُن کے لئے صرف لعنت کا طوق ہے۔ غُربا کا تو ذکر ہی کیا۔ متوسط طبقے میں بھی یہی کیفیت ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو جادۂ اعتدال پر گامزن ہیں۔ ورنہ بیشتر یا تو اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرکے تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں۔ یا تمام آمدنی کو زیورات کی شکل میں منتقل کرکے تمام عمر لطفِ زندگی سے محروم رہتے ہیں۔ ہمارے ملک کی تو یہ کیفیت ہے مگر جاپان میں اس لحاظ سے بھی بڑی حد تک ہمواری و یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شخص آمدنی کا ایک حصّہ ہمیشہ آئندہ کے لئے پس انداز کرتا رہتا ہے۔ مگر اس قلیل حصّہ کو علیحدہ کرکے باقی آمدنی سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے ضروریاتِ زندگی اور آسائش و لطف حاصل کرتا ہے۔ اُن کی معاشرت ہی ایسی سادہ واقع ہوئی ہے کہ اس کا معیار قائم رکھتے ہوئے انسان آسانی سے کچھ پس انداز کرسکتا ہے۔

اُن کا کھانا نہایت سیدھا سادہ ہوتا ہے۔ بادشاہ سے لے کر کسان تک سب اُبلے ہوئے چاول۔ ساگ پات، مچھلی، شویو (ایک قسم کے بیجوں سے بنا ہوا سرکہ) اور توفو (ایک قسم کی نباتاتی دہی) پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ گوشت اور روغنیات گھی، تیل وغیرہ ان کی اغذیہ کا جزو نہیں ہیں۔

جاپان کا عام لباس اگرچہ ہندوستان کے عام لباس سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ نیز متوسط طبقے کے ہر شخص کو مرد ہو یا عورت دن و رات کے لئے جداگانہ لباس کی ضرورت ہوتی ہے۔ سال کے چاروں موسموں میں مختلف رنگ کے لباس درکار ہوتے ہیں۔

گھر پر پہننے کے کپڑے اور گھر سے باہر جانے کے کپڑے بھی علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کی عورتیں اپنا اور اپنے مردوں کا لباس اس قدر حفاظت سے رکھتی ہیں۔ اور کام میں ایسا سلیقہ برتتی ہیں کہ ایک لباس مدت العمر چلتا ہے۔

عورتیں انگشتری کے سوا کسی قسم کا زیور استعمال نہیں کرتیں۔ اپنی جسمانی آرائش پر اُن کا خرچ کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ جاپانی گھروں میں میز کرسی پلنگ پیڑھے، صندوق، صندوقچے، دری، قالین، چاندنی کسی قسم کے فرنیچر کی ضرورت نہیں ہوتی، ایک متوسط آمدنی والے گھرانے کا سارا اسباب ایک ٹھیلے میں آسکتا ہے۔ اور غربا کا سامان ایک بڑی گٹھڑی میں۔

شادیوں میں خرچ برائے نام ہوتا ہے۔ بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ملازمین اعلیٰ عہدے دار، اور متمول تاجر بھی اپنی ذاتی سواری نہیں رکھتے۔

ریل کے تیسرے درجے میں سفر کرنا معیوب نہیں خیال کرتے۔ اپنا بوجھ اپنے ہاتھ میں اٹھانا یا اپنے گھر کا کام خود کر لینا عار و ننگ نہیں سمجھتے۔ متوسط طبقے میں نوکر رکھنے کا رواج بالکل نہیں ہے۔ اور جن گھروں میں خادمہ ہوتی بھی ہے اُن میں بھی گھر کی عورتیں خرید فروخت گھر کی صفائی۔ کپڑے دھونے، کھانا پکانے، مردوں کے کپڑوں کی دیکھ بھال، غرض تمام کاموں میں نوکر کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر احدیوں کی طرح نہیں بیٹھتیں۔ موقع ملے تو کسی قسم کی صنعت یا محنت مزدوری سے اپنے شوہر کی آمدنی میں اضافہ بھی کرتی رہتی ہیں۔

یہ لوگ دوسروں کا احسان اپنے سر لینے سے بھی حتی الامکان بہت گریز کرتے ہیں۔ جو تحائف وقتاً فوقتاً احباب و اقارب کے یہاں سے آتے ہیں ان کا بدل بھی کر دیتے ہیں۔ اکثر دعوتوں میں یہ دستور ہے کہ ہر شخص جو مدعو کیا جاتا ہے خود اپنا خرچ ادا کرتا ہے۔ ریل میں یا ٹریم میں کبھی ایک جاپانی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کا ساتھی اس کے لئے بھی ٹکٹ خرید دے۔

جاپانی بخیل نہیں

کفایت شعاری کے باوجود وہ لوگ لطف زندگی سے محروم نہیں ہیں۔ وہ پیٹ بھر کر کھاتے ہیں، اپنی حیثیت کے مطابق صاف ستھرا اور عزت کا لباس پہنتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر تواضع بھی کرتے ہیں۔ احباب واقارب کو تحفے بھی دیتے ہیں۔ اکثر سیر و تفریح کھیل تماشوں میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اور ہر امیر و غریب اپنے مکان کی آرائش کے لئے اور اپنے ذوقِ جمالیات کو تسکین دینے کی خاطر تازہ پھول۔ تصاویر اور دیگر آرٹ کے نمونوں میں دو چار چیزیں خریدتا ہے، ان اخراجات کے باوجود ہر شخص کچھ پس انداز بھی کر لیتا ہے۔

ذوقِ جمالیات

حسن کی پرستش بھی اس قوم کا طرۂ امتیاز ہے۔ خواہ وہ صنف نازک میں پنہاں ہو، خواہ گل و گلزار کے رنگ و بو میں موجود ہو۔ خواہ پہاڑوں کی پر ہیبت خاموشی میں نظر آئے۔ خواہ آبشاروں کی گنگناہٹ میں سنائی دے۔ خواہ حسن کو نقاش و خطاط کے موقلم نے ایک دلفریب کشش سے پیدا کیا ہو۔ خواہ شاعر و مغنی کی توجہ نے لذت حسن کی کیفیات دل و دماغ پر طاری کی ہوں۔ زنانہ لباس کے دامنوں پر حیرت انگیز نقاشی، پہننے والی کی عمر اور موسم کے تغیر کو ملحوظ رکھ کر رنگوں کا موزوں انتخاب، ہر گھر میں پھولوں کی آرائش۔ تصاویر کی سجاوٹ، گھر کی دیوار پر نقش و نگار، معمولی خانہ داری کی چیزوں میں بھی آرٹ کو نظر انداز نہ کرنا، یہ تمام امور اس قوم کے ذوقِ جمالیات پر دال ہیں۔ جس شخص نے جاپان کو ایک نظر بھی دیکھ لیا وہ ان باتوں کی یاد تمام عمر فراموش نہ کر سکا۔

جاپانیوں کے شخصی اخلاق

ان تمام قومی خصوصیات کو اجمالاً بیان کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اُن کے شخصی اخلاق اور چال چلن پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ یہ کام بھی کچھ آسان نہیں۔ کیونکہ اوّل تو فطرت انسانی ہر جگہ یکساں ہے۔ اور اسی باعث نیک و بد ہر جگہ موجود ہیں۔ نیز ہر ملک کا رسم و رواج جدا

اور معیار اخلاق علیحدہ ہے۔ وہی کام جو ایک قوم مستحسن خیال کرتی ہے۔ دوسری قوم اُسی کو عیب سمجھتی ہے۔ مثلاً مغربی اقوام کے نزدیک مجالس و محافل میں خواتین کا نیم عریاں لباس غیر مردوں سے بیباکانہ اختلاط اور ناچ میں شرکت اعلیٰ ترین تہذیب و شائستگی کی دلیل ہے مگر بالاتفاق تمام مشرقی اقوام کے نزدیک یہی طریق عمل بدترین بے غیرتی اور بداخلاقی ہے اب تصویر کا دوسرا رُخ دیکھئے۔ ایک جاپانی خاتون کسی محفل میں خواہ مخلوط ہو یا صرف مردوں یا صرف عورتوں کا مجمع ہو۔ اپنے جسم کا کوئی حصہ بجز چہرے اور ہاتھوں کے ہرگز عریاں نہ کرے گی اُس کے لباس کا دامن ٹخنے تک لٹکتا ہوگا۔ اور اُس کے پیر برف جیسی سفید جرابوں سے ڈھکے رہیں گے (وہ عورتیں خارج از بحث ہیں جن پر مغربی جن سوار ہو گیا ہے) وہ بلا ضرورت صرف اپنے جسم و اعضاء کا عریاں تناسب دکھانے کے لئے ہرگز برہنگی اختیار نہ کرے گی۔ لیکن اگر کوئی ضرورت پیش آجائے مثلاً حمام میں یا دریا کے کنارے غسل کرنا ہو یا ڈاکٹری معائنہ کروانا مقصود ہو تو اس حالت میں وہ اپنے تمام کپڑے اتار کر بالکل برہنہ ہو جانے میں ہرگز تامل نہ کرے گی۔ خواہ ساری دنیا اُس کو اِس حالت میں دیکھ رہی ہو۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اُس کے ملک کی معاشرت اِس بات کو عیب نہیں سمجھتی۔ اسی طرح اگر سرِ راہ ریل و ٹریم میں اس کی گود کا بچّہ دودھ مانگے تو وہ بلا تکلف اپنے جسم کا بالائی نصف حصّہ برہنہ کر کے بچہ کو دودھ دیتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نزدیک ایک ضرورت پوری کر رہی ہے یورپین اقوام کے لوگ ان باتوں پر سخت اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم ہندوستانیوں کے نزدیک یورپین خواتین کی عیاشانہ نیم برہنگی اسی قدر شرمناک ہے۔ جس قدر جاپانیوں کی احتیاجی برہنگی۔ مگر سچ پوچھئے تو ہمارا اعتراض بھی بے جا ہے۔ ہم کس منہ سے دوسروں کی برہنگی پر معترض ہو سکتے ہیں جبکہ خود ہمارے ملک کی تین چوتھائی آبادی ہر وقت برہنہ یا نیم برہنہ رہتی ہے۔

جاپان میں قانوناً ایک شخص صرف ایک شادی کر سکتا ہے۔ مگر طلاق اس قدر آسان

اور عام ہے کہ ہر شخص اپنی عمر میں چاہے تو دس بار طلاق دے اور دوسری شادی کر لے ایسا نہ بھی ہو تب بھی عیاشی کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اور جاپان میں مردوں کے لئے اُس کو بڑا عیب نہیں سمجھتے۔ بعض لوگ کھُلّم کھُلاّ نکاحی بیوی کی موجودگی میں دو تین عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھ سکتے ہیں۔ قانون بھی اُن داشتہ عورتوں کے ساتھ ایسے تعلقات رکھنا جائز قرار دیتا ہے کیونکہ اُن کے بطن سے جو اولاد ہوتی ہے وہ وراثت میں شریک سمجھی جاتی ہے۔

عورت اپنے خاندان کو تباہی سے بچانے کے لئے اگر اپنی عصمت فروخت کر دے تو وہ موردِ الزام نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ یہ ایک زبردست ایثار شمار ہوتا ہے۔ اس لئے سوسائٹی میں ایسی عورت کی بڑی عزت ہوتی ہے۔ چنانچہ اکثر والدین مالی مشکلات میں گرفتار ہو کر اپنی بیٹیاں طوائفوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ تو عام بات ہے کہ شریف گھرانوں کی جوان لڑکیاں ملازمت اختیار کر لینے میں کوئی عار نہیں سمجھتیں۔ اور ملازمت کی حالت میں اپنے مالک کو خوش رکھنا اُن کے فرائض میں داخل ہے۔

عیاشی کے لحاظ سے شہروں کی حالت دیہات سے بدتر ہے۔ شہروں کا تمدن خود مائل بہ تعیش ہے۔ غریب دیہاتیوں کو اس کی نہ فرصت ہے نہ موقعہ۔ مگر دیہات سے ہر سال ہزاروں لڑکیاں شہروں میں آتی ہیں۔ یا براہ راست لائسنسدار عصمت فروشوں کے ہاتھ فروخت کر دی جاتی ہیں۔ یا کوئی ملازمت اختیار کرتی ہیں۔ اور آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں پھر شہروں کی فضا میں ترغیبات شیطانی کا شکار بن کر رہ جاتی ہیں۔

جاپانی خواتین میں پردے کا رواج کبھی نہیں ہوا۔ مگر مردوں عورتوں میں اس قدر اختلاط منظرِ عام پر نہیں ہے جیسا مغربی اقوام میں پایا جاتا ہے۔

جاپانی بالعموم متواضع، خلیق، خوش معاملہ، دیانتدار، اور سچے ہوتے ہیں۔ دکانداروں سے دام چکانے کا رواج نہیں ہے۔ دکاندار بہت زیادہ نفع لے کر یا خراب مال دے کر یا

یا کم ناپ تول کر خریدار کو دھوکا نہیں دیتے۔ اور اگر معدودے چند دھوکا دینے والے بھی ہیں تو اُن پر ایک عام حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بڑی بڑی دکانوں اور ڈیپارٹمنٹ اسٹورز میں غیر ملکی اور بالکل انجان لوگ بھی دھوکے سے بالکل محفوظ ہیں۔ کیونکہ ہر چیز پر دام چھپے ہوتے ہیں۔ اور ہر شخص سے اسی شرح کے مطابق قیمت لی جاتی ہے۔ کھوٹے سکّے بالکل دیکھنے میں نہیں آتے۔

نوکریں عموماً دیانت دار اور وفادار ہوتی ہیں۔ اگرچہ غیر ملکیوں کی نوکریں اس عام حالت سے مستثنیٰ ہیں۔ تاہم وہ بھی چور نہیں ہوتیں۔

چور ڈاکو اور جرائم پیشہ لوگ موجود ضرور ہیں۔ مگر نسبتاً کم ہیں۔ اور بڑی بڑی رقموں کے لئے چوری کرتے ہیں۔ جاپانی مکانات کی دیواریں لکڑی کاغذ اور شیشے کی ہوتی ہیں۔ جن میں چوروں سے ذرا بھی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ نیز دن کے وقت عموماً مکانات ہر وقت بالکل کھُلے رکھتے ہیں۔ اگر لوگ عموماً دیانت دار نہ ہوتے تو روزانہ چوری کے واقعات پیش آیا کرتے۔

۴۔ جزائر جاپان کی تاریخ

جاپان کی قدیم تاریخیں دو ہیں

قدیم زمانے میں جاپان فن تحریر سے محروم تھا اس لئے اس زمانے کی تاریخی حالات سینہ بسینہ روایات کی شکل میں ایک عرصہ دراز تک محفوظ رہے۔ پھر قدیم روایات تحریر میں آئیں مگر آتش زدگی میں یہ قدیم تاریخیں تباہ ہوگئیں۔ آج کل قدیم ترین تاریخیں صرف دو باقی ہیں جو کوجی کی اور نیہان گی کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ دونوں آٹھویں صدی کے اوائل میں قلمبند کی گئی تھیں۔ جاپانی تاریخ کے لئے گویا یہ دونوں سنگ بنیاد ہیں۔ ان میں جو حالات مندرج ہیں وہ تمامتر قصّہ کہانیوں اور توہم پرستی کے پردوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور ابتک ان کے متعلق کوئی چھان بین نہیں ہوئی ہے۔

جاپانی تاریخ کی خصوصیات

(۱) شاہنشاہیت کی قدامت

جاپانی تاریخ کی سب سے بڑی دو خصوصیات ہیں اوّل یہ کہ موجودہ شاہی خاندان گذشتہ دو ہزار سال سے شاہنشاہی کر رہا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری ایسی مثال موجود نہیں ہے۔ موجودہ شاہنشاہ اس خاندان کے ایکسو چوبیسویں ۱۲۴ بادشاہ ہیں۔

ہمیشہ ان شاہنشاہوں کی طاقت یکساں نہیں رہی۔ اور بعض زمانوں میں تو صرف برائے نام ان کی شاہنشاہیت تسلیم کی جاتی تھی۔ اصل حکمران اتالیق یا قائد اعظم ہوتا تھا۔

(۲) غیر اقوام کے تسلط سے آزادی

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آج تک جاپانی قوم غلامی کے ننگ و عار سے آزاد رہی ہے۔ کبھی کسی دوسری قوم نے جاپان کو نہیں فتح کیا۔ اور اس دو ہزار سال میں

صرف دو بار جاپان فتح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اول بار ۱۲۸۱ء میں قبلائی خاں نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑہ ان جزائر کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جونہی قوم نے خطرے کا احساس کیا۔ قومی جذبات حد سے زیادہ برانگیختہ ہوئے۔ دعائیں مانگی گئیں۔ شاید اُس وقت جاپانی اس عظیم الشان جنگی بیڑہ کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ مگر خدائی مدد آئی۔ اور ایک بحری طوفان نے یہ تمام بیڑہ غرق کر دیا۔ اس طرح جاپانیوں کی آزادی صحیح سلامت رہی۔ ۱۸۵۸ء میں مغربی اقوام نے جاپان پر پھر ہاتھ صاف کرنا چاہا تھا۔ مگر اُس وقت بھی جاپانی بہت جلد بیدار ہو گئے۔ اور اپنی آزادی کو بچا لیا۔ دوسری بار روسی بحری بیڑے نے ۱۹۰۴ء میں جاپان پر حملہ کیا۔ اُس وقت بھی موت و زیست کا سوال درپیش تھا۔ مگر اس دفعہ بھی جاپان نے فتح پا کر تمام عالم کو حیرت میں ڈال دیا۔ جاپانی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی و باہمی مخالفتیں بہ تقاضائے بشری یہاں بھی ہوتی ہیں لیکن جب مقابلہ غیروں سے آپڑتا ہے۔ تو سب مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اور جب تک خطرہ دور نہ ہو اپنے اندرونی اختلافات کو بھول جاتے ہیں۔ نیز اندرونی و باہمی جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے کبھی کسی غیر قوم سے مدد طلب نہیں کرتے۔

تاریخ جاپان کے تین دور

بالعموم جاپانی تاریخ کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے:۔

(۱) زمانہ قدیم ۶۶۰ ق م سے ۱۱۹۲ء تک جس میں زمانہ قبل از تاریخ اور شاہنشاہی اقتدار کا دور شامل ہیں۔

(۲) زمانہ وسطےٰ ۱۱۹۲ء سے ۱۸۶۸ء تک نظام جاگیرداری یا فیوڈل سسٹم کا زمانہ اور نفاذین کی حکومت ہے۔

(۳) دور جدید ۱۸۶۸ء سے اس وقت تک صرف تین عہد گزرے ہیں۔

(۱) میجی عہد حکومت ۱۸۶۸ء سے ۱۹۱۲ء تک۔



بارھویں صدی میں جاپانی زنانہ لباس

(۲) تائشو عہد حکومت سنہ ۱۹۱۳ء سے سنہ ۱۹۲۵ء تک۔

(۳) شوا عہد حکومت یعنی موجودہ شاہنشاہ کا زمانہ سنہ ۱۹۲۶ء سے جاری ہے۔

قدیم تاریخ

زمانۂ قبل از تاریخ میں کوریا کی راہ سے کسی وسط ایشیائی قوم نے جزائر جاپان کے مشرقی حصہ میں آنا شروع کیا اور ملایا قوم کی کسی شاخ نے جنوب کی طرف سے حملہ کیا۔ اور ان دونوں کے اختلاط سے موجودہ جاپانی قوم کی تخمیر ہوئی اس نئی قوم نے ان جزائر کے اصلی باشندوں کو جو "اینو" کہلاتے ہیں۔ شمال کی جانب بھگا دیا یا قتل کرڈالا۔ اور خود ان جزائر میں آباد ہوگئی۔ سب سے پہلا شاہنشاہ جس کا نام تاریخ میں باقی ہے۔ جموؔ ہے۔ ابتدائی حکومت یقیناً خاندانی حکومت ہوگی جس وقت یہ لوگ یہاں آباد ہوئے۔ اس وقت لوہے کے استعمال اور ابتدائی فن زراعت سے واقف تھے۔ ملک کا اصلی مذہب شنتو بھی درحقیقت اسی زمانے کی یادگار ہے۔

سنہ ۶۶۰ ق م سے سنہ ۴۰۰ء تک زمانہ بالکل تاریکی میں ہے۔ لیکن اس کے بعد چینی اور کورین تہذیب کے اثرات ملک میں پیدا ہونے لگے۔ سنہ ۹۴۷ء تک مطلق العنان حکومت کا زمانہ ہے۔ اس زمانے کے اکثر شاہنشاہ نہایت جابر و قاہر گذرے ہیں۔ جنھوں نے بیدریغ ہزاروں آدمیوں کو بلاوجہ قتل کیا ہے (مثلاً یوریاکو سنہ ۴۵۷ء تا سنہ ۴۷۹ء جاپان کا نیرو کہلاتا ہے)

چھٹی صدی عیسوی میں بدھ مت اس ملک میں پھیلنے لگا۔ اس زمانے میں نارہ دارالسلطنت تھا۔ لیکن آٹھویں صدی میں دارالسلطنۃ کیوتو میں تبدیل کردیا گیا۔

سنہ ۹۴۷ء سے سنہ ۱۱۵۹ء تک فوجی والے خاندان کا اقتدار اپنے عروج کمال پر تھا اس خاندان نے شاہنشاہی اختیارات کو ایک ایک کر کے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اور شاہنشاہ محض ان کے ہاتھوں میں کٹ پتلیاں تھے۔ شاہنشاہی خاندان میں سے جس کو چاہتے شاہنشاہ بناتے اور جس کو چاہتے معزول کرتے تھے۔ خود اتالیق کہلاتے تھے

ملک کے جتنے بڑے بڑے عہدے تھے ان پر اُسی خاندان کے افراد مامور تھے۔ یہ خاندان مذہبی قوت کے زور پر اپنا اقتدار قائم کئے ہوتے تھا۔

عہدِ وسطیٰ کی تاریخ

بارہویں صدی کے وسط میں فوجی وارا خاندان کا اقتدار ختم ہو گیا۔ اور ان کی جگہ پہلے تائرہ خاندان نے لی پھر مناموتو خاندان نے۔ اگرچہ شاہنشاہ ۱۸۶۸ء تک برابر کیوتو ہی میں رہا۔ مگر مناموتو خاندان نے اپنے لئے ایک نیا شہر کماکورا بسایا اور اپنا دربار وہاں سجایا۔

بارہویں صدی شروع ہوتے ہی یہ اقتدار مناموتو خاندان سے ہوجو خاندان میں بآسانی منتقل ہو گیا۔ اور چودھویں صدی تک اسی خاندان میں باقی رہا۔

۱۳۳۳ء سے ۱۵۷۳ء تک طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ یعنی شاہنشاہ تو بالکل بے اختیار تھا۔ اور قیادت کے لئے کئی خاندان باہم جھگڑ رہے تھے۔ بالخصوص ۱۳۹۲ء سے ۱۶۰۳ء تک ملک میں دو برابر کی طاقتیں موجود تھیں۔ اور ایک دوسرے کی حریف تھیں ان میں سے اشی کاگا خاندان زیادہ طاقتور تھا۔ اور کیوتو پر قابض تھا۔ اس طوائف الملوکی کی حالت سے تین بڑی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ نوبوناگا۔ ہیدے یوشی۔ اور توکوگاوا ای اے یاسو۔

اشی کاگا خاندان کے آخری قائد نے نوبوناگا کو اپنا معاون قائد مقرر کیا۔ نوبوناگا نے پہلے تو تمام سرکش سرداروں کو زیر کیا اور جب خود اس کی طاقت خوب بڑھ گئی تو قائد (شوگن) کو شکست دے کر ۱۵۷۳ء میں خود شوگن بن گیا۔ ۱۵۷۳ء سے ۱۶۰۳ء تک بڑی سخت کشمکش جاری رہی کہ کون سا خاندان قائد بنے۔ اولاً ہیدے یوشی اور ای اے یاسو دونوں نوبوناگا کے جنرل تھے۔ اور انھیں دونوں کی مدد سے اس نے یہ اقتدار حاصل کیا تھا۔

نوبوناگا کے ایک جنرل آکےچی نے بغاوت کی اور ایک عمدہ موقع پاکر نوبوناگا کو

خودکشی کرنے پر مجبور کیا۔ ہیدے یوشی کو معلوم ہوا تو وہ فوراً اپنی تمام فوج لے کر آکے چی سے مقابل ہوا اور اس کو شکست دے کر ۱۵۸۲ء میں خود قائد بن گیا۔

ہیدے یوشی ایک زبردست جنرل اور اعلیٰ درجہ کا مدبّر تھا۔ مگر اس کا عہد اقتدار کچھ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا۔ تاہم اُس نے لڑ بھڑ کر یا تدبیر سے اپنے تمام دشمنوں کو زیر کر لیا۔ اور دوبارہ ملک میں امن و امان قائم کر دیا۔ اندرونی انتظامات سے فارغ ہو کر ۱۵۹۲ء میں اس نے کوریا فتح کرنے کے لئے ایک لشکر جرار کے ساتھ اس ملک پر حملہ کیا مگر ناکام رہا۔

ہیدے یوشی نے مرتے وقت اپنے پنج سالہ بیٹے کو قائد بنایا اور نظم و نسق کے لئے ایک کونسل مقرر کر دی۔ جس کا صدر ایئے سو تھا۔ مگر ۱۶۰۰ء میں ای اے یاسو توکوگاوا اپنی جنگی قابلیت سے اپنے تمام دشمنوں کو زیر کر کے خود قائد اعظم بن گیا۔ اور اس طرح توکوگاوا شوگن خاندان کی بنیاد پڑ گئی۔ جو ۱۶۰۰ء سے ۱۸۶۸ء تک جاپان پر حقیقی معنوں میں حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان نے اپنا دربار ییدو (یعنی موجودہ توکیو) میں قائم کر کے ایک خوشنما اور شاندار شہر و محل تعمیر کیا۔

توکوگاوا شوگنوں کی حکومت تمامتر فوجی قوت و نظام پر قائم تھی۔ اس خاندان میں پندرہ شوگن ہوئے جنھوں نے ۱۶۰۳ء سے ۱۸۶۸ء تک حکومت کی۔ اس زمانے میں شاہنشاہ کو ملکی نظم و نسق میں کوئی دخل نہ تھا۔

اس زمانے کو خوابِ جاپان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ توکوگاوا عہد حکومت میں قانوناً غیر ملکوں سے تمام تعلقات ترک کر دئے گئے تھے۔ نہ کسی غیر ملکی کو جاپان میں آنے کی اجازت تھی۔ اور نہ کوئی جاپانی جزائر جاپان سے باہر جا سکتا تھا۔ سولہویں صدی میں پرتگیز بغرض تجارت جاپان آئے تھے۔ مگر بہت جلد تجارت کے ساتھ تبلیغ مذہب اور اس کے ساتھ ساتھ سیاسی اغراض کو خلط ملط کر دیا۔ اس لئے اولاً

۱۶۱۴ء میں عیسائی مذہب کے خلاف ایک شاہی اعلان ہیدے یوشی نے جاری کیا مگر اس پر سختی سے عمل نہیں کیا۔ لیکن ۱۶۲۲ء سے جاپانی اور غیر ملکی عیسائیوں اور پادریوں پر وحشیانہ مظالم شروع ہوتے اور صلیب و انجیل اور مسیح و مریم کی مورتوں کو پامال کرنے کی رسم جاری ہوئی۔ ۱۶۳۷ء میں عیسائیوں نے بغاوت کی۔ اس لئے ۱۶۳۸ء میں ایک عام فرمان جاری کر دیا گیا۔ کہ نہ کوئی پرتگیز جاپان میں آسکتا ہے اور نہ پرتگیز تجارتی جہاز کسی بندرگاہِ جاپان میں داخل ہوسکتا ہے۔ ڈچ قوم کے لوگ کچھ عرصہ پہلے سے پرتگیزوں کے تجارتی حریف تھے۔ ۱۶۴۱ء میں ان کو بھی مجبور کیا گیا کہ ہرادے بندرگاہ کو چھوڑ کر ایک نہایت چھوٹے سے جزیرے دیشمیہ میں چلے جائیں۔ اور اس کے گرد لکڑی کی دیوار بنا کر اندر رہیں۔ یہ جزیرہ صرف ۲۴۰ فٹ چوڑا اور ۶۰۰ فٹ لمبا تھا۔ جس میں ڈچ تاجر گویا مقید رہتے تھے۔ دو سو برس تک غیر ملکی تجارت کا دارومدار انھیں ڈچ لوگوں پر تھا۔

اس دو ڈھائی سو برس کی علیحدگی اور مسلسل امن کا ایک عمدہ نتیجہ یہ ہوا کہ ملکی صنعتیں اور علوم و فنون خوب ترقی کر کے اپنے پورے کمال پر پہنچ گئے۔ بجز آتش زدگی، زلزلوں، آتش فشانیوں کے اِن دو صدیوں میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ ۱۶۷۳ء میں انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارتی تعلقات قائم کرنے کی ناکام کوشش کی ۱۷۰۷ء میں کوہ فوجی نے آخری بار آتش فشانی کی۔

موجودہ دور کا آغاز

۷ رجولائی ۱۸۵۳ء جاپان کی تاریخ میں یادگار دن ہے جبکہ امریکہ کا امیر البحر پیری معہ اپنے جنگی بیڑے کے ٹوکیو کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ اور توپوں کی گرج نے جاپان کو خواب سے بیدار کر دیا۔ جاپانی حکومت نے پیری کو حکم دیا کہ ناگاساکی کو واپس جاتے لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ اور پریسیڈنٹ فلمور کا خط بذاتِ خود شاہنشاہ کے ہاتھ میں دینے پر اصرار کیا۔



درباری لباس

اُس وقت شوگن کے دربار میں عجیب کھلبلی مچی تھی۔ اور تمام اراکین سلطنت حیران تھے کہ اس وحشی یعنی پیری سے کیونکر نجات پائیں۔ آخر ۱۴ ر جولائی ۱۸۵۳ء کو شوگن کے ایک سفیر نے باقاعدہ دربار منعقد کر کے پریسیڈنٹ امریکہ کا خط پیری سے لیا۔ اور اس طرح شوگن کی حکومت نے خود اپنا قانون توڑ دیا۔ مگر جاپانیوں کا خیال تھا کہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے گا۔ لیکن پیری خط کا جواب لینے کے لئے فروری ۱۸۵۴ء میں واپس آگیا۔ اور ۳۱ ر مارچ ۱۸۵۴ء کو شوگن کی حکومت کے ساتھ ایک معاہدہ صلح کیا جس کی رو سے شمودہ اور ہاکوداتے کی بندرگاہیں امریکہ کے لئے کھول دی گئیں۔ اور امریکن کونسل جنرل کو شمودا میں رہنے کی اجازت دی گئی۔ اس قسم کے معاہدے ۱۵ ر اکتوبر ۱۸۵۴ء کو برطانیہ سے، ۷ ر فروری ۱۸۵۵ء کو روس سے اور ۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء کو ڈچ قوم سے ہو گئے۔

ان معاہدوں سے تمام قومی زندگی میں ایک زلزلہ سا آگیا، اور سیاسی حلقوں میں یہ گفتگو ہونے لگی کہ آیا ان معاہدوں پر دستخط کرنے میں شوگن نے اپنے اختیار سے تجاوز کیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ شوگن محض نائب یا وزیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل اقتدار تو شاہنشاہ کو ہونا چاہیئے۔ سوء اتفاق سے ملک پر اسی زمانے میں آفات سماوی پے در پے نازل ہونے لگیں۔ پہلے سخت زلزلہ آیا۔ آتش زدگی سے ایک لاکھ جانیں ضائع ہوئیں اور ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۶ء تک ملک میں طوفان۔ وبائیں۔ سیلاب۔ آتشزدگی۔ زلزلوں سے بیشمار جان و مال کا نقصان ہوا۔ اس پر عوام میں مشہور ہو گیا کہ یہ عذاب غیر ملکیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں۔ اگست ۱۸۵۶ء میں ٹاؤنسینڈ ہیرس پہلا امریکن کونسل جنرل شمودہ میں وارد ہوا۔ جو ۳۰ ر نومبر کو ییدو (ٹوکیو) میں داخل ہوا اور ۷ ر دسمبر کو شوگن کے سامنے پیش کیا گیا۔ ۲۹ ر جولائی ۱۸۵۸ء کو ایک تجارتی معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ مگر اس کا نفاذ ۴ ر جولائی ۱۸۵۹ء کو ہوا۔ اور تینتیس برس ۱۸۵۹ء تک یہ معاہدہ قائم رہا۔

کچھ عرصے کے بعد اسی قسم کے معاہدے برطانیہ - روس - فرانس - ہالینڈ - پرشیا - سوئٹزرلینڈ - اٹلی - بلجیم - آسٹریا ہنگری - اسپین - ڈنمارک - ہوائی - سویڈن - ناروے پرتگال - پیرو سے ہوئے -

۱۸۵۹ء میں کناگاوا - (یوکوہاما) ناگاساکی اور ہاکوداتے کی بندرگاہیں غیر ملکی تجارت کے لئے کھولدی گئیں - اور ہیرس بجائے کونسل کے منسٹر تسلیم کیا گیا -

۱۸۶۰ء میں شوگن نے اپنے سفیر کو امریکہ بھیجا -

عام پبلک غیر ملکیوں سے تعلقات قائم کرنے کی اس قدر مخالف تھی کہ ۲۴ مارچ ۱۸۶۰ء کو کچھ لوگوں نے شوگن کے وزیر آئی کو قتل کر دیا -

۱۸۶۲ء میں پھر شوگن نے ایک سفارت امریکہ اور یورپ بھیجی تاکہ معاہدہ کی رو سے جو ہیوگو اور نگاتا کی بندرگاہیں غیر ملکیوں کے لئے کھولنا قرار پایا تھا - وہ فی الحال ۵ سال کے لئے ملتوی کر دیا جائے چنانچہ کامیابی ہوئی - اور یکم جنوری ۱۸۶۸ء تک یہ کام ملتوی رہا - اس سال ایک انگریز مسمی رچرڈسن قتل ہوا - برطانوی منسٹر نے فوراً قاتلوں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا جو پورا نہیں کیا گیا - اس لئے انگریزی جنگی جہازوں نے کاگوشیما پر آتشباری کی - اسی سال جاپانیوں نے شمونوسکی کی بندرگاہ سے امریکن فرانسیسی اور ڈچ جہازوں پر گولہ باری کی - فوراً امریکن اور فرانسیسی جنگی جہازوں نے جواب دیا - نقصانات کی تلافی کے لئے گفت و شنید شروع ہوئی - مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا - آخر برطانیہ ڈچ - فرانس - اور امریکہ نے فوجی طاقت کا مظاہرہ کر کے جاپان پر تیس لاکھ ڈالر کا تاوان لگایا - لیکن ۱۸۸۳ء میں امریکہ نے اس تاوان میں سے اپنا حصہ جاپان کو تعلیمی اغراض کے لئے واپس دے دیا -

۱۸۶۵ء میں شوگن نے شاہنشاہ کی تائید گذشتہ معاہدوں کے لئے حاصل کی -

۱۹ نومبر ۱۸۶۷ء کو آخری شوگن کے ای کی نے بحیثیت شوگن جملہ اختیارات

اس کو تھے۔ تمام وکمال شاہنشاہ کو واپس دیدتے۔ اور اس طرح شوگنوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اگرچہ شوگن برضا و رغبت اپنے اختیارات سے دست بردار ہوگیا۔ لیکن سات صدیاں گذر چکی تھیں کہ شاہنشاہ محض نام کے شاہنشاہ تھے۔ اور ملکی نظم ونسق میں کوئی دخل نہ رکھتے تھے۔ یہ شاہنشاہ دفعتًا ان اختیارات کو حاصل کرکے حیران رہ گیا کہ کیا کرے اس لئے اقتدار **توکوگاوا** خاندان کے ہاتھ سے نکل کر **ستسوما** اور **چوشو** خاندانوں میں چلا گیا۔ اور اس خاندان نے قریب قریب وہی حیثیت اختیار کرلی جو توکوگاوا شوگن کو حاصل تھی۔

توکوگاوا خاندان کے خیرخواہوں کو یہ بات ناپسند ہوئی۔ اس لئے انھوں نے سابق شوگن کو اس بات پر آمادہ کیا کہ فوجی طاقت کے زور پر وہ **ستسوما** اور **چوشو** خاندانوں کی علمبرداری ہٹادے۔ اور شاہنشاہ کو پوری طرح آزاد کرادے۔ اسی غرض سے جنگ شروع ہوئی۔ توکوگاوا شوگن کو شکست ہوئی۔ مگر شاہنشاہ نے پورا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اسی واقعہ کو "انقلابِ جاپان" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس وقت سے گویا جاپانِ جدید کی ابتدا ہوتی ہے شاہنشاہ میجی (۱۸۶۸ء سے ۱۹۱۲ء تک) کا نام جاپانی تاریخ میں حروفِ زریں سے لکھنے کے قابل ہیں۔ جن کی ان تھک کوششوں اور اپنی رعایا کے ساتھ پدرانہ شفقت نے جاپان کو وہ بنادیا جو آج ہے۔

یکم جنوری ۱۸۶۸ء کو کوبے اور اوساکا کی بندرگاہیں غیر ملکیوں کے لئے کھل گئیں۔ اور ۱۸۶۸ء میں توکیو اور نگاتا بھی غیر ملکیوں کے لئے کھل گئے۔ ۳ فروری ۱۸۶۸ء کو جاپانی تاریخ میں پہلی بار شاہنشاہ میجی نے خود اپنے دستخط اور مہر سے ایک اعلان غیر ممالک کے سفراء کے نام جاری کیا کہ آج کے بعد تمام معاہدے شاہنشاہ کے نام سے ہوں گے، اور ۲۳ مارچ کو شاہنشاہ نے پہلی بار غیر ممالک کے سفراء سے

ملاقات کی۔

۱۸۶۸ء میں یید و کا نام تبدیل کر کے ٹوکیو رکھا گیا۔ اور شاہنشاہ کا دربار کیوٹو سے منتقل ہو کر ٹوکیو آگیا۔

۱۸۶۹ء میں شاہنشاہ میجی کی شادی ہوئی۔ شاہنشاہ نے حلف اٹھایا کہ تمام ملکی نظم و نسق پبلک کی رائے کے مطابق کیا جائے گا۔ قدیم رسوم قبیحہ کو مٹا دیا جائے گا۔ اور عوام کو تعلیم دی جائے گی۔ اور ہر ایک کے ساتھ انصاف و غیر جانب داری کا برتاؤ کیا جائے گا۔

اسی زمانے میں ملک کے تمام رؤسا نے اپنی اپنی ریاستیں شاہنشاہ کے حوالے کر دیں۔ ۱۸۷۱ء میں یہ کام بالکل مکمل ہو گیا۔ اور بجائے ان چھوٹی چھوٹی علیحدہ علیحدہ ریاستوں کے تمام سلطنت پر یفیکچروں میں تقسیم کر دی گئی۔ یہ فیصلہ ہوا کہ ان تمام رؤسا کو حکومت کی طرف سے ان کی سابقہ ریاستوں کی سالانہ آمدنی میں سے صرف دسواں حصہ سال بسال دیا جائے۔ اور ان کے ماتحت جو ساموراتی (پیدائشی سپاہی) رہا کرتے تھے اُن سب کو صرف ایک بار ایک رقم ادا کر دی جاتے۔ اِس غرض کے لئے حکومت نے غیر ممالک سے ۱۶ کروڑ پچاس لاکھ ڈالر قرض لئے۔

ملکی نظم و نسق سے فارغ ہو کر شاہنشاہ کی توجہ ملک کے ذرائع آمد و رفت و خبر رسانی کے بہتر بنانے کی طرف منعطف ہوئی۔

۱۸۷۰ء میں یوکوہاما اور ٹوکیو کے درمیان تار برقی پیغامات کا سلسلہ قائم ہوا۔ ۱۸۷۲ء میں پہلی ریلوے لائن ان ہی دونوں شہروں کے درمیان بنی ۱۸۷۰ء میں بندرگاہوں کے قریب لائٹ ہاؤس تعمیر ہوئے۔ ۱۸۷۱ء میں پہلی بار ڈاکخانہ کا محکمہ قائم ہوا۔ اور ۱۸۷۲ء میں غیر ملکی ڈاک کا انتظام ہو گیا۔ ۱۸۷۳ء میں پہلی بار ملکہ نے غیر ملکی خواتین کو مدعو کیا۔

۱۸۷۱ء میں پہلی ٹکسال اور جدید وضع کی بندرگاہ بنی۔ ۱۸۷۲ء میں جبریہ تعلیم کا قانون نافذ ہوا۔ یکم جنوری ۱۸۷۳ء سے جاپان نے عیسوی سن اختیار کر لیا۔ ۱۸۷۳ء ہی میں جبریہ فوجی خدمت کا قانون نافذ ہوا۔

۱۸۷۱ء میں ایک اور سفارت یورپ اور امریکہ بھیجی گئی۔ اس کے ہمراہ پانچ خواتین بھی بغرض تعلیم امریکہ گئیں۔ ان میں دو خواتین جلد ہی واپس آ گئیں۔ لیکن تین نے وہاں تعلیم پائی۔ اور جاپان واپس آکر ملک میں بیداری پیدا کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ اس سفارت کے ممبروں نے بھی مغربی تہذیب کا خوب مطالعہ کر کے ان تمام خوبیوں کو جاپان میں پیدا کرنے کی کوشش کی۔

۱۸۷۴ء میں ایک زبردست بغاوت ہوئی جو سختی سے دبا دی گئی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد جاپان نے فارموسا کے جزیرہ پر حملہ کیا۔ اور وہاں سے پچاس ہزار پونڈ تاوانِ جنگ وصول کیا۔ ۱۸۷۷ء میں پھر ملک میں بغاوت ہوئی۔ مگر یہ بھی جلد فرو کر دی گئی۔

۱۸۷۵ء میں روس کو جزیرہ سنگھالین دے کر جزائر کیورائل لے لئے گئے۔ ۱۸۷۶ء میں کوریا سے ایک معاہدہ صلح ہوا۔ ۱۸۷۷ء میں پہلی قومی نمائش ٹوکیو میں منعقد ہوئی۔ ۱۸۷۹-۸۹ء اندرونی ترقی کا زمانہ ہے۔ حکومت کے قدیم طریقوں کو بدل کر مغربی نمونے پر کابینہ وزارت قائم ہوئی۔ اور مختلف محکمے بنائے گئے۔ رؤسا کے پانچ مدارج قائم ہوئے۔ پارلیمنٹ کا خاکہ تیار ہوا۔ لوکل سیلف گورنمنٹ کی بنیاد پڑی۔ دیوانی مال و فوجداری قوانین تیار ہوئے۔ اور ہر چیز قانون کے ماتحت ہو گئی۔ مالیات میں اس درجہ کفایت شعاری سے کام لیا گیا کہ سلطنت کا آمد و خرچ مساوی ہو گیا۔ ایک قومی بینک تیار ہوا۔ اور دیگر چھوٹی بڑی انسٹی ٹیوشنز قائم ہوئیں جو تہذیب جدید کا لوازمہ ہیں۔

ریلوے اسکیم کو ترقی ہوئی۔ ڈاکخانہ اور تار کو بھی وسعت حاصل ہوئی۔ تجارتی

بیڑے کی بنیاد پڑی۔ بندرگاہوں کی تعمیر ہوئی۔ سڑکیں تمام ملک میں جال کی طرح پھیل گئیں سول سروس کے لئے مقابلے کے امتحان قائم ہوتے۔ طلباء کی ایک کثیر تعداد حکومت کے خرچ پر یورپ و امریکہ بھیجی گئی کہ وہاں مختلف علوم وفنون میں مہارت پیدا کرے۔ نہایت ہوشیاری سے غیر ممالک کے ساتھ بہتر دوستانہ تعلقات قائم کئے گئے۔ ۱۸۸۰ء میں یوکوہاما سپیشی بینک قائم ہوا۔ ۱۸۸۲ء میں بینک اوف جاپان قائم ہوا۔ ۸۴-۱۸۸۲ء میں کئی پرائیویٹ اسٹیم شپ کمپنیاں قائم ہوئیں۔

۱۸۸۲ء میں واسیدا یونیورسٹی قائم ہوئی اور ۱۸۸۴ء میں انگریزی زبان جاپانی سکولوں کے نصاب میں شامل کی گئی۔

۱۸۸۲ء میں کورین لوگوں نے جاپانی سفیر متعینہ سوئیل پر حملہ کیا۔ مگر وہ بدقت جان بچا کر بھاگا۔ اس لئے ۱۸۸۵ء میں جب چین و جاپان کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تو دونوں نے اپنی افواج سوئیل میں رکھنا لازمی قرار دیا۔

جولائی ۱۸۹۴ء میں کوریا کے متعلق چین و جاپان میں جنگ چھڑی۔ جاپان نے فوراً کوریا کے دارالسلطنت سیول پر قبضہ کر لیا۔ شمالی کوریا میں پینگ یانگ کے مقام پر چینیوں کو شکست فاش دی۔ اور اسی طرح چینی بیڑے کو بھی شکست ہوئی۔ جاپانی افواج نے منچوریا میں پیشقدمی کی حتےٰ کہ پیکنگ خطرے میں پڑ گیا۔ دوسری جاپانی فوج نے پورٹ آرتھر پر قبضہ کر لیا۔ پھر جزیرہ نما شنٹنگ پر قبضہ کر کے وی ہے وی کو گھیر لیا۔ اور اس کو فتح کر کے پھر متفقہ افواج نے چینیوں کو ایک اور زبردست شکست دی۔ اور چینیوں کی فوجی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ انھوں نے صلح کی درخواست کی۔ ۱۹ اپریل کو صلح کے شرائط طے ہوتے۔ چین نے کوریا کو خود مختار تسلیم کر لیا۔ چین نے جاپان کو لیوٹنگ جزیرہ نما۔ جزیرہ فارموسا اور جزائر پسکاڈور اور بیس کروڑ چینی ڈالر تاوان جنگ دینا منظور کیا۔ نیز چینی بندرگاہیں جاپانیوں کے لئے تجارتی اغراض سے کھولنی پڑیں۔ اس

صلحنامہ پر دستخط ہوتے ہی تھے کہ روس فرانس اور جرمنی نے فوراً مداخلت کی اور جاپان کو لیوٹنگ جزیرہ نما سے بعوض مزید تیس کروڑ ڈالر تاوان دستبردار ہونا پڑا۔

جاپان کو اس جنگ سے نہ صرف جزائر فارموسا اور پسکاڈور حاصل ہوتے بلکہ یہ تاوان کی زبردست رقم جو ہاتھ آئی اس سے ایک آنے والی جنگ کے لئے تیاری کی گئی۔ ایک اور زبردست فائدہ اس جنگ کا یہ ہوا کہ دول عظمےٰ اس جنگ سے قبل جاپان کو آزادی دینے اور شرائط معاہدہ کی تجدید و ترمیم کے لئے تیار نہ تھیں۔ چین کو شکست دے کر جاپان نے جونہی اپنی جنگی قوت کا ثبوت دیا فوراً ہی دول عظمےٰ نے ترمیم معاہدہ کر لیا۔ اور ۱۸۹۹ء میں نئے معاہدے کے لحاظ سے جاپان بالکل آزاد ہو گیا۔ اور مغربی اقوام کے مساوی حقوق کا حقدار تسلیم کر لیا گیا۔

۱۹۰۰ء میں زنانہ یونیورسٹی ٹوکیو میں قائم ہوئی۔

۱۹۰۰ء میں مغربی اقوام اور چین کے درمیان جو کشمکش ہوئی اس میں جاپان نے مغربی اقوام کا ساتھ دیا۔ ۱۹۰۲ء میں برطانیہ نے ایک علیحدہ معاہدہ اتحاد کیا جس کی تجدید مزید دس سال کے لئے ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔

گذشتہ جنگ چین میں جاپان کو بڑا تلخ تجربہ ہوا تھا۔ جاپان نے لیوٹنگ جزیرہ نما فتح کیا۔ مگر روس نے فرانس اور جرمنی کی مدد سے اس پر قبضہ کر لیا۔ روس روز بروز اپنے اقتدار کو منگولیا اور کوریا میں ترقی دے رہا تھا۔ کوریا اور منگولیا پر قبضہ کر لینے کے یہ معنی تھے کہ بحیرۂ جاپان کا مالک روس ہوتا۔ اور اس حالت میں جاپان کی خیر نہ تھی۔ یہ موت و حیات کا سوال تھا۔

جاپان چھ ماہ تک بے سود گفت و شنید کرتا رہا۔ لیکن روس نے اپنی طاقت کے بھروسہ پر ذرا پرواہ نہ کی۔ آخر ۷ فروری ۱۹۰۴ء کو جاپان نے روس سے اپنے سیاسی تعلقات منقطع کر کے اعلان جنگ کر دیا۔ امیر البحر ٹوگو نے ۸ فروری کو آدھی رات کے وقت

روسی بیڑہ متعینہ پورٹ آرتھر پر حملہ کرکے اُس کو سخت نقصان پہنچایا۔ اگلی صبح کو پھر دو روسی جہازوں کو غرق کرکے برّی افواج کوریا میں اتار دیں جو اسی روز سیول میں داخل ہو گئیں۔

۱۳ رفروری کو کوریا اور جاپان کے درمیان معاہدہ اتحاد ہو گیا۔ برّی افواج اسکے بعد لیوٹنگ جزیرہ نما میں بڑھیں۔ پے در پے کئی مقامات پر روس کو شکست دی۔ اور روسیوں سے شہر ڈالنی خالی کروالیا۔ اس کے بعد پورٹ آرتھر کا محاصرہ شروع ہوا۔ ادھر جاپانی بیڑے نے روسی بیڑے کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اور نہایت اطمینان سے اصلی بیڑے کا انتظار کر رہا تھا۔ ۱۳ راگست کو ایک اور خوفناک لڑائی شروع ہوئی جو ایک ہفتہ تک جاری رہی اس میں روسیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔

یکم جنوری ۱۹۰۵ء کو بالآخر پورٹ آرتھر بھی جاپانیوں نے فتح کرلیا۔ ۱۰ رمارچ کو جاپانی افواج نے ایک اور زبردست فتح مکڈن کے قریب حاصل کی۔ اب روسیوں کی امیدیں اُس بیڑے پر لگی ہوتی تھیں۔ جو بحیرۂ بالٹک سے چل چکا تھا۔ جاپانی بیڑا اس کا انتظار جزائر جاپان اور کوریا کے درمیان کر رہا تھا۔ ۲۷ ر اور ۲۸ مئی کو مقابلہ ہوا۔ اور روسی بیڑا قطعاً برباد ہو گیا۔ جاپانی بیڑے کو برائے نام نقصان پہنچا۔ اب صلح کی گفت وشنید شروع ہوئی۔ ۲۹ راگست کو صلحنامے پر دستخط ہو گئے۔ روس نے جاپان کا اقتدار کوریا میں تسلیم کرلیا۔ اور لیوٹنگ جزیرہ نما اور پورٹ آرتھر جاپان کے حوالے کردیا۔ منچوریا ریلوے کے متعلق تمام حقوق روس نے جاپان کو دیدیئے۔ اور جزیرہ سنگالین کا نصف جنوبی حصہ بھی جاپان کو دیدیا۔ جاپان کو اس جنگ میں سخت مالی نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے جب کوئی نقد تاوان جنگ نہ ملا تو جاپانیوں کو سخت مایوسی ہوئی۔ نیز اُن کا خیال تھا کہ سنگالین تمام اُن کو ملنا چاہیئے تھا۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں جزیرہ فارموسا میں ریل جاری ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں شاہنشاہ کے خلاف

ایک انارکسٹ پارٹی کی سازش کا پتہ چلا۔ کئی آدمی اس جرم کی پاداش میں سزایاب ہوئے۔

جنگ روس و جاپان کے بعد کوریا میں جاپانی علمبرداری قائم ہوئی لیکن ۱۹۱۰ء میں اس کا مکمل الحاق سلطنت جاپان سے ہوگیا۔ اور اس طرح جاپان نے ایشیائی برّاعظم پر قدم جمالیا۔

اِن پیہم فتوحات اور اندرونی اصلاحات نے جاپان کو صحیح معنوں میں دنیا کی ایک اول درجے کی طاقت بنادیا۔

۱۸۹۹ء میں جو معاہدے دولِ عظمیٰ سے ہوچکے تھے اُن کی میعاد ختم ہوئی تو ۱۹۱۱ء میں بالکل نئے معاہدے ہوئے اور جاپان کو دنیا کی تجارت میں بالکل آزادی دی گئی۔ اِس سال شاہنشاہ نے ۱۵ لاکھ ین غربا اور بیماروں کی مدد کے لئے عنایت فرمائے۔ اور دیگر متمول لوگوں نے بھی اس فنڈ میں چندہ دے کر رقم کو ڈھائی کروڑ ین تک پہنچا دیا۔

۱۹۱۲ء میں شاہنشاہ میجی فوت ہوئے اور ولی عہد یوشی ھیتو تخت نشین ہوئے۔

۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم برپا ہوئی تو جاپان نے اتحادیوں کے مشرقی مقبوضات کی حفاظت کرنے کا وعدہ کیا اور اس صلے میں اتحادیوں نے جاپان کو اجازت دی کہ بحرالکاہل میں جرمنی کی اُن نوآبادیات پر قبضہ کرلے جو خطِ استوا کے جنوب میں واقع تھیں چنانچہ جاپان نے موقع غنیمت سمجھ کر فوراً اُن پر قبضہ کرلیا۔ اور اس طرح جرمنی سے ۱۸۹۵ء کی خصومت کا انتقام لے لیا۔ اِس جنگ سے ایک بڑا فائدہ جاپان کو یہ پہنچا کہ اس وقت جب دنیا کی تمام تجارتی اقوام گولہ بارود بنانے اور اپنی فوجی قوتوں کو متصادم کرکے ضائع کرنے میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ جاپان اپنی اقتصادی اور جنگی قوت کو مضبوط کر رہا تھا۔ اسی زمانے میں جاپان کی تجارت چین و ہندوستان کے ساتھ یکایک بہت زیادہ بڑھ گئی۔ یکم ستمبر ۱۹۲۳ء کو عظیم الشان زلزلہ آیا۔ اور زبردست جان

و مال کا نقصان ہوا۔

۱۹۲۶ء میں موجودہ شاہنشاہ ہیرو ھیتو کی تخت نشینی ہوئی اور عہد "شوآ" شروع ہوا۔ جس کا اب (۱۹۳۲ء میں) ساتواں سال ہے۔

ملک کی اقتصادی حالت اور حکومت کی مالی مشکلات روز بروز بڑھتی گئیں۔ ملک میں ایک عام بےچینی پھیلی۔ ستمبر ۱۹۳۰ء میں ایک جاپانی نوجوان نے وزیر اعظم ہماگوچی پر قاتلانہ حملہ کیا۔ جو کئی ماہ صاحب فراش رہ کر مارچ ۱۹۳۱ء میں فوت ہو گئے۔ اپریل میں واکاتسو کی کابینہ مرتب ہوئی۔ مگر آٹھ ماہ کے بعد ہی اراکین کی نااتفاقیوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور دسمبر ۱۹۳۱ء میں مسٹر انوکائی نے پھر نئی کابینہ مرتب کی۔ ابتدائً ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حکومت کی بہت سی مشکلات نئے کابینہ کے تدبّر سے ختم ہو جائیں گی۔ عوام کو بھی مسٹر انوکائی پر بڑا اعتماد تھا۔ مگر چونکہ اصل اسباب بدستور موجود تھے اس لئے یہ اطمینان کی حالت عارضی ثابت ہوئی۔ اپریل ۱۹۳۱ء میں مسٹر انوکائی بھی قتل ہوئے۔

چین سے سیاسی تعلقات کچھ عرصہ سے نہایت خراب ہو رہے تھے۔ بالآخر ۱۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو چینی افواج نے منچوریا میں جاپانی ریلوے کے علاقہ پر دھاوا کر دیا۔ اور جاپانی افواج تحفظ نے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ جاپان نے چین کو پے در پے شکستیں دے کر منچوریا سے باہر نکال دیا۔ دولِ عظمٰے نے جاپان کے اس رویہ سے سخت اختلاف کیا۔ معاملہ لیگ آف نیشنز (انجمن بین الاقوام) میں پیش ہوا۔ اور جاپان کے خلاف فیصلہ ہوا۔ مگر جاپان نے اس فیصلہ کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ لیگ نے بہت کچھ دھمکیاں دیں، مگر خود لیگ کے اقتدار ہی کو نقصان پہنچا۔ جاپان نے منچوریا اور منگولیا میں ایک خود مختار ریاست اپنے زیر قیادت قائم کر دی۔ چین نے اس کا جواب تجارتی مقاطعہ سے دیا جواب تک جاری ہے۔

اسی سلسلہ میں جاپان کو اتنا اشتعال ہوا کہ اُس نے بغیر سوچے سمجھے شنگھائی پر گولہ باری شروع کردی۔ یہاں چین نے بھی ایسا سخت مقابلہ کیا کہ جاپان کے چھکے چھڑا دیئے۔ اپریل ۱۹۳۲ء میں یہ قضیہ تمام ہوا۔

۵۔ جاپانیوں کی معاشرت

۱۔ ولادت

یوں تو رسومِ معاشرت ہر ملک میں جدا، اور ہر قوم و ملت میں علیحدہ ہوتے ہیں۔ مگر اس لحاظ سے تمام ایشیائی ممالک میں کچھ ایسی مماثلت پائی جاتی ہے۔ کہ ہم ہندوستانیوں کو دیگر ایشیائی بھائیوں کی رسوم کا مطالعہ کرنے سے اس قدر حیرت نہیں ہوتی جس قدر مغربی اقوام کو ہوتی ہے۔

تمام ایشیائی اقوام کی طرح جاپانیوں کو بھی بچّوں سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ ہر عورت کو اولاد کی تمنا بے حد ہوتی ہے۔ اور جو عورتیں اولاد سے محروم ہوتی ہیں اس غم میں اُن کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر شادی سے سال بھر بعد بچہ پیدا نہ ہو تو تمام خاندان میں اس کا چرچا ہونے لگتا ہے۔ اور بچہ پیدا ہونے کے لئے دوا دعا جھاڑ پھونک گنڈہ تعویذ غرض ہر ممکن تدبیر کی جاتی ہے۔ اگر تمام تدابیر ناکام رہیں تو آخر کار ساس اس پر آمادہ ہوتی ہے کہ بہو کو طلاق دلوا کر بیٹے کا دوسرا نکاح کرلے۔ تاکہ بیٹا اولاد کی نعمت سے محروم نہ رہے۔

بچّہ کی امید ہوتے ہی گھر میں خوشیاں ہونے لگتی ہیں۔ اور مبارکبادیاں آنے لگتی ہیں۔ کئی مہینہ پیشتر سے تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ جب وضعِ حمل کا وقت قریب آتا ہے۔ تو بننے والی ماں کو علیحدہ ایک کمرے میں زمین پر بٹھا کر اِدھر اُدھر آگے پیچھے

تکئے لگا دیتے ہیں۔ کمرے کے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ بچّوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔ گھر کی سب عورتیں عزیز و رشتہ دار نیز محلہ والیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور غل و شور مچاتی ہیں۔ زچّہ کی تکلیف سے گھر والے پریشان نہیں ہوتے۔ بلکہ معمولی اور رسمی بات سمجھ کر بچّہ کی امید میں خوش ہوتے رہتے ہیں۔ دائی بلائی جاتی ہے۔ دوسری عورتیں بھی جو اس وقت وہاں موجود ہوتی ہیں۔ اپنے تجربہ سے ہر ممکن مدد دیتی ہیں۔ بچہ پیدا ہوتے ہی زچّہ کو شراب پلاتے ہیں۔ بچے کو غسل دے کر اس کے جسم پر بہت سا گوڈڑا ور کپڑا لپیٹ دیتے ہیں اور چند گھنٹے بعد ماں کا دودھ دیتے ہیں۔ آنول نال گھر کی ڈیوڑھی میں زمین کھود کر گاڑ دیتے ہیں۔

اگلے دن کوئی قریبی رشتہ دار بچّے کے لئے ایک کپڑے کا بہت بڑا لال، پیلا، کالا، نیلا، کتّا بھیجتا ہے۔ اس کو "ہاری کو اینو" کہتے ہیں۔ یہ ہر وقت بچّہ کے سرہانے رکھا رہتا ہے۔ تاکہ بچّہ بھوت پریت اور آسیب سے محفوظ رہے۔ ہندوستان کی طرح لڑکا پیدا ہونے کی خوشی لڑکی سے زیادہ ہوتی ہے۔

چھٹے روز زچّہ اور بچّے کو نہلاتے ہیں، اور دونوں کو نئے کپڑے پہناتے ہیں۔ بچّے کے کپڑے بہت لمبے ہوتے ہیں۔ جن میں بچے کا جسم خوب اچھی طرح لپٹ جاتا ہے صرف منہ کھلا رہتا ہے۔ اسی روز تمام عزیز و اقارب جمع ہوتے ہیں۔ تحفے لاتے ہیں۔ مبارکباد دیتے ہیں۔ اور بچے کا نام تجویز کرتے ہیں۔

اکتیسویں دن پھر زچّہ اور بچے کا غسل ہوتا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر اور نئے کپڑے پہن پہنا کر بچّے کو گود میں لئے ہوئے زچہ پہلی بار گھر کی عبادت گاہ میں اپنے خاندان کے مردوں کی پرستش کرتی ہے۔ پھر گھر سے باہر جاتی ہے۔ اور مندر میں پرستش کر کے تمام عزیزوں کے گھر جاتی ہے۔ ہر جگہ اس کو مبارکباد دی جاتی ہے۔ اور بچّہ کو تحفہ ملتا ہے۔ اسی روز شام کو تمام اعزہ و اقربا کی دعوت ہوتی ہے۔

بچہ جس روز پیدا ہوتا ہے۔ اُس روز اس کی عمر ایک سال شمار کی جاتی ہے۔ اور آئندہ یکم جنوری کو اس کی عمر دو سال کی شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر یکم جنوری کو ایک سال کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

مثلاً اگر کوئی بچہ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوا تھا تو یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو جاپانی حساب سے بچہ دو سال کا ہو جائے گا۔ حالانکہ ہمارے حساب سے اس کی عمر صرف ایک سال ہو گی۔

ولادت کے متعلق مندرجہ بالا رسوم سینکڑوں برس سے رائج ہیں۔ اور آج تک دیہات وقصبات اور چھوٹے چھوٹے شہروں میں ان رسوم کی پابندی بڑی سختی سے کی جاتی ہے۔ لیکن بڑے بڑے شہروں میں جہاں مغربی تہذیب کا زور واثر زیادہ ہے۔ حالات بہت کچھ بدل چکے ہیں۔ اور لوگ بہت کچھ قیود رسوم سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اور روز بروز ہوتے جاتے ہیں۔ ان شہروں میں عموماً وضع حمل کے وقت عورتیں کسی ہسپتال میں چلی جاتی ہیں۔ یا کسی پرائیویٹ ڈاکٹر کے یہاں۔ اور اگر اتنی استطاعت ہوتی ہے تو ڈاکٹر نرس وغیرہ کا انتظام گھر پر کرتے ہیں۔ اور تمام امور میں ڈاکٹروں کے مشورے پر عمل کیا جاتا ہے۔ مگر چھٹے اور اکتیسویں دن کی خوشی بدستور منائی جاتی ہے۔

(ب)۔ تربیت اطفال

جاپان میں مُدتِ رضاعت مقرر نہیں ہے۔ جب تک دوسرا بچہ پیدا نہ ہو یا بچہ خود ہی دودھ پینا چھوڑ نہ دے ماں برابر دودھ پلاتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض حالتوں میں بچے پانچ برس کی عمر تک ماں کا دودھ پیتے رہتے ہیں۔

دودھ پلانے کا کوئی وقت بھی مقرر نہیں ہوتا۔ جس وقت بچہ روتا ہے، یا بچّہ کو سلانا منظور ہوتا ہے، ماں دودھ دیتی ہے۔ جس وقت ماں گھر میں ہوتی ہے اور بچہ سو رہا ہو تو اُسے پالنے میں سُلا دیتی ہے۔ یہ پالنا چٹائی کی طرح بنا ہوا ایک بغیر ڈھکنے کا بکس ہوتا ہے یا یوں کہیے کہ ایک بہت بڑی مستطیل ٹوکری ہوتی ہے۔ اُس میں کئی گدّے بچھا کر بچّے کو لٹاتے ہیں۔ مگر جب ماں باہر جاتی ہے تو بچّے کو کمر سے باندھ لیتی ہے۔ خواہ بچہ مہینہ سوا مہینہ ہی کا ہو۔ سردیوں میں اوپر سے ایک روئی دار فرغل اس طرح پہن لیتی ہے کہ بچہ بالکل ڈھک جاتا ہے۔ صرف منہ کھُلا رہتا ہے۔ اسی طرح بچّے کو کمر پر باندھنے سے ہاتھ کام کے لئے خالی رہتے ہیں۔ جن گھروں میں چھوٹے بڑے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ اُن میں ماں اکثر چھوٹے بچّے کو بڑے بھائی یا بہن کی کمر پر باندھ دیتی ہے۔

چھوٹے چھوٹے بچّوں کو مائیں۔ دادیاں۔ نانیاں میٹھی میٹھی لوریاں[۱] سناتی ہیں۔ سلانے کے لئے بچّہ کو کمر پر باندھ کر کچھ اس طرح ہلتی ہیں کہ بچے کو جھولے کا مزہ آتا ہوگا۔ ساتھ ساتھ عجیب و غریب آوازیں منہ سے پیدا کرتی ہیں۔

بچّے کو خوش کرنے کے لئے جس طرح ہندوستان میں "تا" کہا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں "با" کرتے ہیں۔

جب بچّے میں کچھ سمجھ پیدا ہونے لگتی ہے تو اُس کو مزیدار کہانیاں سنائی جاتی ہیں اس کی پیدائش کا حال یوں بیان کرتے ہیں۔ "ایک دن تمھاری ماں دریا کے کنارے گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک چھنگلیا کے برابر بچہ تیرتا چلا آرہا ہے۔ بس اُس نے

نوٹ ۱: — لوریوں کا مضمون بھی تقریباً ہندوستانی لوریوں سے ملتا جلتا ہے مثلاً ایک منّھا اور بہت پُرانی لوری ہے منّے میاں تم بڑے اچھے ہو سو جاؤ! سو جاؤ! منّے کی انّا کہاں گئی۔ سمندر پار پہاڑوں کے اوپر اپنے گھر گئی۔ منّے میاں کے لئے کیا لائی؟ ایک ڈھول جو ڈھون ڈھوں کرتا ہے۔ ایک سیٹی پیسے کی، ایک کودتی ناچتی گڑیا۔ اور ایک پھرکی جو ہوا میں خوب ناچتی ہے"
(فضلی)

دریا سے تھیں نکال لیا اور گھر لے آئی"

جب بچّے بولنا شروع کرتے ہیں تو بڑی محنت سے اُن کو عورتیں بولنا سکھاتی ہیں۔ پھر آداب محفل کی تعلیم دیتی ہیں۔ کس طرح آداب کرنا چاہیئے۔ کس طرح صبح کا سلام شام کا سلام اور سونے کے وقت کا سلام کرنا چاہیئے۔ کس طرح کسی کو کوئی چیز دینی چاہیئے۔ کس طرح کسی سے چیز لے کر شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ جاپان میں بچوں سے عموماً دو سوال ہر شخص پوچھتا ہے "تمھارا نام کیا ہے؟ اور تمھاری عمر کیا ہے؟" ان سوالوں کے جواب بچّوں کو بہت کم عمری میں سکھا دیتے ہیں۔

جاپان میں بچّوں کو بڑی آزادی حاصل ہے۔ شرارت کریں۔ غُل و شور مچائیں۔ نقصان کریں۔ بڑوں سے گستاخی کریں مگر کوئی منع تک نہیں کرتا۔ ڈانٹنا ڈپٹنا یا مارنا پیٹنا تو بڑی بات ہے۔ جب بچّے ضد کرتے ہیں۔ تو اُن کو نہایت سہولیت کے ساتھ سمجھاتے ہیں۔ اور اگر پھر بھی نہ مانیں تو ڈراتے ہیں۔ حتیٰ الوسع ان کی ہر ضد پوری کی جاتی ہے اور بغیر طلب بھی اُن کو اچھے اچھّے کپڑوں۔ نئے نئے کھلونوں اور مٹھائیوں سے خوش کرتے رہتے ہیں۔

آج کل شہروں میں چوتھا برس شروع ہوتے ہی بچّے کو کنڈر گارٹن میں بھیج دیتے ہیں اور چھٹے سال سے تو جبریہ تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے تمام ملک میں اس عمر کے بچّے لازمی طور پر مدرسے جانے لگتے ہیں۔ مائیں ان کی تعلیم کا بڑا خیال رکھتی ہیں۔ وقت پر بچّوں کو مدرسہ پہنچاتی ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً اُستادوں سے اپنے بچّوں کی تعلیمی ترقی کا حال دریافت کرتی رہتی ہیں۔

ج - رسُوم نکاح

تمام مشرقی ممالک کی طرح جاپان میں بھی بیشتر شادی کے معاملات دُولھا اور دلھن کے والدین ہی طے کرتے ہیں اور دولھا دولھن کو بذات خود اپنے والدین کے انتخاب میں دخل دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ لیکن آج کل مغربی خیالات کے اثر سے والدین اپنی اولاد کی مرضی کے مطابق رشتہ کرتے ہیں اور شاذ و نادر ایسی صورت پیش آتی ہے۔ کہ اولاد والدین کی مخالفت کرے۔ انیسویں صدی کے آخر تک یہاں کمسنی کی شادی کا رواج عام تھا۔ لیکن تہذیب جدید کے پھیلنے اور جبریہ تعلیم رائج ہو جانے کی وجہ سے خود بخود اصلاح ہو گئی۔ آج کل بیس سال سے کم عمر میں لڑکی کی شادی نہیں کرتے۔

نسبت ہمیشہ دوستوں یا عزیزوں کے ذریعہ اور وساطت سے قرار پاتی ہے۔ ہر شادی شدہ جوڑے کو اپنی ازدواجی زندگی میں مشاطگی کا خوش گوار فرض کم از کم تین بار ضرور ادا کرنا پڑتا ہے۔

میاں بیوی مل کر اس کام کو سر انجام دیتے ہیں۔ غیر شادی شدہ لوگوں سے یہ کام نہیں لیا جاتا۔ ان کا کام صرف نسبت کی بات چیت طے کرانا ہی نہیں ہے۔ بلکہ ان کا اصلی کام تو نسبت قرار پا جانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ اُن کا تعلق دولھا دولھن سے رہتا ہے۔ دولھا دولھن اور دونوں سمدھیانوں کے مابین خوشگوار تعلقات قائم رکھنے میں یہ بیچ لئے ہمیشہ مدد کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر طلاق کی نوبت آجائے تو یہ معاملہ بھی ان ہی کے ذریعہ سے طے پاتا ہے۔

جاپان میں شادی کے لئے حسب و نسب[1] کی شرط نہیں لگاتے۔ اس لئے کہ

[1] جاپان میں اچھوت تو بیں موجود ہیں۔ مگر ان لوگوں کو جاپانی اپنی بستیوں میں نہیں رہنے دیتے۔ تعداد میں یہ لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور علیحدہ بستیوں میں رہتے ہیں۔ (فضل علی)



دولہا دلہن

وہاں تو تمام جاپانی ایک ہی مورث کی اولاد خیال کئے جاتے ہیں۔ نسبت کی جگہ وہ لوگ خاندان کا دنیاوی وقار دیکھتے ہیں۔ یا ذاتی چال چلن اور تعلیم و تربیت کا خیال کرتے ہیں مگر جس چیز کو سب سے زیادہ ملحوظ رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ خاندان میں کوئی متعدی مرض نہ ہو چنانچہ اگر دور دور کے رشتہ داروں میں کسی مرض کا پتہ چل جائے تو شادی کا ہونا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ جن خاندانوں میں کوڑھ۔ برص و جذام یا تپ دق کا مرض پایا جاتا ہے باوجود تمول اُن خاندانوں کی لڑکیوں کو بیاہنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ سگنی کی رسم کو "می آئی" یعنی "دید" کہتے ہیں۔ بالعموم یہ رسم اُن لوگوں کے مکان پر ادا ہوتی ہے۔ جو مشاطگی کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ لڑکے لڑکی اور اُن دونوں کے والدین کو تاریخ مقررہ پر مدعو کرتے ہیں۔ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ اسی محفل میں مرد مشاطہ لڑکے کے والدین سے اجازت لے کر لڑکی کے والدین سے شادی کا سوال کرتے ہیں۔ اور عورت مشاطہ لڑکی والوں سے رسمی استفسار کر کے اس سوال کا جواب دیتی ہے۔ پھر دونوں خاندان ایک دوسرے کو تحفے پیش کرتے ہیں جس میں انگوٹھیاں۔ ریشم کے تھان۔ کچھ مخصوص قسم کے کپڑے۔ اور کچھ مٹھائیاں پھل وغیرہ اور شراب شامل ہوتی ہے۔ یہ تمام تحفے سفید کاغذ میں لپیٹ کر سفید لکڑی کی نیچی نیچی جاپانی میزوں پر چنتے ہیں۔ اور تمام تحائف کی ایک مکمل فہرست بھی تیار کر کے اُن کے ہمراہ رکھ دیتے ہیں

اس رسم کے بعد لڑکے والے لڑکی والوں اور مشاطہ میاں بیوی کو دعوتِ طعام دیتے ہیں۔ اِس ضیافت کے دوران میں تاریخ نکاح مقرر ہو جاتی ہے۔ اور نکاح سے قبل لڑکی والے لڑکی کا ایک مختصر جہیز تیار کرتے ہیں۔ اور اس کو تین پانچ یا سات جگہ تقسیم کر کے ہر چیز کو نئے سبز کپڑے میں لپیٹ کر الگ الگ ڈولیوں میں رکھتے ہیں۔ اور ایک جلوس بنا کر یہ سامان بیٹی والے کے گھر سے بیٹے والوں کے یہاں جاتا ہے جلوس کی شان بالکل برات کی سی ہوتی ہے۔ مگر دولھا و دلھن اس کے ہمراہ نہیں ہوتے

یہ رسم نکاح سے دو ایک روز قبل ادا کی جاتی ہے۔ نکاح کے روز دولھا کے مکان پر محفل منعقد ہوتی ہے۔ ایک کمرہ نکاح کے لئے آراستہ کیا جاتا ہے۔ آرائشی محراب میں طلوعِ آفتاب اور سارس کی ایک رنگین تصویر لٹکاتے ہیں۔ اور گلدان میں ایک مصنوعی شاخ بیر کی ایک شاخ صنوبر کی اور ایک شاخ بانس کی یکجا باندھ کر رکھتے ہیں۔ اِن چیزوں سے نیک شگون لیتے ہیں۔

کمرے کے بیچ میں ایک نیچی جاپانی میز بچھا کر اُس پر ایک کشتی میں تین چھوٹی چھوٹی چینی کی پیالیاں اور ایک چینی کی صراحی میں شراب رکھتے ہیں۔ میز کے دونوں طرف دو بڑے بڑے ریشمی گدّے بچھاتے ہیں۔ تمام عزیزوں رشتہ داروں کے یہاں سے بہت سے ریشم کے تھان اور سوکھی ہوئی مچھلی تحفے میں آتی ہے۔ وہ بھی اسی کمرے میں رکھتے ہیں۔ دولھا۔ دولھا کے والدین۔ بھائی اور دوسرے قریبی رشتہ دار، نیز شادی میں شرکت کرنے والے اعزہ واحباب سب شادی کے لئے مخصوص اور رسمی لباس پہن پہن کر اسی کمرے میں جمع ہوتے ہیں۔

ادھر لڑکی والوں کے یہاں صبح سے لڑکی کو سنوارنے اور سجانے کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ دولھن کا لباس بھی نہایت خوبصورت اور شاندار ہوتا ہے۔ اور عام لباس سے قدرے مختلف بھی ہوتا ہے۔

ایک گلابی ریشمی کپڑے کی ٹوپی سے سر اور پیشانی ڈھکتے ہیں۔ اس ٹوپی کو "سونوکاکوشی" یعنی سینگ پوش کہتے ہیں۔ اور اس کو دلھن کی طرف سے اپنے شوہر کی وفاداری اور فرمانبرداری کا نشان خیال کرتے ہیں۔

دولھن کو اوپر نیچے تین جوڑے پہناتے ہیں۔ سب سے نیچے کا لباس سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ اور اوپر کے دو لباس لال رنگ کے۔ عموماً یہ کپڑے ریشمی ہوتے ہیں۔ اور ان پر ریشم ہی کی نہایت خوبصورت اور بیش قیمت کڑھائی ہوتی ہے۔ کڑھائی میں

پھول بوٹے تو بہت مختلف قسم کے بناتے ہیں۔ مگر دامنوں پر سارس اور کچھوے کی شکلیں اور سمندر کی لہریں ضرور بناتے ہیں۔ کیونکہ ان چیزوں سے آرام و سکون ظاہر ہوتا ہے اور ازدواجی خوشیوں کا شگون لیا جاتا ہے۔ ان تینوں لباسوں کے اوپر کمر کے گرد ایک ریشمی سفید رنگ کی کڑھی ہوئی پیٹی باندھتے ہیں۔ اور اس پیٹی پر ایک سنہرا فیتہ آرائش کے لئے لپیٹتے ہیں۔ اس تمام لباس کے اوپر ایک اور ہلکا ریشمی کوٹ پہناتی ہیں۔ پیروں میں سفید کپڑے کے موزے پہناتے ہیں۔ اور ہاتھ میں ایک بند ہو جانے والا پنکھا بھی دیدیتے ہیں۔ سر کے بال بھی ایک مخصوص طریقے پر بنائے جاتے ہیں۔ جس کو بُنکین تا کا شیما دا کہتے ہیں۔ بالوں میں سیپ و مونگے کے کئی منقش اور خوبصورت کنگھے لگاتے ہیں۔ اور دو لمبے لمبے چاندی کے پن بھی اس طرح لگاتے ہیں کہ اُن کے ننھے ننھے جھالر پیشانی کی طرف لٹکتے اور ہلتے رہتے ہیں۔

اگرچہ گوٹے ٹھپّے کا رواج نہیں ہے۔ لیکن کپڑوں پر کڑھائی نہایت اعلیٰ قسم کی اور بہت بیش قیمت ہوتی ہے اس لئے ہندوستانی لباس سے کم از کم دوگنی لاگت آتی ہے۔ دولھن جب لباس پہنکر بالکل تیار ہو جاتی ہے تو پھر رخصت کی رسم ادا ہوتی ہے۔ سب سے پہلے وہ گھر کی عبادت گاہ کے سامنے پرستش کرتی ہے۔ اور اپنے بزرگوں کی روحوں سے رخصت ہوتی ہے۔ اس کے بعد ماں باپ بہن بھائی اور دیگر زندہ عزیزوں سے رخصت ہوتی ہے۔ اسی دوران میں دولھا کی طرف سے کچھ لوگ دولھن کو لینے کے لئے آجاتے ہیں۔ ایک بوڑھی خادمہ اور دولھن کے ماں باپ اُس کے ہمراہ جاتے ہیں۔ دولھن اُس وقت اپنی سسرال والوں کے لئے جوڑے اور تحفے اور اپنے لئے چند خاص خاص چیزیں لے جاتی ہے۔ ان ہی میں ایک چھوٹا سا خنجر بھی ضرور ہوتا ہے۔ دولھا کے گھر پہنچ کر دولھن کی مشاطہ دولھن اور اس کے ساتھ آنے والی خادمہ کو لے کر اُس کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ جہاں رسم نکاح ہونے والی ہے۔ پھر دولھا دولھن

آمنے سامنے بیچ والی میز کے دونوں طرف ریشمی گدّوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ان کے گرد تمام حاضرین بیٹھتے ہیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کرتا ہے۔ اور دولھا میز پر سے ایک پیالی اٹھا کر اس میں شراب ڈالتا ہے۔ اور یہ پیالی دولھن کو دیتا ہے۔ دولھن کی گردن حجاب سے اس قدر جھکی ہوتی ہے کہ دولھا بمشکل اُس کا چہرہ دیکھ سکتا ہی مگر دولھن دولھا کے ہاتھ سے شراب کی پیالی لے کر لبوں تک لے جاتی ہی۔ اور بغیر چکھے ہوئے واپس کر دیتی ہے۔ دولھا اس کو لے کر پی لیتا ہے۔ اور پھر اُسی پیالی کو شراب سے بھر کر دولھن کو پیش کرتا ہے اور وہ پھر لبوں تک لے جا کر بغیر چکھے واپس کر دیتی ہے غرض اسی طرح تینوں پیالیوں سے تین تین بار یعنی کُل نو بار شراب دولھن کو دولھا پیش کرتا ہے اور وہ لبوں سے مس کر کے واپس کرتی رہتی ہے۔ یہی اصلی رسمِ نکاح۔ اس کے بعد مرد و عورت میاں بیوی بن جاتے ہیں۔ اور ازدواجی زندگی کی اہم ذمہ واریاں اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں۔

بعض علاقوں میں یہ رسم دوبارہ ادا کی جاتی ہے۔ مگر دوسری بار دولھن دولھا کو شراب پیش کرتی ہے۔

عموماً صبح کے وقت نکاح ہوتا ہے۔ اور شام کے وقت دولھا کی طرف سے دعوتِ ولیمہ دی جاتی ہے۔ تمام احباب و اقارب جمع ہوتے ہیں۔ اور دولھا دلھن کو مبارکبادیں دیتے ہیں۔ اور یہ دونوں اِن مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا کھلایا جاتا ہے۔ مہمانوں کو کھانا کھلانے والیاں "گیشا" (رقاصہ لڑکیاں) ہوتی ہیں جو کھانے کے بعد ناچتی گاتی ہیں۔ غرض رات کا بیشتر حصّہ اسی ناچ رنگ میں گزر جاتا ہے۔ مگر دولھا دولھن کو اس محفل میں آخر تک شرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

نکاح کے بعد لڑکی کے ماں باپ اپنے گھر واپس جاتے ہیں۔ وہاں تمام گھر میں جھاڑو دی جاتی ہے۔ اور لڑکی کے استعمال میں جس قدر ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو اس کے ہمراہ نہیں جاتیں۔ اُن کو یکجا کر کے جلا دیتے ہیں۔ اور گھر والے سفید کپڑے پہن لیتے ہیں کیونکہ سفید رنگ اُس ملک میں ماتمی لباس ہے۔ گویا اُس روز سے بیٹی اپنے ماں باپ کے خاندان میں مرجاتی ہے۔ اور اپنے سسرال کے خاندان میں نیا جنم لیتی ہے۔

شادی کے تمام مراسم ادا ہونے کے بعد دولھا دولھن میونسپلٹی کے دفتر میں جاکر اپنی شادی وہاں کے رجسٹر میں درج کراتے ہیں۔ نیز خاندانوں کے سرکاری رجسٹروں میں دولھن کا نام اس کے ماں باپ کے خاندان سے کاٹ کر سسرال کے خاندان میں لکھ دیتے ہیں۔

خانہ داماد رکھنے کا رواج بھی بہت عام ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ امیر ہی اپنی بیٹیاں غریب لڑکوں سے بیاہیں تو داماد کو گھر رکھ لیں۔ بلکہ اکثر غریب والدین بھی جن کے بیٹا نہیں ہوتا۔ اس خیال سے داماد کو اپنے گھر میں رکھ لیتے ہیں کہ خاندان کا نام نہ مٹے چنانچہ جو مرد اس طرح سسرال میں رہنے لگتے ہیں اُن کو اپنا خاندانی نام چھوڑ کر اپنی بیوی کا خاندانی نام اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اپنے ماں باپ پر اُن کا کوئی حق باقی نہیں رہتا مگر سسرال میں اُن کے حقوق بالکل بیٹے جیسے ملنے جاتے ہیں۔ شادی کی **مذکورہ بالا رسوم قدیم الایام سے رائج ہیں**۔ مگر آج کل شہروں میں مغربی وضع کی شادیاں بھی بکثرت ہونے لگی ہیں۔ جن کا ذکر خارج از بحث ہے۔

(د) طلاق

جاپان میں طلاق کا رواج بہت پرانا ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں حکومت جاپان نے اس کے متعلق جو اعداد و شمار شائع کئے ہیں۔ اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان میں

طلاق کی بڑی کثرت ہے۔ شادی کے بعد دو سال کے اندر اندر اکثر طلاق دیدی جاتی ہے
سنہ ۱۹۳۰ء میں ۱۲۲۲۵ طلاق درج رجسٹر ہوتے ہیں۔ اس سال میں جس قدر شادیاں
جاپان میں ہوتی ہیں اُن میں طلاقوں کی تعداد ۳،۱۰ فیصدی ہے۔ بلحاظ عمر ۲۵ اور ۲۹
سال کے درمیان طلاقوں کی تعداد بیشترین ہے۔ اس سے کم ۳۰ سے ۳۴ تک
اس سے کم ۲۰ سے ۲۴ تک۔

بلحاظ مدت ازدواج طلاقوں کی تعداد ذیل کے نقشہ سے واضح ہوتی ہے۔

ایک سال کے اندر	۷۴۷۸	طلاق ہوئے
ایک اور دو سال کے درمیان	۸۰۱۰	″ ″
۲ ″ ۳ ″ ″	۶۰۲۶	″ ″
۳ ″ ۴ ″ ″	۱۸۷۲	″ ″
۴ ″ ۵ ″ ″	۳۷۹۰	″ ″
۵ ″ ۱۰ ″ ″	۲۱۶۲	″ ″
۱۰ ″ ۱۵ ″ ″	۴۶۳۴	″ ″
۱۵ ″ ۲۰ ″ ″	۲۴۶۹	″ ″
۲۰ سال سے اوپر	۲۶۷۱	″ ″
نامعلوم	۸۹	

طلاق دینے والوں کی عمروں کا اندازہ مندرجہ ذیل نقشہ سے ہوگا۔

	شوہر	زوجہ
۲۰ سال سے کم عمر	۴۲۵	۳۸۶۳
۲۰ سال سے ۲۴ سال تک	۶۵۷۱	۱۵۲۴۸
۲۵ ″ ″ ۲۹ ″ ″	۱۴۷۴۰	۱۲۸۶۴
۳۰ ″ ″ ۳۴ ″ ″	۱۰۶۰۰	۷۶۱۲

	شوہر	زوجہ
۳۵ سال سے ۳۹ سال تک	۶۷۴۰	۴۵۰۵
۴۰ ″ ″ ۴۹ ″ ″	۷۵۶۰	۵۰۴۲
۵۰ ″ ″ ۵۹ ″ ″	۳۲۱۰	۱۷۲۱
۶۰ سال سے اوپر	۳۹۶	۱۳۱۳

سنہ ۱۹۳۰ء میں جس قدر طلاق ہوئے۔ اُن میں سے صرف ۹۳۴ طلاق عدالتی چارہ جوئی سے ہوئے۔ باقی ۵۰۷۸۳ طلاق باہمی رضامندی سے عمل میں آتے۔ کل تعداد میں سے ۴۴۲۳۹ عورتوں نے اپنے شوہر کے خاندان کو خیرباد کہی۔ اور ۵۵۶۴ حالتوں میں شوہروں نے اپنی بیویوں کے خاندان میں اقامت ترک کردی باقی ۱۴۱۹ حالتوں میں طلاقوں کے بعد بھی میاں بیوی ایک ہی خاندان میں زندگی بسر کرتے رہے۔

جہاں تک سرکاری اعداد و شمار کا تعلق ہے طلاقوں کی تعداد رفتہ رفتہ ہر سال کم ہو رہی ہے۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں طلاقوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اصلاح ہو رہی ہے۔ برخلاف اس کے حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے۔

پہلے نکاح و طلاق دونوں کا درج رجسٹر کرانا لازمی تھا۔ مگر اب غیر رجسٹر شدہ شادیاں بڑی کثرت سے ہوتی ہیں۔ اور ایسی حالت میں طلاق کو بھی رجسٹر کرانا ضروری نہیں۔ لہذا سرکاری اعداد و شمار سے یہ شادیاں اور طلاق بالکل خارج ہیں۔ اس قسم کی شادیوں میں کسی قسم کی رسوم ادا نہیں کی جاتیں۔ مرد و عورت باہمی رضامندی سے یکجا رہنے لگتے ہیں۔ اسی طرح باہمی رضامندی سے طلاق ہو جاتی ہے۔ رجسٹر شدہ شادیوں میں میونسپل آفس کے رجسٹر میں طلاق درج کرانے سے طلاق ہو جاتی ہے اور بیشتر حالتوں میں طلاق کے وقت کوئی ہرجانہ ادا نہیں کرنا پڑتا۔ علاوہ باہمی

نارضامندی یا شکر رنجی کے بیشتر حالتوں میں محض اولاد نہ ہونا یا عورت کو کوئی متعدی مرض پیدا ہونا طلاق کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہ جاپان کا نہایت قدیم دستور رہے۔
بیوہ اور مُطلّقہ عورتوں کے نکاح ثانی کا رواج جاپان میں بہت پُرانا ہے۔ مگر اکثر حالات میں لوگ ایسی عورتوں سے شادی کرنا نہایت ناپسند کرتے ہیں۔

(۵) رسُومِ میّت

چونکہ یہاں پلنگوں کا رواج نہیں۔ اس لئے لوگ زمین پر ہی مرتے ہیں۔ مرنے کے وقت اکثر مرنے والے کو گود میں بٹھا لیتے ہیں۔ مردے کو نہلانے دُھلانے کا دستور بھی نہیں۔ لیکن کپڑے بہترین قسم کے پہناتے ہیں۔ اگر سپاہی ہوتا ہے تو اس کو سپاہیانہ لباس پہنایا جاتا ہے۔ اور پُرانے زمانے میں تو زرہ پہنا کر تمام اسلحہ سجاتے تھے اب مرنے والے کی حیثیت کے مطابق لباس کے تمام جُزّیات پورے کئے جاتے ہیں۔ کپڑے پہنانے کے بعد کئی مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مذہبی پیشوا مُردے کے سر پر مقدس اُسترہ رکھتا ہے۔ اس طرح خیال کرتے ہیں کہ مردے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

جلانے کا طریقہ مردے کو کپڑے پہنا کر اور لکڑی کے تابوت میں اکڑوں بٹھا کر تابوت کا ڈھکنا بند کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں اس کام کے لئے خاص قسم کی موٹریں ہوتی ہیں جو اطلاع ملتے ہی فوراً آجاتی ہیں۔ اور تابوت موٹر میں رکھ کر اوپر سے ایک کپڑا ڈال دیتے ہیں۔ ساتھ مصنوعی پھولوں کے بڑے بڑے کئی پنکھے بھی رکھ دیتے ہیں۔ یہ پنکھے کچھ تو گھر والے مہیا کرتے ہیں۔ کچھ دوست احباب لاتے ہیں۔ موٹر چلانے والے کو ایک مقررہ فیس ادا کر دی جاتی ہے

عزیز واقربا کو ساتھ جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ موٹر والا شہر سے باہر شمشان میں مردے کو لیجاتا ہے۔ اور وہاں سرکاری نوکر مقرر ہیں۔ وہ مردے کے تابوت کو پٹرول وغیرہ ڈال کر جلادیتے ہیں۔ یہ تو ہوئی شہروں کی کیفیت۔ لیکن قصبات و دیہات میں اس سے مختلف دستور ہے۔ وہاں لکڑی کا تابوت استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ مٹی کے مٹکے کا ڈھکنا ڈھک دیتے ہیں۔ پھر ایک ڈولی میں اُس مٹکے کو رکھ دیتے ہیں۔ مزدور اُس ڈولی کو اٹھا کر شمشان لے جاتے ہیں۔ عزیز واقربا سب ساتھ جاتے ہیں۔ اور ایک لکڑی کی چتا میں اُس مٹکے کو رکھ کر آگ لگاتے ہیں۔ اور اُس کو جلتا چھوڑ کر گھر واپس چلے جاتے ہیں۔ شہر اور دیہات ہر جگہ جس گھر میں کوئی مرجاتا ہے جس وقت تک مُردہ گھر سے نہیں چلا جاتا، گھر کے دروازے پر ایک پردہ ڈال دیا جاتا ہے، اُس پر کچھ تحریر لکھی ہوتی ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ جاتا ہے کہ اس گھر میں کوئی مردہ موجود ہے۔

پرانے زمانے میں مردے دفن ہوتے تھے

پُرانے زمانے میں جنگجو اور حکمران خاندانوں کے افراد کو جلاتے نہ تھے بلکہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ تاریخ میں ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ شاہان جاپان کے مرنے پر اُن کی لاشوں کے ساتھ ان کے اکثر امرائے دربار حشم وخدم کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ مگر یہ ظالمانہ رسم بعد میں منسوخ ہوئی اور کچھ زمانے تک اِن حشم وخدم کی گلی مورتیں شاہنشاہی مردے کے ساتھ دفن ہوتی رہیں۔ آخر یہ رواج بھی منسوخ ہوا۔ مگر جب شہنشاہ میجی نے ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا تو ان کے ایک وزیر جرنیل نوگی اور ان کی بیوی نے اپنے آقا کے غم میں خودکشی کر لی۔

اب بھی بعض علاقوں میں دفن کرنے کا دستور ہے۔ مگر شہروں میں قانوناً اس کی ممانعت ہے۔ جلانے کے تیسرے روز پھر اعزہ واقربا شمشان میں راکھ کے ڈھیر پر جمع ہوتے ہیں۔ ایک بدھ مت کا پجاری کچھ پڑھتا ہے، اور مردے کا نام

تجویز کر کے اُس کو ایک لکڑی کی تختی پر لکھ کر ورثا کو دے دیتا ہے۔ مرنے کے ورثا میں سے جس کا حق سب سے زیادہ ہوتا ہے وہ راکھ میں سے دانت اور چند ہڈیاں چنتا ہے اور ایک چینی کے مرتبان میں رکھ دیتا ہے، پھر زمین میں اُس مرتبان کو دفن کر کے اُس پر چوکھونٹی سنگین قبر بنا دیتے ہیں۔ اور اُس پر مردے کا نام کندہ کر دیتے ہیں۔ یہ قبریں کبھی مندروں کے احاطے میں ہوتی ہیں۔ کبھی شہر سے دور پہاڑیوں کے ڈھال پر صنوبر کے درختوں کے نیچے بناتے ہیں۔

مفقود الخبر لاشوں کی تختیاں

جو لوگ ڈوب کر یا جنگ میں مر جاتے ہیں اور ان کی لاشیں دستیاب نہیں ہو سکتیں اُن کے نام کی تختیاں بھی پجاری بنا دیتا ہے۔ اور دوسرے مردوں کی تختیوں کے برابر اُن کی تختیوں کو بھی قربان گاہ پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ روح اس تختی پر آتی ہے، اور اپنے زندہ عزیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ گھر کی عبادتگاہ پر جب کھانے پینے کی چیزیں رکھی جاتی ہیں، تو روحیں اُن سے مستفید ہوتی ہیں۔ اور خوش ہو کر زندہ رشتہ داروں کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔

مردوں کا تہوار

۱۵ر جولائی کو مردوں کا تہوار منایا جاتا ہے۔ جس میں خیال ہے کہ مردوں کی ارواح اس دنیا میں آتی ہیں۔ اور واپس ہونا نہیں چاہتیں۔ اس لئے آتش بازی چھوڑتے ہیں تاکہ مُردے ڈر کر اس دنیا سے اپنے مستقر کو واپس چلے جائیں۔ مُردوں کی دعوت بھی اس موقع پر کی جاتی ہے۔

مردوں کو شاہنشاہ کی طرف سے خطاب

ایک دستور یہ بھی عجیب ہے کہ مردوں کو زندوں کی طرح شاہنشاہ کی طرف سے خطابات اور فوجی رُتبے عطا کئے جاتے ہیں۔

خودکشی مقدس موت سمجھی جاتی ہے

خودکشی کو یہاں نہایت پاک موت خیال کیا جاتا ہے جنگجو خاندانوں کے افراد اپنا پیٹ چاک کر ڈالتے ہیں۔ اس رسم کو ہاراکیری کہتے ہیں۔ باقی لوگ ڈوب کر یا بلندی سے گر کر خودکشی کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خودکشی کرتا ہوا پکڑ لیا جائے تو پولیس اُس کو باز رکھتی ہے۔ مگر اقدامِ خودکشی کوئی جرم نہیں ہے۔ اس لئے سزا نہیں ملتی۔ بعض مقامات خودکشی کرنے کے لئے خاص شہرت رکھتے ہیں۔

(و) جاپانی تہوار

جاپانی تہواروں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ قومی تہوار ہیں مذہبی نہیں ہیں۔ ان تمام تہواروں کے دن حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ اس روز تمام سرکاری دفاتر مدرسے اور بینک وغیرہ بند ہوتے ہیں۔ لوگ اپنے گھروں پر قومی جھنڈا لگاتے ہیں۔

نوروز یکم جنوری۔ نوروز جاپان کا سب سے بڑا تہوار ہے۔ اور زمانۂ قدیم سے اس کا رواج چلا آتا ہے۔ لیکن پرانے زمانے میں ۱۷ جنوری کو ہوا کرتا تھا انیسویں صدی کے آواخر میں جب شاہنشاہ میجی نے سنہ عیسوی اختیار کیا تو نوروز کی تاریخ بھی یکم جنوری کر دی۔ اس تہوار کی تیاریاں تو دسمبر کے آخری ہفتے ہی سے شروع ہو جاتی ہیں۔ بازار آراستہ کئے جاتے ہیں۔ سڑکوں پر بانس صنوبر اور بیر کی شاخیں یکجا باندھ کر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو رویہ نصب کرتے ہیں اور اُن کے درمیان رسّیاں باندھ کر اُن پر کسی قسم کی گھاس جھنڈیوں کی طرح لٹکاتے ہیں۔ گھروں کی صفائی اور آرائش ہوتی ہے۔ ۳۱ دسمبر کو تمام قرض حساب

وکتاب بیباق کردئے جاتے ہیں۔ نوروز کے دن اور اس کے دو تین روز بعد برابر لوگ ایک دوسرے سے ملنے کے لئے گھروں پر جاتے ہیں۔ اور مبارکباد دیتے ہیں۔ احباب واقربا کی دعوتیں کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ جاپان میں نوروز سب سے بڑا تہوار اور خوشی کا دن ہے۔ نوروز کی خوشی میں ۳ر جنوری تک تمام سرکاری دفاتر بند رہتے ہیں۔ ۵ر جنوری کو شاہنشاہ کی طرف سے تمام شہزادگان۔ امرا و وزرا اور تمام بڑے بڑے حکام کو دعوت دی جاتی ہے۔

۶ر جنوری کو ٹوکیو میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ اور فائر بریگیڈ اپنے کرتب دکھاتا ہے۔ اُسی دن نوروز کی خوشیاں ختم ہو جاتی ہیں اور کوچہ و بازار کی آرائش ہٹادی جاتی ہے۔ ۸ر جنوری کو تمام درسگاہیں و محکمجات تعطیلات کرسمس و نوروز کے بعد کھل جاتے ہیں۔

موسمِ بہار کا تہوار

۳ر فروری کو ایک تہوار منایا جاتا ہے جس کو ستسوبون کہتے ہیں۔ اس دن گویا آنے والے موسمِ بہار کا استقبال کیا جاتا ہے۔ ہر گھر میں شام کو مٹر بھونتے ہیں۔ اور یہ بھنے ہوئے مٹر گھر کے ہر گوشہ میں اور دروازے سے باہر پھینکے جاتے ہیں۔ کچھ منتر بھی پڑھتے جاتے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "برکت اندر بلائیں باہر" اس کے بعد ہر آدمی مٹر کے اتنے دانے گن کر کھاتا ہے جتنی اس کی عمر ہوتی ہے۔ شام کو مندروں میں جلسے بھی ہوتے ہیں۔

جاپان کے شہنشاہ اوّل کے جلوس کی یادگار

۱۱ر فروری کو شاہنشاہ اوّل جِمّوتنّو کے جلوس کی یادگار منائی جاتی ہے۔ جاپانی قوم کی تاریخ میں یہ بڑی عظمت کا دن ہے اس روز گویا جاپانی قوم کی بنیاد پڑی ہے۔ اس لئے یہ جاپان کے سب سے بڑے چار تہواروں میں شمار ہوتا ہے۔

لڑکیوں کا تہوار

۳ر مارچ کو لڑکیوں کا تہوار ہوتا ہے۔ یہ گویا لڑکیوں کی سالگرہ ہوتی ہے اس تہوار کو بیر کے پھول سے تعلق ہے۔ جو اس زمانے میں کھلتا ہے۔ اِس وقت بھی لوگ اپنے گھروں کے دروازوں پر ایک جھاڑو۔ ایک سنترہ۔ اور ایک ٹہنی صنوبر کی باندھ کر لٹکاتے ہیں۔ لڑکیوں کو اچھے اچھے کپڑے پہناتے اور نئے نئے کھلونے دیتے ہیں۔ عزیز و اقارب بھی لڑکیوں کے لئے تحفے لاتے ہیں۔ لڑکیاں اپنی تمام گڑیاں ایک کمرے میں اس طرح سجاتی ہیں کہ شاہی دربار معلوم ہوتا ہے۔ پھر ان گڑیوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں رکھتی ہیں۔

ملکہ کی سالگرہ کا تہوار

۶ر مارچ کو ملکہ کی سالگرہ کا دن ہے۔ اس لئے صرف لڑکیوں کے مدرسوں میں تعطیل ہوتی ہے۔

مردوں کے لئے دعاؤں کا تہوار

۱۸ر مارچ سے ایک ہفتہ تک مردوں کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ نذر و نیاز دی جاتی ہے۔ جو کھانے اس غرض سے پکتے ہیں وہ کچھ چڑھاوے کی طرح چڑھاتے ہیں۔ باقی عزیز و اقارب اور دوستوں کے یہاں بھیجتے ہیں۔ اس ہفتے میں ۲۱ر مارچ کو عام تعطیل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس دن شاہی خاندان کے مردوں کو نذر و نیاز چڑھائی جاتی ہے اور قدیم شاہی مندر ایسے میں مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں۔

شاہنشاہ اوّل کی برسی

۳ر اپریل کو شاہنشاہِ اوّل جمّو کی برسی منائی جاتی ہے۔ اس لئے عام تعطیل ہوتی ہے۔

مہاتما بدھ کی ولادت

۸ر اپریل کو ساکیا منی گوتم بدھ کا یوم ولادت خیال کیا جاتا ہے۔ تمام بُدھ مت کے مندروں میں بہت سی رسوم اور خوشی کے جلسے ہوتے ہیں۔

شاہِ موجودہ کی سالگرہ

۲۹ ر اپریل۔ شاہنشاہ کی سال گرہ کا دن ہے۔ افواج کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور شاہنشاہ خود آکر افواج کی سلامی لیتے ہیں۔ شام کے وقت ایک شاہی دعوت منعقد ہوتی ہے۔

شہیدانِ ملّت کی یادگار

۳۰ ر اپریل کو شہیدانِ ملّت کی زبردست یادگار منائی جاتی ہے۔ جس میں خود شاہنشاہ شرکت کرتے ہیں۔

لڑکوں کا تہوار

۵ ر مئی کو لڑکوں کا تہوار ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو خدا نے لڑکے دئے ہیں وہ اِس نعمت کی خوشی مناتے ہیں۔ اس تہوار کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ایک لمبا بانس گاڑ کر اس پر کارپ مچھلی کی شکل کے کپڑے کے جھنڈے اُڑاتے ہیں۔ اور جس آدمی کے جتنے لڑکے ہوتے ہیں۔ اُتنے ہی جھنڈے اُس بانس پر باندھے جاتے ہیں۔ کارپ مچھلی بڑی طاقتور ہوتی ہے۔ اور مشہور ہے کہ تیز رو دریا کے چڑھاؤ پر تیر سکتی ہے ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ ان کے بیٹے بھی ایسے ہی طاقتور اور بہادر ہوں کہ دنیا کی ہر طاقت کا مقابلہ کر سکیں۔ گھر کے اندر گذشتہ زمانے کے جاپانی مشاہیر کی مورتیں زرہ بکتر اور اسلحات کی نمائش کرتے ہیں۔

موسم بہار کی خوشیاں

اپریل اور مئی میں موسم بہار کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں اِن مقامات پر جمع ہوتے ہیں۔ جہاں چیری کا پھول کھلتا ہے۔ اس کی سیر دیکھتے۔ شرابیں پیتے اور ہنسی مذاق میں وقت گزارتے ہیں۔ اِن مقامات پر اگرچہ بکثرت پولیس موجود ہوتی ہے لیکن وہ وہ بدعنوانیاں ہوتی ہیں جن کا ذکر کرنے سے تہذیب مانع آتی ہے۔ شرابیں پی پی کے لوگ سیہ مستیاں کرتے ہیں۔ اور نیک و بد کی تمیز بالکل اُٹھ جاتی ہے۔ ۲۰ ر اپریل کو شاہنشاہ تمام اُمرائے دربار وزرا و حکام اور سفراء کو چیری کا پھول دیکھنے کے لئے شاہی باغ واقعہ

شنجو کو میں ایک گارڈن پارٹی پر مدعو کرتے ہیں۔ اور دیگر صوبہ جات میں یہ رسم گورنر ادا کرتے ہیں۔

چراغاں کا میلہ

۱۳ / ۱۴ / اور ۱۵ / جولائی۔ چراغاں کا تہوار ہوتا ہے۔ لوگ اپنے مُردوں کی قبروں پر جاتے ہیں۔ کھانے چڑھاتے ہیں۔ چراغ جلاتے ہیں۔ اور آتش بازیاں چھڑاتے ہیں۔ لیکن آج کل شہروں میں لوگ خود آتش بازیاں نہیں چھڑا سکتے۔ کسی ایسوسی ایشن کی طرف سے پولیس کے انتظام کے ماتحت کئی روز تک برابر آتشبازیاں چھڑائی جاتی ہیں۔

شاہنشاہ میجی کی برسی

۳۰ / جولائی کو شاہنشاہ میجی کی برسی منائی جاتی ہے۔

چاند کا تہوار

۱۵ / ستمبر کو چاند کا تہوار مناتے ہیں۔ اس روز چاند کی پرستش ہوتی ہے۔

گل داؤدی کا تہوار

۲۳ / ستمبر۔ گل داؤدی کا تہوار ہوتا ہے۔ اس موقع پر لوگ دروازوں پر کچھ تعویذ لٹکاتے ہیں۔ دعوتیں کرتے ہیں تحفے بھیجتے ہیں۔ کچھ جلوس بھی نکلتے ہیں۔

شاہی مردوں کی نذر

۱۷ / اکتوبر کو نئی فصل کا چاول پہلی بار شاہی مُردوں کو ایسے کے مندر میں نذر چڑھایا جاتا ہے۔

شہنشاہ میجی کی سال گرہ

۳ / نومبر کو شاہنشاہ میجی کی سالگرہ بڑی شان سے منائی جاتی ہے اور شاہی دعوت دی جاتی ہے۔

چاولوں کا تہوار

۲۳ / نومبر کو نئے چاول کا تہوار منایا جاتا ہے۔ اُس دن شاہنشاہ اور شاہی خاندان کے لوگ پہلی بار نئی فصل کا چاول کھاتے ہیں اور فصل کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔

گل داؤدی دیکھنے کے لئے عام جلسے	اِس ماہ کے آخر میں گل داؤدی دیکھنے کے لئے عام جلسے

منعقد کئے جاتے ہیں۔

کرسمس | ۲۳ ر و ۲۴ ر دسمبر کو کرسمس بھی قومی تہوار کی طرح منایا جاتا ہے۔

شاہنشاہ تائشو کی برسی | ۲۵ ر دسمبر کو شاہنشاہ سابق تائشو کی برسی منائی جاتی ہے۔اس کے بعد نئے سال کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔

(س) جاپانیوں کی مہمان نوازی

اپنی روزانہ زندگی میں جاپانی قوم جس درجہ سادگی پسند ہے۔اسی قدر مشرقی اقوام کی طرح مہمانداری اور میل ملاقات کے معاملے میں تکلفات کی پابند ہے۔عموماً لوگ آج کل کسی کے گھر جانے سے قبل اجازت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور تعین وقت کے بعد ملنے جاتے ہیں۔کسی کے یہاں جاتے ہوئے کسی نہ کسی قسم کا تحفہ بھی ضرور لے جاتے ہیں جو عموماً پھول یا کچھ کھانے کی چیز ہوتی ہے۔

بغیر صاحب خانہ سے اجازت لئے ہوئے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔اگر میزبان شادی شدہ ہے تو اس کی بیوی ضرور دروازے پر آکر مہمان کا استقبال کرتی اور مزاج پوچھتی ہے۔ مگر سب سے پہلے مہمان و میزبان ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔اور میزبان کی بیوی تو بیٹھ کر سجدہ کرتی ہے ۔ پھر مہمان و میزبان چند تکلف آمیز اور رسمی فقرے کہتے ہیں۔ مثلاً مہمان کہتا ہے کہ مجھے افسوس ہے میں نے آپ لوگوں کو زحمت دی۔آپ لوگوں کا نہایت شکر گزار ہوں کہ مجھ کو آنے کی اجازت دی۔



چائے پلانا جو ایک مذہبی رسم ہے اور جس کا طریقہ تمام شریف عورتین بطور فن سیکھتی ہین ۔

میزبان بھی مہمان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ کہ آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ زحمت گوارا فرما کر ہم سے ملنے کے لئے آئے۔ افسوس ہے کہ ہمارا گھر آپ کے قابل نہیں۔ نہایت ذلیل اور گندہ ہے۔ اور آپ کی خاطر تواضع کا حق ادا کرنے کے لئے بھی ہم غریبوں کے پاس کچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ قبول فرمائیں تو بڑا احسان ہوگا۔ ان رسمی الفاظ کے بعد مہمان کو گھر کے بہترین کمرے میں لے جاکر بٹھاتے ہیں۔ ٹھیٹ جاپانی گھروں میں نہ تو کرسیاں ہوتی ہیں۔ اور نہ ہندوستان کے متکلف کمروں کی طرح چاندنی قالین۔ ہر کمرے کی زمین پر صاف ستھری چکنی سنہرے رنگ کی چٹائیاں بچھی رہتی ہیں۔ اُن پر مُربع گدّے بچھا بچھا کر ہر آدمی بیٹھتا ہے۔ آج کل شہروں میں ایسے لوگ بھی بکثرت ہیں۔ جو میز کرسیوں کا استعمال کرتے ہیں۔

سب سے پہلے مہمان کے سامنے میزبان کی بیوی چائے پیش کرتی ہے۔ پھر کھانے کی اور چیزیں پھل مٹھائی وغیرہ آتی ہے۔ شراب کا دور چلتا ہے۔ عموماً لوگ اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ جلد رخصت ہو جائیں۔ اتنی دیر نہ بیٹھیں کہ میزبان اکتا جائے۔ رخصت ہونے کے وقت پھر بہت سے رسمی الفاظ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً میزبان اپنے مہمان کی کماحقہٗ خاطر نہ کرسکنے کی معذرت چاہتا ہے، وہ سلام ودعا کہتا ہے، اور تاکید کرتا ہے کہ مہمان اپنی صحت کا خیال رکھے۔ مہمان کئی کئی بار شکریہ ادا کرتا ہے اگر کوئی شخص کسی کے یہاں دو چار روز قیام کرے تو مہمان کو کسی وقت تنہا نہیں چھوڑتے میزبان کے خاندان میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت مہمان کے پاس رہتا ہے۔

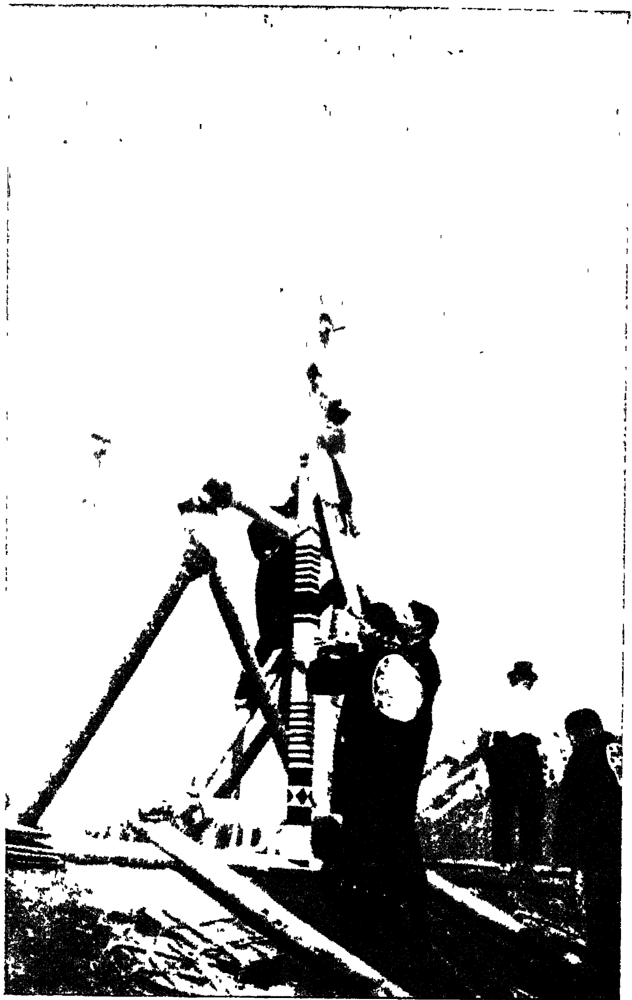
اگر راستے میں احباب واقارب سے ملاقات ہو جاتے تو گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر سر جھکاتے ہیں۔ اور کئی کئی بار اس طرح تسلیم بجالاتے ہیں۔ پھر گذشتہ عنایتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مزاج پُرسی کرتے ہیں۔ اس کے بعد اور گفتگو شروع ہوتی ہے۔ رخصت ہونے کے وقت دونوں "سایونارہ" کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ الفاظ

خدا حافظ کے مترادف ہیں۔ مگر ان کے لفظی معنے ہیں "اگر یہ ہونا ہی ہے"۔ یعنی اگر قسمت میں جدا ہونا ہی ہے تو خیر یہ رنج برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ حقیقت میں جدائی کا رنج ظاہر کرنے کے لئے عجیب دردانگیز اور پُر اثر فقرہ ہے۔

(ح) جاپانی مکانات

ساخت ہفتہ وار اور بعض دفعہ دوسرے تیسرے روز جاپان میں زلزلے آتے رہتے ہیں۔ اور اکثر ان سے جان و مال کا نقصان ہوتا ہے۔ زلزلے کی مصیبت سے بچنے کے لئے یہاں لکڑی کے مکانات بنانے کا رواج ہے۔ جو ایک حد تک زلزلے کے دھکے برداشت کر لیتا ہے۔ اور اگر گر بھی جائے تو رہنے والوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا جس قدر اینٹ پتھر کے مکانات سے پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ آج کل شہروں میں بہت بڑی بڑی آٹھ دس منزل تک کی سنگین عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ جن کے متعلق یہ خیال ہے کہ زلزلے کے صدمے سے محفوظ رہیں گی کیونکہ تمام عمارت بہت موٹے آہنی گارڈروں کے جال پر بنائی جاتی ہے۔ اور بنیاد کے طور پر بھی بہت سے لوہے کے موٹے گارڈر تیس۳۰ چالیس۴۰ فٹ زمین کے اندر گلائے جاتے ہیں۔ بجز چند ایسی بڑی بڑی عمارات کے تمام مکانات کی چھتیں کھپریل کی بنی ہیں اور ترچھی ہوتی ہیں۔

اسّی فی صدی بود و باش کے مکانات ایک منزلہ ہوتے ہیں۔ تقریباً پندرہ سولہ فی صدی دو منزلہ اور چار پانچ فی صدی سہ منزلہ، شہر کے اندر غربا کے مکانات نہایت قریب قریب اور اکثر تاریک ہوتے ہیں۔ اور چالیس پچاس ین ماہوار تک آمدنی والے لوگ مکان کا صرف ایک کمرہ کرایہ پر لے کر رہتے ہیں۔ جس کے ماہوار کرایہ کا اندازہ یہ ہے کہ فی چٹائی (۶ فٹ لمبی تین فٹ چوڑی جگہ کے لئے



مکان کی بنیاد رکھنے کی رسم

۲ ین دے جاتے ہیں۔ یعنی اگر ایک کوٹھڑی چھ فٹ چوڑی نو فٹ لمبی ہوگی تو اس میں تین چٹائیاں بچھ سکیں گی۔ اور کرایہ ۶ ین ماہوار ہوگا۔ طلبا یا ایسے لڑکے لڑکیاں جو تنہا شہر میں رہتے اور کسی قسم کا کام کرتے ہیں۔ اکثر تین تین چار چار مل کر ایک بڑا کمرہ کرایہ پر لے کر رہتے ہیں۔ اس میں اور زیادہ کفایت ہو جاتی ہے۔ بعض ایسے لوگ کسی خاندان کے ساتھ ماہوار ایک مقررہ رقم کے عوض رہنے لگتے ہیں۔ اس طرح ان خاندانوں کو کچھ آمدنی ہو جاتی ہے۔ اور ان مجرد لوگوں کو بھی کفایت ہو جاتی ہے۔ بعض دکاندار لوگ اپنی دکانوں کے پشت پر کھانا وغیرہ پکاتے ہیں۔ اور شب کو خود بیوی بچے سب دکان ہی میں سو جاتے ہیں۔ مضافات شہر میں حالت اس قدر خراب نہیں ہے۔ اور قصبات دیہات میں اور بھی بہتر حالت ہے۔ دیہات میں کسان، دکاندار مزدوری پیشہ سب لوگوں کے پاس مکان ضرور ہوتا ہے۔ خواہ کھانے کو ملے یا نہ ملے۔ گاؤں کے مکانات پرانی لکڑی۔ مٹی کے ہوتے ہیں۔ اور چھت کی جگہ بعض اوقات چھپر ڈال لیتے ہیں۔ مگر صاف ستھرے اور ہوادار خوب ہوتے ہیں۔

مکانات میں پائیں باغ

اُمراء ورؤسا کے مکانات میں پائیں باغ ضرور ہوتا ہے۔ اور اس باغ کی آرائش ایک مستقل فن ہے۔ جس میں جاپان تمام دنیا کی قوموں سے سبقت لے گیا ہے۔ مصنوعی ذرائع سے باغ اس طرح آراستہ کرتے ہیں کہ ایک قدرتی منظر کا ننھا سا نمونہ بن جاتا ہے۔ جابجا چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بناتے ہیں۔ اُن سے چشمے نکالتے ہیں۔ آبشاریں بناتے ہیں۔ قدرتی پہاڑی جھیلوں کی شکل کے حوض بناتے ہیں۔ اُن کے گرد ایسے درخت لگاتے ہیں جو عموماً پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کو کچھ اس طرح پرورش کرتے ہیں کہ تین چار فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہوتے۔ چشموں میں ننھے ننھے پل باندھتے ہیں۔ اور پہاڑیوں پر پیچ و خم کھاتے ہوئے پتلے پتلے راستے بناتے ہیں۔ غرض یہ

وہ تمام قدرتی مناظر جو پہاڑی علاقوں میں آٹھ دس میل کے اندر سما سکتے ہیں ۔ وہ چھوٹے پیمانے پر صنعت کا ہاتھ ایک ایکڑ زمین کے اندر بنا دیتا ہے ۔ اور یہ منظر حقیقت میں نہایت دلفریب معلوم ہوتا ہے ۔

مکانات کی آرائش

اس صنعت سے ملتی جلتی ایک اور صنعت ہے ۔ (۱) یعنی بڑی قابوں یا کشتیوں پر اسی قسم کے قدرتی منظر کا ماڈل بناتے ہیں ۔ اور کمروں میں آرائش کے طور پر رکھتے ہیں ۔ مکانات کی قیمت کا اندازہ لکڑی سے کیا جاتا ہے ۔ جس سے مکان تعمیر ہوتا ہے ۔ امراء کے مکانات میں بیش قیمت اعلیٰ قسم کی لکڑی لگائی جاتی ہے ۔ جو زیادہ پائدار اور خوشنما ہوتی ہے ۔

(۲) **کاکے مونو** کمروں کی آرائش کے لئے خاص چیز ہے ۔ یہ ایک تصویر ہوتی ہے ۔ جو ایک دو فٹ چوڑی اور تین چار فٹ لمبی ہوتی ہے ۔ اور لمبائی کی طرف نیچے ایک رول لگاتے ہیں ۔ اور رول کے دونوں طرف پھندنے لٹکتے ہوتے ہیں ۔

کاکے مونو۔ کافی قیمتی چیز ہوتی ہے ۔ یہ تصویر ریشم یا کاغذ پر ہاتھ سے بنائی جاتی ہے ۔ اور قدرتی منظر یا کسی چڑیا کی تصویر ہوتی ہے ۔ بعض وقت کاکے مونو پر صرف کوئی شعر یا چینی مقولہ لکھا ہوا ہوتا ہے ۔ اور بجائے مصوّری کے خطاطی کا نمونہ ہوتا ہے ۔

(۳) ایک اور ٹھیٹ جاپانی چیز آرایش کے کام آتی ہے ۔ تراشیدہ لکڑی کی مورتیں ہوتی ہیں ۔ یہ یا تو کسی مشہور مذہبی پیشوا کا مجسمہ ہوتا ہے ۔ یا قومی کہانیوں سے متعلق کوئی مرد عورت یا بچہ ہوتا ہے ۔ ان بتوں کو نیچی نیچی میزوں پر سجاتے ہیں ۔

(۴) جاپان میں آرائش کے لئے پھولوں کے گلدستے کے طور پر ترتیب دینا بھی ایک زبردست آرٹ ہے جس سے تمام اعلیٰ طبقے کی عورتیں واقف ہوتی ہیں ۔ دوسرے ممالک میں جو گلدستہ سجانے کا طریقہ ہے ۔ اس سے بہت مختلف اور بہت دشوار کام ہے



کاغذ کی چھتری اور عجیب قسم کی کھڑاؤں

آج کل یورپ اور امریکہ سے لوگ یہ آرٹ سیکھنے کے لئے جاپان آتے ہیں۔
یہ چاروں قسم کی آرائشی چیزیں اعلیٰ قسم کا مذاق ظاہر کرتی ہیں۔ اور ان کے لئے چاہیے مختلف فنونِ لطیفہ کی ضرورت ہے۔

(ع) لباس

ہر ملک میں لباس کی وضع ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جاپان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور یہاں بھی مختلف زمانوں کے لباسوں کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہے۔ مگر یہاں اس ذکر کا موقعہ نہیں اس وقت تو میں صرف موجودہ قومی لباس کا ذکر کروں گا۔

مردانہ لباس

موجودہ زمانے میں سر کا لباس ہیٹ ہو گیا ہے۔ موسم سرما میں فلٹ یا باؤلر کیپ اوڑھنے کا رواج ہے۔ موسم گرما میں اسٹرا ہیٹ یا پانامہ ہیٹ استعمال کرتے ہیں۔ آج کل ہر طبقہ کے لوگ خواہ امیر ہوں یا غریب سب ہیٹ پہنتے ہیں۔ مگر بعض لوگ برہنہ سر بھی رہتے ہیں۔ خال خال لوگ ایسے بھی نظر آجاتے ہیں، جو سر پر رومال باندھتے یا کسی اور قسم کی ٹوپی اوڑھتے ہیں۔

قدیم زمانے میں لوگ برہنہ سر ہی رہتے تھے۔ اور بالخصوص اعلٰے طبقہ کے لوگ سر پر ایک خاص وضع کے بال رکھتے تھے اور چاند گھٹواتے تھے۔

نیچے جانگیہ اور ایک شلوکہ پہنتے ہیں۔ جس میں آگے بٹن نہیں لگاتے۔ صرف پیش ایک دوسرے پر کر لیتے ہیں۔ موسم سرما میں شلوکہ کے اوپر کئی اونی یا روئی بھری ہوئی کمریاں پہنتے ہیں۔ مگر اوپر کیمونو پہنتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا ٹخنوں تک لمبا چغہ ہوتا ہے۔ جس کی آستینیں بہت ڈھیلی ڈھالی اور بغل کے نیچے سے کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ اِس چغے کے پیش اوپر نیچے کر کے ایک سیاہ ریشمی پٹکا کمر سے باندھ لیتے ہیں۔ کمونو اکثر سیاہ سادی۔ یا دھاری دار ریشمی

اونی یا سوتی استعمال کرتے ہیں۔
گرمیوں میں بعض لوگ کالی دھاری اور سفید زمین کی کمونو بھی استعمال کرتے ہیں اس چغے میں جیب نہیں ہوتی - آستینیں جیب کا کام دیتی ہیں - یا گریبان کے اندر چیزیں رکھ لیتے ہیں۔
کمونو کے اوپر رسمی موقعوں پر ایک قسم کا لہنگا یا گھاگرہ پہنتے ہیں جسکو ہکمہ کہتے ہیں
کمونو کے اوپر ایک اور چغہ پہنتے ہیں جس کو ہوری کہتے ہیں۔ ہوری کے پیش آگے سے کھلے رہتے ہیں۔ صرف ایک چھوٹی سی خوبصورت ڈوری دونوں پیشوں کے بیچ میں سینے پر بندھی رہتی ہے۔ ہوری کی آستین بھی کمونو ہی کی وضع کی ہوتی ہیں۔ اس لئے کمونو کی آستینوں پر آجاتی ہیں۔ گرمیوں میں اکثر لوگ ہوری نہیں پہنتے۔
جوتہ پہننے کا رواج کم ہے۔ زیادہ لوگ کھڑاؤں پہنتے ہیں۔ قدیم زمانے میں جوتے کے بجائے کھڑاویں ہی پہنی جاتی تھیں۔ اب بھی جب مغربی لباس پہنتے ہیں اُس وقت جوتہ استعمال کرتے ہیں ورنہ قومی لباس کے ساتھ کھڑاویں ہی پہنتے ہیں۔
کھڑاویں بھی مختلف نمونوں کی ہوتی ہیں۔ بعض دھان کے خشک بال سے بنائی جاتی ہیں۔ یہ زوری کہلاتی ہیں۔ اور گھر کے اندر پہنی جاتی ہیں۔ ایک قسم کی کھڑاؤں میں نیچے کی لکڑیاں چار چار انچ اونچی ہوتی ہیں۔ یہ برسات میں گھر سے باہر پہنتے ہیں۔ بعض موٹی لکڑی کی چپل جیسی ہوتی ہیں، اُن کو گیتا کہتے ہیں۔ اور بالعموم استعمال کرتے ہیں۔ ان سب میں چپّل کی طرح بجائے کھونٹی کے دو اسٹریپ ہوتے ہیں۔ پیروں میں ایک قسم کے کپڑے کے سِلے ہوئے موزے بھی پہنتے ہیں۔ جن میں کھڑاؤں کی وجہ سے انگوٹھے کی جگہ علیحدہ بنی ہوتی ہے۔ اس موزے کو تابی کہتے ہیں اس سے ٹخنے تک تمام پیر ڈھک جاتا ہے۔

مزدوروں کا لباس

مزدوروں کا لباس عام لباس سے بالکل مختلف ہوتا ہے یہ لوگ ہمیشہ نیلے رنگ کا گاڑھا استعمال کرتے ہیں۔

پیروں میں تابی جیسا کپڑے کا جوتہ پہنتے ہیں۔ اس کا تلا ربڑ کا ہوتا ہے۔ ٹانگوں میں ایک قسم کا تنگ پائچوں کا پاجامہ پہنتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک شلوکہ پہنتے ہیں۔ اور اس پر سے ایک ہوری کی وضع کا کوٹ پہنتے ہیں۔ اُس کوٹ کی پشت پر سفید رنگ میں ایسوسیئشن یا فیکٹری کا نام لکھا ہوتا ہے جس سے اُن کا تعلق ہے۔ سر یا تو برہنہ ہوتا ہے۔ یا ہیٹ پہنتے ہیں۔ یا ہیٹ ہی کی وضع کی ایک بڑی ٹوکری نما ٹوپی سر پر باندھ لیتے ہیں۔ اور کسانوں میں اس کا رواج نہایت قدیم ہے۔ کسانوں کی پوشاک بھی مزدوروں جیسی ہوتی ہے مگر یہ سفید کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی عورتوں کا لباس بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور اکثر یہ بھی ہیٹ نما ٹوکری پہنتی ہیں۔

شہروں میں عورتیں کم مگر مرد بکثرت کاروبار کے وقت مغربی لباس استعمال کرتے ہیں طلباء۔ پوسٹمین۔ پولیس میں۔ بحری و برّی سپاہی ہمیشہ وردی میں نظر آتے ہیں۔ جو مغربی وضع کی ہوتی ہیں۔ یعنی پتلون۔ بند گلے کا۔ چھوٹا کوٹ جس میں پیتل کے بٹن لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ایسی چھجے دار ٹوپی جیسی ہمارے ملک میں ریلوے گارڈ استعمال کرتے ہیں۔ برّی فوج کی وردی ہمیشہ خاکی رنگ کی ہوتی ہے۔ لیکن بحری فوج پولیس اور ڈاکخانے کے ملازمین طلباء سب کی وردیاں جاڑوں میں گہری نیلی اور گرمی میں سفید ہوتی ہیں۔ ایسی ہی وردیاں ٹریم کار کے کنڈکٹر۔ ریلوے کے ملازم۔ موٹر بس۔ چلانے والے استعمال کرتے ہیں۔ بس میں ٹکٹ بانٹنے والی لڑکیاں بھی نیلی وردی پہنتی ہیں۔

(ف) غذا

چونکہ جاپانی قوم صدیوں تک بدھ مذہب کے زیر اثر رہی۔ اس لئے اُن کی خوراک میں ساگ پات سبزیوں اور ترکاریوں کو بہت زیادہ دخل ہے۔ شاید ابتدائی زمانے میں ہر قسم کی لحمی غذا ممنوع ہوگی۔ لیکن سرد آب وہوا اور جزیروں کی سکونت نے

مچھلی کھانے پر مجبور کیا ہوگا۔ اور مذہبی پیشواؤں نے بھی ان فطری ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی اجازت دے دی ہوگی۔

۱۸۶۸ء تک لوگ مچھلی اور پرندوں کے سوا کسی دوسرے جانور کا گوشت کھاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ مگر اب عام اجازت ہے۔ اور گائے کا گوشت بازاروں میں خوب بکتا ہے اور جاپانی لوگ بلا تکلف کھاتے ہیں۔ جاپانی غذاؤں کے متعلق یہ امر نہایت تعجب خیز ہے کہ یہ لوگ دودھ، دہی، مکھن، گھی، تیل کا استعمال نہیں کرتے۔ دودھ اور مکھن شہروں میں ملتا ہے، مگر بہت گراں ایک قسم کی دہی یا پنیر استعمال کرتے ہیں جو بیجوں سے تیار کیا جاتا ہے اس کے علاوہ تقریباً ہر کھانے میں ایک قسم کا سرکہ ڈال کر پکاتے ہیں۔ یہ سرکہ بھی انھیں بیجوں سے بنتا ہے۔

چاول، مچھلی، ترکاریاں اور پھل اچار اور چٹنیاں ان ہی سے تمام جاپانی کھانے بنتے ہیں۔ گیہوں کا آٹا بالکل نہیں کھاتے۔ ڈبل روٹی اور بسکٹ کا استعمال ہندوستان سے بھی کم ہے۔ چاول ہمیشہ پھیکا اُبال کر کھاتے ہیں۔ جاپانی چاول میں کلپ بعید ہوتا ہے اور بہت موٹا اور کم لمبا ہوتا ہے۔ خشکہ ٹھنڈا کر کے کھایا جاتا ہے۔ مچھلی بالکل کچی، ادھ کچری بھون کر۔ یا اُبال کر یا تل کر کھاتے ہیں۔ ترکاریاں کچی یا ابال کر کھاتے ہیں۔ نمک کا استعمال بھی بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اچار شاذ و نادر کھٹے یا مزیدار ہوتے ہیں۔ عموماً سیٹھے بدمزہ اور سخت ہوتے ہیں۔ شرب میں سبز چائے اور چاول کی شراب "ساکے" کا رواج عام ہے۔ چائے میں دودھ، شکر، نمک وغیرہ کچھ نہیں ڈالتے۔ صرف گرم پانی میں چائے کے پتے ہوتے ہیں۔ دن بھر چائے کا دور چلتا رہتا ہے۔ چائے ہر جگہ مفت ملتی ہے۔

آداب طعام کھانا کمرے کے اندر فرش پر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ بالعموم خاندان کے تمام افراد یکجا بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ مگر بعض لوگوں میں مرد یکجا کھاتے ہیں اور عورتیں یکجا۔ ہر شخص کے لئے علیحدہ علیحدہ خوان میں رکھ کر کھانا آتا ہے

اور نیچی نیچی فرشی میزوں پر خوان رکھا جاتا ہے۔ بعض وقت ایک بڑی میز پر کئی خوان رکھتے ہیں اور اس کے گرد کھانے والے بیٹھ جاتے ہیں۔ کھانا قابوں یا رکابیوں کے بجائے پیالوں میں آتا ہے۔ جو چینی کے ہوتے ہیں، یا لکڑی کے، ہاتھ سے کھانا بہت معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ لکڑی کی دو تیلیوں کو داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں پکڑ کر چمٹے کی طرح ان تیلیوں سے کھانا اٹھاتے ہیں، اور منہ تک لیجاتے ہیں۔ رقیق چیزیں شوربہ وغیرہ پیالہ منہ سے لگا کر پیتے ہیں۔ یہ تیلیاں صرف ایک بار استعمال کی جاتی ہیں۔ ایک وقت کا کھانا کھانے کے بعد ان تیلیوں کو توڑ کر پھینکدیتے ہیں۔ چاول کی دیگچی پاس رکھ لیتے ہیں جب اور سب چیزیں کھا چکتے ہیں تو آخر میں ایک ایک آدمی چھ چھ سات سات پیالے چاول کھا لیتا ہے۔ پھر چائے یا شراب پر کھانا ختم کیا جاتا ہے۔

(۷) جاپانی فنون

جاپانی فنون کی تاریخ اُس وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جب چھٹی صدی عیسوی میں بدھ مت اور اُس کے لوازم ہندوستانی فنون چین اور کوریا کی راہ سے جاپان میں آئے۔ جاپانی فنّ مصوری۔ سنگ تراشی۔ دھاتوں کا ڈھالنا۔ اسلحہ سازی۔ تعمیر۔ موسیقی اور شاعری تمام فنون کی بنیادیں بُدھ مت پر ہی قائم ہیں۔ بدھ مت کا جاپانی تہذیب کی ساخت میں جو حصّہ ہے اُس کو مختصراً چمبرلین نے خوب بیان کیا ہے۔

صدیوں تک مساکین اور بیماروں کی غور و پرداخت اور تعلیم بدھ مت کے ہاتھوں میں رہی۔ بدھ مت نے ملک کو فنون سے متعارف کیا۔ فن طب بخشا۔ ملک کے رسوم و عقاید کی ساخت و پرداخت کی۔ ڈرامہ اور شاعری کی تخلیق کی۔ اور سیاسیات اور دیگر عمرانی و ذہنی تحریکات پر گہرا اثر چھوڑا۔ خلاصہ یہ کہ بدھ مت گویا ایک اُستاد تھا جس کی زیر ہدایت جاپانی قوم نے تربیت پائی۔

بعض محققین نے اِن جاپانی فنون لطیفہ میں ایرانی اور یونانی تہذیب کے آثار دیکھے ہیں۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جاپان کبھی براہ راست ان تہذیبوں کے زیر اثر نہیں آیا۔ مگر جس زمانے میں بدھ مت کی اشاعت چین میں ہوئی ہے۔ اُس سے قبل بُدھ مت پر یونانی اور ایرانی تہذیب کا پرتو پڑ چکا تھا۔ اِسی لئے جب بدھ مت نے جاپانی تمدّن پر اثر ڈالا۔ تو اس میں بھی یونانی اور ایرانی تہذیبوں کی شعاعیں نظر آنے لگیں۔

تحریر و رسم الخط کے لئے جاپان چین کا رہینِ منت ہے۔ تہذیب کے دیگر جزئیات بھی چین اور کوریا سے ہی آئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ تہذیب کا پودا جب ممالک غیر سے لاکر اس سرزمین میں لگایا گیا تو یہاں کی آب و ہوا نے اس کو پرورش کر کے

نئے نئے رنگ کے پھول کھلائے۔

چونکہ ملک خود سرسبز و شاداب ہے اور قدرتی مناظر کی کثرت ہے اس کا اثر باشندوں کی طبائع پر یہ ہونا چاہیئے تھا اور ہے کہ فطرۃً حسن میں دلچسپی لینے کی صلاحیت اور مذاق پیدا ہو جائے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس دلچسپی کو انسان اپنے صنائع اور خیالات میں ظاہر کرے۔ اس لئے جاپانی عموماً آرٹ کے سمجھنے کا عمدہ مذاق رکھتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ تیرہ سو برس میں جاپان نے فنون لطیفہ میں حیرت انگیز ترقی کی اور ہر شعبہ میں ایسی ملکی خصوصیات پیدا کیں، کہ اب غیر ممالک کے آرٹ سے جاپانی آرٹ بالکل ممیز نظر آتا ہے۔ ہر فن کی جزئیات یا اس کی ارتقائی تاریخ بیان کرنے کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے اور ایسی تصنیف کا حق وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو ان فنون سے خود بہرۂ تام رکھتا ہو۔ یہاں صرف مختصراً چند فنون کا بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) مصوّری

آج کل کیوتو اور توکیو اس فن کے سب سے بڑے مرکز ہیں۔ دونوں مرکزوں کی مصوّری اپنی خصوصیات کے لحاظ سے جداگانہ ہے۔ سلطنت مختلف طریقوں سے اس فن کی سرپرستی کرتی ہے۔ سرکاری طور پر انجمن فنون لطیفہ قائم ہے۔ مشہور مصوّر اس کے ممبر ہیں۔ جو حکومت کی طرف سے مستقل تنخواہیں پاتے ہیں۔ امرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ خطابات سے بھی سرفراز کیا جاتا ہے۔ ہر سال دو بار موسم بہار اور موسم خزاں میں اس انجمن کی جانب سے ایک بڑی نمائش ہوتی ہے۔ جس میں اس کے ممبر اپنے مخصوص اعمال اور شاہکار پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض قیمتاً فروخت کئے جاتے ہیں۔ مگر بعض شاہنشاہ یا اُمرا کو پیش کرنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً یہ انجمن غیر ممالک میں بھی اپنے نمائندے بھیجتی اور نمائش منعقد کرتی ہے۔

علاوہ شاہی انجمن کے ایک غیر سرکاری انجمن بھی موجود ہے۔ اس میں وہ مشاہیر مصوّر شامل ہیں جو شاہی انجمن کے ممبر نہیں۔ یہ بھی سال میں دو بار نمائش کرتے ہیں۔

جاپانی تصاویر آبی رنگوں سے بنائی جاتی ہیں۔ (روغنی رنگوں کی تصاویر بھی آج کل بنائی جاتی ہیں مگر اس فن میں جاپانی ابھی بالکل مبتدی ہیں) رنگ آمیزی قابل دید ہوتی ہے۔ تصاویر میں عموماً مناظر قدرت یا درختوں اور پھولوں (مثلاً چیری۔ گل داؤدی۔ بانس میپل سرو۔ صنوبر۔) پرندوں (مثلاً بگلا۔ سارس۔ مور۔ مرغی۔ کبوتر۔ بطخ۔ جل کاگ) مچھلیوں۔ و دیگر جانوروں (مثلاً گھوڑا۔ بلی۔ کتا) عمارتوں۔ دیوتاؤں کی شکلیں دکھاتے ہیں۔ انسانی تصاویر بھی بناتے ہیں۔ لیکن جہاں تک میری نظر سے گذری ہیں، عموماً ان میں چہرے پر جذبات نگاری بالکل مفقود ہوتی ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جاپانی چہرے خود ہی تموج جذبات کے اظہار سے عاری ہوتے ہیں۔ عموماً ایک جاپانی چہرہ دیکھ کر یہ اندازہ لگانا بہت دشوار ہے کہ اس وقت وہ شخص غمگین ہے یا خوش۔ مغرور ہے یا مسکین۔ مایوس ہے یا خوف زدہ۔

تصاویر کاغذ یا ریشم پر بناتے ہیں۔ بعض تصاویر سیاہ رنگ سے بنائی جاتی ہیں۔ اور واقعی آرٹ کا عمدہ نمونہ ہوتی ہیں۔ پرانے زمانے میں تصاویر مندروں کی دیواروں پر بناتے تھے۔ یا ایک چار پانچ فٹ لمبے۔ ڈیڑھ دو فٹ چوڑے کاغذ یا ریشم کے ٹکڑے پر بنا کر دونوں طرف چوڑائی میں رول لگاتے تھے، اور پھر ان کو کمروں میں لٹکاتے تھے۔ اس کا رواج اب بھی بہت زیادہ ہے۔ اور اعلیٰ طبقہ کے علاوہ متوسط طبقے کے لوگ بھی ضرور ایک دو اپنے گھروں میں لٹکاتے ہیں۔ اس کے علاوہ پنکھوں پر بناتے ہیں یا اسکرین پر بناتے ہیں، جو قد آدم اونچا اور بعض اوقات دس گز لمبا ہوتا ہے۔ آبی رنگوں میں اتنی بڑی تصاویر بنانا فی الحقیقت نہایت دشوار کام ہے۔ اور یہ جاپانی آرٹ کی خصوصیت ہے بعض لوگ صرف گھوڑے یا مچھلی کی تصاویر بنانے میں کمال بہم پہنچاتے ہیں۔ اور ان کی تصاویر ہزاروں مختلف طریقے سے نصف منٹ میں بنا سکتے ہیں۔ اور مکمل جانور برش کی صرف دو یا تین کششوں سے بنا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اکثر بازاروں میں برش



مصور نقاشی کررها ھے

کاغذ اور سیاہ روشنائی لئے کھڑے رہتے ہیں۔ اور چار پانچ سین (پیسہ) میں خریدنے والے کے سامنے تصاویر بنا دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ مہارت قدرے حیرت انگیز ضرور ہوتی ہے مگر میرے نزدیک یہ اصلی آرٹ نہیں ہے۔ بلکہ محض مداری کا کھیل ہے۔

مجسمہ سازی فن سنگ تراشی موجود ضرور ہے۔ لیکن کچھ اعلیٰ درجہ کا نہیں ہے عموماً اسکے نہایت بھدّے اور بھونڈے نمونے نظر آتے ہیں لیکن مجسمہ سازی میں لکڑی کے مجسمے مٹّی کی مورتیں اور مومی مورتیں نہایت اچھی بناتے ہیں۔ مومی مورتیں بنانے کا آرٹ قدیم نہیں ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں نہایت اعلےٰ اور ترقی یافتہ ہے۔ ان کے قابل دید قد آدم نمونے توکیو کے بڑے بڑے ڈیپارٹمنٹ اسٹورز میں نظر آتے ہیں۔ دھاتوں کے مجسمے ڈھالنا بھی بہت قدیم آرٹ ہے۔ اور بدھ کے دو دیو پیکر مجسمے جو نارا۔ اور کماکورہ میں نصب ہیں، اس فن کے اعلےٰ نمونے ہیں۔ یورپین طرز کے مجسمے بھی تیار ہوتے ہیں۔ اور اکثر مشاہیر کے مجسمے توکیو میں جا بجا نصب ہیں۔

فن تعمیر افسوس ہے کہ میں جاپانی فن تعمیر کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہندوستانی فن تعمیر سے جاپانی فن تعمیر کو کوئی علاقہ نہیں۔ یہ بالکل جداگانہ چیز ہے۔ زلزلوں کی وجہ سے قدیم زمانے کے نمونے بہت کم پائے جاتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ میں بیشتر حصّہ اُن بُدھ مت کے مندروں کا ہے، جو چینی یا کورین معماروں نے بنائے تھے۔ فن تعمیر کا قدیم ترین نمونہ ایسے کا مندر خیال کیا جاتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت یہ ہے کہ دو ہزار برس قبل جس نمونہ کا مندر بنایا گیا تھا اُسی نمونہ پر ہر بیس سال کے بعد یہ نیا تعمیر ہوتا رہا ہے اس کا طرزِ تعمیر اُس زمانہ کی یاد دلاتا ہے۔ جبکہ سلطنت جاپان کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

فن موسیقی اس فن نے مذہب کے زیرِ سایہ ترقی کی ہے۔ اس لئے اب بھی مذہبیت کا رنگ اس پر غالب ہے۔ مذہبی موسیقی ابھی تک غیر ملکی اثرات سے بالکل پاک ہے۔ مگر غیر مذہبی موسیقی پر مغربی رنگ غالب آتا جاتا ہے۔ آج کل بکثرت جاپانی گیت

مغربی تانوں پر اور مغربی آلات موسیقی پر سُنے جاتے ہیں۔ قدیم ساز بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں ان میں سے "شماسین" اور کندو بہت مشہور ہیں۔ شماسین ایک قسم کا بہت لمبا ستار ہے جس کو بجانے والا زمین پر اپنے سامنے رکھ لیتا ہے۔ کندو ایک قسم کی سارنگی ہے۔ اعلےٰ طبقہ میں عورتوں کے لئے فن موسیقی کا جاننا نہایت ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ میں فن تعمیر کی طرح جاپانی فن موسیقی کی داد دینے سے بھی معذور رہوں۔ جس کا باعث خود اس فن کے اصولوں سے میری لاعلمی اور جاپانی فن موسیقی کی غرابت ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستانی اور مغربی موسیقی کے مقابلہ میں جاپانی موسیقی بہت سادہ اور دقیانوسی ہے۔ محض آواز کی بلندی و پستی اس میں پائی جاتی ہے۔ گلے کی مشکل حرکتیں اس میں نہیں ہیں۔ تاہم اثر سے خالی نہیں۔

اسلحہ سازی

قطع نظر آتشی آلات حرب کے جن کو آج کل جاپان اپنی ضروریات جنگ کے مطابق خود بنا لیتا ہے، اس جگہ صرف قدیم فن کے متعلق کچھ عرض کرنا منظور ہے۔ جہانتک شکل وصورت کی خوبیوں اور تنوع کا تعلق ہے۔ یہاں اس کا پتہ نہیں بعض قدیم تلواروں کے دستے چاندی اور سونے کے بھی دیکھے۔ بعض پر نقش ونگار بھی پائے لیکن اس لحاظ سے جاپانی تلواریں۔ قدیم دمشقی اصفہانی تلوار خنجر و پیش قبض وغیرہ اور ہندوستانی کٹار اور قرولی کا مقابلہ بالکل نہیں کرسکتیں۔ دو دھاری خمیدہ۔ لچکدار تلوار کے بنانے کا یہاں کبھی دستور نہیں ہوا۔ جاپانی تلوار، نہ زیادہ لمبی۔ سیدھی۔ یک طرفہ دھار کی ہوتی ہے۔ اور دستہ قریب قریب ایک فٹ لمبا اور ڈنڈے کی طرح گول ہوتا ہے لمبا ہونے کی ضرورت یہ ہے کہ جاپانی قدیم زمانے میں تلوار ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ڈنڈے کی طرح استعمال کرتے تھے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ فولاد کی خوبی اور کاٹ کے لحاظ سے جاپانی تلوار قدیم زمانے سے اتنی ہی اچھی ہوتی ہے جتنی اصفہانی دمشقی۔ یا ہندوستانی تلواریں۔

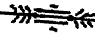


آرائش گل

جو جاپان میں ہر شریف عورت کو بطور فن لطیف سیکھنا پڑتا ہے

اشیا پر لاکھ کا روغن

لیکر ورک، لکڑی، ٹین یا کارڈ بورڈ کی چیزوں پر لاکھ سے روغن کرنا بھی جاپان کی قدیم صنعت ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس مخصوص صنعت میں جاپان تمام دنیا پر سبقت لے گیا ہے۔



(۷) جاپانی زبان کی چند دلچسپ خصوصیات

ہندوستان میں خواص سے قطع نظر عوام میں مشرق بعید کی معاشرت و تمدن سے قطعاً لاعلمی پائی جاتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس قدر ایک چیز نئی ہوتی ہے اسی قدر اس میں دلچسپی اور جاذبیت زیادہ ہوتی ہے۔ مشرق بعید کے حالات نہ صرف اس لحاظ سے نئے ہیں کہ ابتک اُن کے متعلق اہل ملک کو بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے بھی جدید ہیں کہ ان ممالک کی تہذیب و معاشرت اُن تمام ممالک کی تہذیب و معاشرت سے جن سے ہم کسی حد تک متعارف ہو چکے ہیں بالکل جدا ہے اور ایک قطعی مختلف ماحول میں اس تہذیب کی پرورش ہوئی ہے۔

جاپانی زبان کے متعلق چند جہل خیالات مشہور عوام ہیں۔ مثلاً چینی اور جاپانی زبانیں بہت کچھ مماثل ہیں۔ دونوں زبانوں میں حروف مشترک ہیں۔ ان مشترک حروف کی تعداد ہزار سے بھی زیادہ ہے جن کو محفوظ رکھنا سخت دشوار ہے۔ بہت کم لوگ تمام حروف سے واقف ہیں۔ ان بیانات میں حقیقت کی صرف ایک خفیف سی جھلک موجود ہے۔

چینی اور جاپانی زبانوں کا فرق

سب سے پہلے میں چینی اور جاپانی زبانوں کی مماثلت کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے اسی قدر مختلف ہیں جس قدر ترکی سے تامل۔ ایک فاضل نے جس کو دونوں زبانوں میں مہارت تامہ حاصل ہے ان دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ

۱۔ چینی زبان کے تمام الفاظ ایک جزو صوتی (Syllable) سے بنے ہیں۔ مگر جاپانی زبان کے الفاظ ایک سے زیادہ اصوات سے مرکب ہوتے ہیں۔

۲- چینی زبان مختصر۔ برجستہ اور سلیس ہوتی ہے۔ برخلاف اسکے جاپانی زبان کی خصوصیات شیرینی۔ موسیقیت اور تکلف ہیں۔ اور اس کا ذخیرہ وسیع المفہوم محاورات سے پُر ہے۔

۳- چینی زبان کے الفاظ نہایت ثقیل ہیں۔ اور ان کا ادا کرنا سخت دشوار ہے۔ کیونکہ عربی کی طرح اُن کے اصوات نہایت پیچیدہ مخارج سے ادا ہوتے ہیں۔ درانحالیکہ جاپانی زبان کے تمام اصوات مفرد اور سہل المخارج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں قدرتی موسیقیت اور لوچ پایا جاتا ہے۔

۴- چینی زبان میں صرف و نحو کی تبدیلیاں نہیں ہوتیں۔ اس کے اسماء واحد و جمع جنس اور حالت کی خصوصیات سے معرّا ہیں۔ اور اس کے افعال اشتقاق کی علّت سے مبرّا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اسماء اور افعال کے درمیان بھی کوئی امتیازی حدِّ فاصل نہیں۔ محض موقع و محل کے لحاظ سے جملہ میں الفاظ کے معنی پیدا کئے جاتے ہیں برخلاف اس کے جاپانی زبان ایک پیچیدہ اور جامع صرف و نحو کی مالک ہے۔

چینی الفاظ کا اختلاط سبب

جو کچھ اوپر بیان ہوا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصولاً یہ دونوں زبانیں ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ لیکن موجودہ زمانے میں چینی الفاظ اور محاورات جاپانی زبان میں بکثرت مخلوط ہو گئے ہیں۔ اور یہ الفاظ بالعموم اس زمانے کی یادگار ہیں۔ جبکہ چینی تہذیب و تمدّن کا گہرا اثر جاپان پر پڑ رہا تھا۔ اسی طرح موجودہ زمانے میں جبکہ یورپین تہذیب کا زور ہے مختلف یورپین زبانوں اور بالخصوص انگریزی زبان کے بے شمار الفاظ اور علمی اصطلاحات اپنا رنگ اور صورت بدل کر جاپانی زبان کی محفل میں جانشین ہیں۔

باوجودیکہ چینی الفاظ کثرت سے جاپانی زبان میں شامل ہو گئے ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اب بھی دونوں زبانوں میں کچھ مماثلت پیدا ہو گئی ہے۔ یا بغیر اکتساب و تحصیل

چینیوں کے لئے جاپانی اور جاپانیوں کے لئے چینی زبان کا سمجھنا یا بولنا آسان ہے ہرگز نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اُردو میں عربی کے الفاظ بکثرت موجود ہیں۔ مگر بغیر سیکھے ہوئے اُردو بولنے والوں کی سمجھ میں عربی زبان نہیں آسکتی اور نہ عرب اُردو سمجھ سکتے ہیں۔

جاپانی تحریر کی ابتداء

جاپان میں ابتداءً تحریر چین ہی سے آئی۔ اس لئے اوّلاً چینی تحریر کا کچھ حال لکھنا مناسب ہوگا۔

چینی زبان کی خصوصیات

جیسا پہلے بھی لکھا جاچکا ہے کہ چینی زبان کی خصوصیات اختصار اور برجستگی ہیں۔ اس لئے اس زبان میں اکثر ایک مفہوم کو ادا کرنے کے لئے صرف ایک ہی لفظ اور اُس کے لئے ایک ہی تحریری نشان ہے

بظاہر یہ امر نہایت عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ دنیا کی تمام دوسری معروف زبانوں میں سے کسی میں بھی یہ بات نہیں پائی جاتی۔ مثلاً عربی میں ایک ایک مفہوم کے لئے متعدد الفاظ ہیں اور ہر ایک کے لئے علیحدہ تحریری علامتیں موجود ہیں۔ اسد و ضیغم عربی میں مترادف ہیں۔ مے اور بادہ فارسی میں ہم معنی ہیں مگر ان کے لئے تحریری علامات یعنی حروف جداگانہ ہیں۔

چینی زبان میں حروف تہجی نہیں

اس مشکل کا حل یوں ہے کہ چینی زبان میں حروف تہجی موجود نہیں (بوالعجبی دیکھئے کہ ہمارے ملک میں لوگ سمجھتے ہیں کہ چینی میں ہزاروں حرف ہیں حالانکہ ایک حرف بھی نہیں) بلکہ قدیم مصری زبان کی طرح ہر مفہوم کی ایک تصویر کھینچی جاتی ہے۔ انسان نے تحریر کی ابتدا یوں ہی کی تھی۔ دوسری زبانوں نے رفتہ رفتہ ان ہی تصاویر سے حروف تہجی تیار کرلئے مگر چین نے اس قدیم طریقے پر قائم رہ کر اس کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ مولانا آزاد مرحوم نے سخندان پارس میں عربی حروف ہجا کی ارتقائی منازل دکھلاتے ہوئے چند لطیف اشارات قلمبند کئے ہیں۔ جن کا اعادہ اس موقعہ پر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

(ا) سرکنڈے کی تصویر ہے کہ سیدھا کھڑا ہے۔

(ب) باب یعنی گھر کی تصویر ہے۔ گھر والا سامنے بیٹھا ہے (نقطہ)

(ج) جمل (اونٹ) کی تصویر ہے۔ اونٹ والا سامنے بیٹھا ہے۔

(ش) شجر یعنی پیڑ کی تصویر ہے اور اوپر تین چڑیاں اُڑ رہی ہیں۔

مرئی اشیاء کی تصویر کھینچنا نسبتاً آسان ہے۔ لیکن یہ بھی اگر مکمل تصاویر ہوں تو ان کا بنانا ہر شخص کے لئے دشوار ہو جائے اور ایک ایک تصویر کے لئے بہت کافی وقت صرف ہو۔ اس لئے لسانیات کے ماہرین نے ان تصاویر کو اس قدر مختصر اور سادہ کر دیا کہ اُن کا بنانا آسان ہو گیا۔ غیر مرئی اشیاء جن کا ہم صرف خیال کر سکتے ہیں ان کی کوئی شکل یا جسم نہیں ہے۔ ان کی تصویر بنانا ناممکن تھا۔ مگر ماہرین لسان نے اُس کو اس طرح حل کیا کہ اُن کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ علامتیں بنالیں۔ اور جوں جوں نئے خیالات پیدا ہوتے رہے اُن کو ظاہر کرنے کے لئے تحریری علامات بھی تیار ہوتی رہیں۔ اور اب بھی یہ عمل جاری ہے۔

چینی رسم الخط

ہمارے حروف ہجا بھی مقررہ نشانات ہیں اور یہ بھی غیر مرئی شے یعنی اصوات کی تصاویر ہیں۔ جن کو جمہور نے مقرر کر لیا ہے۔ شاید اس سے خیال ہو کہ بس چینی زبان کے نشانات تحریری بھی ہماری زبان کی طرح حروف ہیں۔ فرق محض تعداد کا رہ جاتا ہے۔ مگر نہیں۔ ہمارے حروف بذات خود بے معنی ہیں۔ اور الفاظ جب ان مفردات سے ترکیب پاتے ہیں تو اُس وقت ایک مفہوم کو پیش کر سکتے ہیں چینی زبان میں ہر نشان ایک مکمل مفہوم پیش کرتا ہے۔ اور اس نشان کی تحلیل نہیں ہو سکتی۔

اب میں مثالوں سے اس امر کی مزید وضاحت کرتا ہوں۔ چینی زبان کی طرح ہماری زبان میں بھی چند خیالی تصاویر (Ideograph) موجود ہیں۔ جو اپنا مفہوم پورا ادا کر سکتی ہیں

مگران کی تحلیل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ریاضی کی علامات کو لیجیے۔

(+) جمع (-) نفی (×) ضرب (÷) تقسیم (=) مساوی ہے (≡) متوازی ہے۔ (∆) مثلث (۱) ایک (۲) دو (۳) تین (۴) چار وغیرہ وغیرہ تمام اسی قبیل سے ہیں۔ جب ہم ان علامتوں کو دیکھتے ہیں فوراً ان کا مفہوم ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کی تحلیل نہیں ہو سکتی۔

(÷) اس علامت میں علیحدہ علیحدہ دونوں نقطے اور تیسری لکیر کچھ نہیں ظاہر کرتے برخلاف اس کے اگر لفظ تقسیم کی تحلیل کریں تو اس کے اجزا ت ق س ی م ہوں گے جو علیحدہ علیحدہ مفرد اصوات کے مقررہ نشان ہیں۔ ہر نشان ایک بے معنی آواز کو ظاہر کرتا ہے اور کل مرکب ایک مفہوم کو۔

چینی علاماتِ الفاظ میں ایک ترکیب ہوتی ہے

چینی علماء نے ان علامتوں کے بنانے میں بھی کچھ نہ کچھ ترتیب و تنظیم سے کام لیا ہے۔ جس سے ان کے سیکھنے اور یاد رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مثلاً 木 پیڑ کو ظاہر کرتا ہے۔ 木木 جنگل کو اور 木木木 بڑے جنگل کو۔ جس طرح علامت ÷ تقسیم بانٹ (Divided by) یا دیگر مترادفات کو ظاہر کر سکتا ہے۔ اسی طرح ہر چینی علامت سے ہم نہ صرف اس کا چینی تلفظ مراد لے سکتے ہیں بلکہ اگر چاہیں تو اس مفہوم کے مترادف کسی غیر زبان کا لفظ بھی بآسانی اس سے پڑھ سکتے ہیں۔

چینی علاماتِ الفاظ اختیار کرنے کا طریقہ

چنانچہ جاپانیوں نے اپنی زبان کی تحریر کے لیے یہی چینی علامات اختیار کر لیں۔ یہ نہایت آسان بات تھی کیونکہ چینی ایک علامت کو اپنی زبان میں کچھ ہی پڑھیں جاپانی اُس علامت سے اُس کے چینی مفہوم کا جاپانی مترادف مراد لیں گے۔ گویا جس طرح 木 یہ علامت بنا کر ہم اس کو درخت پڑھیں۔ مگر جاپانی زبان میں چینی الفاظ مع اپنے اصلی

تلفظ کے بھی بکثرت شامل ہو گئے ہیں۔ اور اپنی تحریری علامت اپنے ساتھ لائے ہیں۔ لہٰذا اکثر ان تحریری علامات کے دو یا دو سے زیادہ تلفظ ہوتے ہیں جن میں سے ایک چینی ہوتا ہے اور باقی جاپانی۔ تلفظ خواہ کتنے ہی ہوں۔ جب تک معنی ایک ہیں علامت بھی ایک ہی رہے گی مثلاً آدمی کے لئے جاپانی لفظ ہیتو ہے اور چینی لفظ جن ہے۔ مگر تحریری علامت دونوں کے لئے یکساں ہے 人 اسی طرح "بڑے" کے لئے چینی لفظ دائی اور جاپانی اوکی ہے مگر علامت دونوں کے لئے 大 یوں ہے۔

دونوں زبانوں کے متعلق ایک قابل لحاظ بات

جن علامات کے چینی تلفظ جاپانی زبان میں مروج ہیں اُن کے متعلق یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ لب و لہجہ و مخارج کے اختلاف کی وجہ سے یہ بالکل اپنے اصل سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ انگریزی کے سینکڑوں الفاظ اُردو میں مستعمل ہیں۔ مثلاً بوتل، بٹن، بسکٹ، پتلون، بکس، وغیرہ۔ کہ جب ہم ان انگریزی الفاظ کو اپنے حروف میں لکھتے ہیں تو ایک انگریز جو اُردو نہ جانتا ہو ان کا مفہوم ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ حالانکہ الفاظ انگریزی ہی زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جاپانی زبان میں چینی الفاظ مع اپنے اصلی تلفظ کے (باختلاف لب و لہجہ) موجود ہوتے ہوئے چینی لوگ جاپانی زبان کا مفہوم ذرا بھی نہیں سمجھ سکتے۔ مگر رسم الخط کی یکسانیت کے باعث تحریر کا مطلب سمجھ لیتے ہیں۔ توکیو اسکول آف فورن لنگویجز میں جو چینی پروفیسر صاحب ہیں۔ بارہ تیرہ سال سے جاپان میں مقیم ہیں مگر نہ جاپانی بول سکتے ہیں اور نہ گفتگو سمجھ سکتے ہیں۔ ہاں جاپانی اخبار ہر روز پڑھتے ہیں۔ جب پہلی بار مجھے اس کا علم ہوا تو بڑی حیرت ہوئی۔

چینی اور جاپانی تلفظ کا امتیاز کس طرح ہوتا ہے

اگرچہ تلفظ کے متعلق جاپانی زبان میں کوئی کلّیہ قاعدہ

مقرر نہیں ہے لیکن بالعموم جاپانی اور چینی تلفظ میں امتیاز اس طرح ہوتا ہے کہ جب ایک علامت مفرد ہوتی ہے تو اکثر اس کا تلفظ جاپانی ہوتا ہے۔ اور جب مرکب ہوتی ہی تو چینی مثلاً جب 人 یہ علامت مفرد آتی ہے تو ہیتو بمعنی آدمی پڑھی جاتی ہے۔ مگر ایک لفظ ہے "جن رکشا،، (جن) کے معنی آدمی (رکی) کے معنی طاقت (شا) کے معنی گاڑی۔ کل مرکب کے معنی **آدمی کی طاقت سے چلنے والی گاڑی**۔ اس مرکب میں جن کے لئے وہی علامت 人 لکھی جائے گی۔ مگر چونکہ مرکب لفظ ہے اس کو ہیتو رکشا نہیں پڑھیں گے۔ جن رکشا کہیں گے۔

جاپانی حروف تہجی

چونکہ چینی زبان میں اشتقاق ہوتا ہی نہیں اس لئے علامات اشتقاق بھی نہیں ہیں۔ برخلاف اس کے جاپانی زبان میں اشتقاق ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت پیش آئی کہ علامات اشتقاق کے لئے کوئی ذریعہ اظہار ہو اور چونکہ علامات اشتقاق بذات خود بے معنی آوازیں ہوتی ہیں اسلئے اس کو علامات صوتی ہی سے ظاہر کرسکتے ہیں۔ پس حروف ہجا کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ اس غرض کی لئے چینی زبان کی علامات ہی میں ترمیم و تنسیخ کرکے تہتّر حروف تیار ہوگئے۔ اور ہر حرف کو دو مختلف قسم کی علامتوں سے ظاہر کرنے لگے۔ ان میں سے ایک گویا خط نستعلیق ہے اور دوسرا خط شکست۔

خط نستعلیق کو کتا کانا اور خط شکست کو ہیرا کانا کہتے ہیں۔ اور چینی علامات تحریری (Ideographs) کو کانجی کہتے ہیں۔ غیر ملکی ناموں اور تار برقی کے لئے تمام تحریر ہمیشہ کتا کانا میں لکھی جاتی ہے۔ باقی تحریرات کانجی اور ہیرا کانا میں۔ کتا کانا یا ہیرا کانا میں کل تہتّر علامات ہیں۔ یہ علامات دراصل حروف مفردہ کو ظاہر نہیں کرتیں بلکہ جس طرح سنسکرت میں क "کا،، ایک حرف ثابت اور اس کے ساتھ ایک حرکت کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح جاپانی کانا میں بھی کل چودہ حروف کی آوازوں میں سے

ہر ایک کے ساتھ پانچ پانچ حرکتیں آ۔ اِی۔ اُو۔ (جیسے تو ہیں) اِئے۔ اَو (جیسے دو ہیں) شامل کر کے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ علامتیں بنائی گئی ہیں۔ اس طرح یہ کل ستر علامتیں ہوئیں۔ پانچ علامتیں بالکل علیحدہ مذکورہ بالا پانچ حروف علت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور ایک علامت نون غنہ کو ان چھ علامتوں کو ملا کر چہتر علامتیں ہوتی ہیں۔ مگر ان میں سے تین علامتیں دو دفعہ دہرائی گئی ہیں۔ اس لئے ان کو خارج کر کے تہتر علامتیں رہ جاتی ہیں۔ چودہ حروف ثابت یہ ہیں۔ ک گ س ز ت د ن ہ۔ ب پ م ی ر و ان میں سے بھی گ ز د ب پ اصلی نہیں ہیں۔ بلکہ ک پر تنوین کی سی علامت بنانے سے گ ہو جاتا ہے اور اسی قسم کے نشان سے س ز بن جاتا ہے۔ ت د میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور ہ ب میں بدل جاتی ہے اور ہ پر ایک گول نقطہ لگانے سے پ بن جاتی ہے۔

جاپانی زبان میں بجز نون غنہ کے اور کوئی ساکن حرف نہیں ہے۔ اس سے دو نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اولاً یہ کہ جاپانی ساکن حرف کا تصور نہیں کر سکتے۔ اگر کسی ہندوستانی سے کہا جائے کہ "پاجامے" کو الٹا پڑھو تو وہ "یما جاپ" پڑھیگا۔ لیکن اگر یہی درخواست ایک جاپانی سے کی جائے تو وہ "مے جاپا" کہے گا۔ کیونکہ اپنی زبان میں وہ اس لفظ کی انتہائی تحلیل پا۔ جا۔ مے کر سکتا ہے۔ حالانکہ ہم اس لفظ کی تحلیل پ ا ج ا م ے کرتے ہیں۔ چنانچہ غیر ملکی زبان کے الفاظ بولتے ہوئے بھی یہ لوگ ساکن حرف کو متحرک کر دیتے ہیں۔

جاپانی زبان کی روانی کی خاص وجہ

یہی وجہ ہے کہ دوسری زبانوں میں تو سکون کے باعث جھٹکے سے لگتے ہیں مگر یہ بات جاپانی میں نہیں ہے۔ جب جاپانی بولی جاتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی دھار ہے جو مسلسل بہتی چلی جاتی ہے۔ یہی وجہ زبان میں ایک قسم کی موسیقیت پیدا کر دیتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ غیر ملکیوں کے لئے بھی اس زبان کو ادا کرنا شاید دنیا کی

تمام زبانوں سے زیادہ آسان ہے۔

جاپانی میں مخلوط اور ثقیل الفاظ نہیں

جاپانی زبان کی ثابت اصوات کو دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اُردو کے مخلوط حروف بھ چھ ٹھ وغیرہ اور ثقیل حروف ٹ ڈ ڑ اور ل موجود نہیں ہیں۔ باقی تمام اصوات ہیں۔

جاپانی طرز تحریر

جاپانی زبان کی تحریر کے متعلق آخری مگر سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ سطر میں الفاظ اوپر سے نیچے کی طرف لکھے جاتے ہیں اور ہر صفحہ پر سطریں داہنی طرف سے شروع کر کے بائیں جانب ختم ہوتی ہیں۔ اور ہر کتاب میں صفحات داہنی طرف سے شروع ہو کر بائیں طرف کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

جاپانی زبان کی چند خصوصیات

آخر میں تحریر کے علاوہ چند اور خصوصیات اس زبان کی دکھانا چاہتا ہوں۔

(۱) جملہ میں ترتیب الفاظ بالکل وہی ہے جو اُردو میں ہے یعنی اوّل فاعل اور اس کے متعلقات، پھر مفعول اور دیگر متعلقات فعل، اور سب سے آخر میں فعل۔

(۲) جاپانی زبان میں حالت فاعلی۔ مفعولی۔ اضافی وغیرہ کو ظاہر کرنے کے لئے جو علامات مقرر ہیں وہ اس طرح اسم کے بعد آتی ہیں جیسے اُردو میں۔

(۳) اُردو ہی کی طرح جاپانی زبان میں بھی مجرور کے بعد حرف جار آتا ہے۔

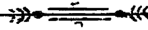
(۴) اُردو میں بھی ضمیر کا استعمال کم ہوتا ہے۔ بالخصوص حالت فاعلی میں۔ یہی کیفیت جاپانی زبان میں ہے۔

(۵) اُردو میں اکثر اسمائے ذات اسم ضمیر کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً اعلیٰحضرت، آنجناب، آنعزیز، احقر، فدوی، مابدولت وغیرہ، جاپانی زبان میں درحقیقت تمام

ضمیریں اسی قسم کے ہیں۔

(٦) جاپانی زبان میں صفت کو اسم سے کوئی علاقہ نہیں۔ وہ فعل کی ایک قسم ہے اور فعل ہی کی طرح تمام صیغوں میں مشتق ہوتا ہے۔

(٧) سب سے آخری مگر سب سے زیادہ اہم خصوصیت یہ ہے کہ باوجود زندگی کے ہر شعبہ میں مغربی تہذیب کا اثر نمایاں ہونے کے ہنوز اسالیب بیان خالص مشرقی ہیں۔



۸۔ ادبیات جاپان پر ایک نظر

جاپان کا معلّم اوّل

چھٹی صدی عیسوی میں بدھ مت چین اور کوریا سے ہوتا ہوا جاپان پہنچا۔ اور بہت جلد تمام ملک پر چھا گیا۔ اس سے پہلے جاپانیوں کا نہ تو کوئی رسم الخط تھا اور نہ لٹریچر۔ بدھ مت نے اس قوم کی ذہنی و دماغی نشوونما کی بنیاد رکھی۔ مدارس۔ دار العلوم اور شفا خانے کھولے۔ علوم وفنون سکھائے۔ فلسفہ وحکمت۔ آئین سیاست وحکومت۔ شاعری وڈرامے کی داغ بیل ڈالی۔ یہ ہے جاپانی لٹریچر کی ابتدا۔

ابتدائی دور کا مہتم بالشان کارنامہ "تاریخ عہد عتیق" موسومہ "کوجی کی" ہے۔ جو ۷۱۲ء میں تمام ہوئی۔ یہ کتاب بدھ مت کے علماء نے جاپانی زبان مگر چینی رسم الخط میں لکھی تھی۔ یہ کام بجائے خود ایک حیرت انگیز جدت تھی اور اسی قدر دشوار۔ جیسے کوئی شخص کالیداس کے ڈراموں کو قدیم کلدانی یا مصری رسم الخط میں تحریر کرے۔

آٹھ برس کے بعد یعنی ۷۲۰ء میں دوسری تاریخ موسوم "نہانگی" مرتب ہوئی اس میں چینی زبان کا اثر زیادہ غالب نظر آتا ہے۔

اسی دور کی یادگار ایک بہت بڑا مجموعۂ اشعار ہے جو "مانیوشیو" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں اس دور کے مشہور شعرا کی چار ہزار نظمیں جمع کی گئی ہیں۔ ان میں سے بیشتر چھوٹی نظمیں درج ہیں جو "۳۱" اجزائے صوتی پر مشتمل ہیں اور "سدکا" کہلاتی ہیں۔ مگر طویل منظومات بھی جو "ناگا اوتا" کہلاتی ہیں، اس مجموعہ میں موجود ہیں۔ یہ دونوں اصناف شعر آج بھی رائج ہیں۔ پہلی قسم رباعی سے اور دوسری مثنوی سے ملتی جلتی ہے۔

سلہ جاپانی شعر میں وزن وقافیہ مشروط نہیں ہوتا۔

حروف ابجد کا موجد

اس زمانے میں بدھ مت کے اصول و تعلیم پر بہت وسیع لٹریچر تیار ہوا۔ آٹھویں صدی کے اوائل میں "کوبو دایا شی" نامی ایک فاضل نے جاپانی حروف ابجد کی ایجاد کی۔

ہیان کا عہد

عہد ہیان (۷۹۴ء تا ۱۱۵۹ء) جاپانی ادبیات میں کلاسیکل لٹریچر کا زمانہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس دور میں بیشتر مصنفین عورتیں ہوئی ہیں اس زمانہ کی یادگار حسب ذیل چار کتابیں جاپانی "کلاسکس" میں بالاتفاق نہایت بلند پایہ تسلیم کی جاتی ہیں۔

(۱) "گوکنشو" مجموعہ اشعار ہے۔ یوں تو اس میں بہت سے شعراء کا کلام درج ہے مگر ان میں سے چار کو قبولیت عام حاصل ہے۔ یوکی ہیرا۔ ناری ہیرا۔ سوزا یوکی۔ انو نوکو ماچی۔ مؤخر الذکر نہایت مشہور شاعرہ گذری ہے۔ جس کے اشعار درد و گداز سے لبریز ہیں۔

(۲) "توزہ نکی" اس کتاب کے مصنف "سورا یوکی" نے روزنامچہ کی شکل میں شہر "توزہ" سے "کیوتو" تک کے حالات بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب خالص جاپانی زبان کا لاثانی نمونہ ہے۔

(۳) "مکورہ نوسوشی" (عالم خواب میں) یہ نثر کی کتاب مشہور ادیبہ "سیئی شناگوں" کی تصنیف ہے جس میں اس نے اپنے تخیلات کی سحر کاریاں اور جذبات کی نادرہ کار بے نقاب تصاویر پیش کی ہیں۔ اپنی نوع کی تصانیف میں آج تک اس کا جواب نہیں ہو سکا۔

(۴) "گین جی مونوگتاری" اس لاجواب ناول کی مصنفہ "مورا ساکی نوشیکی بو" ہے جس کا درجہ حقیقت نگاروں کی صف اولین میں ہے۔ ایسٹین صاحب اپنی کتاب ہسٹری آف جاپانیز لٹریچر" میں اس کو انگریزی کے مسلم الثبوت حقیقت نگاروں فیلڈنگ اور رچرڈسن کے برابر مانتے ہیں۔

سولھویں صدی تک کی تصنیفات

سنہ ۱۵۹۰ء سے سنہ ۱۶۰۳ء تک ملک میں بدامنی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ اس لئے اس زمانے میں کوئی قابل ذکر کتاب تو تصنیف نہیں ہوئی۔ لیکن اس عہد کے دلچسپ حالات اور رومانی واقعات پر زمانۂ مابعد میں بکثرت کتابیں تصنیف ہوئیں۔
جاپان کا "رابن ہڈ" "مسمی بینکیئی" اسی عہد میں گزرا ہے۔
(لانگفرڈ صاحب نے اپنی کتاب "سٹوری آف اولڈ جاپان" میں اس عہد کے دلچسپ حالات خوب بیان کئے ہیں)
اس ہنگامہ خیز زمانہ کے اختتام پر یعنی سولھویں صدی کے اواخر میں تین قابل ذکر کتابیں تصنیف ہوئیں۔
(۱) چیکافوسہ نامی ایک مدبر نے شاہنشاہان جاپان کی تاریخ وراثت لکھی۔
(۲) "تاریخ امن" اس پُرآشوب زمانہ کی تاریخ کا نام ہے۔
(۳) اس عہد کی سب سے زیادہ مشہور کتاب "سورے زورے گوسہ" (جگالی) ہے۔ یہ گویا جاپانی زبان کی گلستان ہے۔ جو اپنی دلچسپ حکایات وروایات پند ونصائح اور خیالی مضامین سے ہر صغیر وکبیر کا دل بہلاتی ہے۔

قدیم لٹریچر کا آخری دور

جاپان قدیم کا آخری دور عہد "توگوگاوا" ہے۔ (سنہ ۱۶۰۳ء سے سنہ ۱۸۶۸ء تک) یہ وہ زمانہ ہے کہ جاپان ازمنہ وسطےٰ کی خونریز خانہ جنگیوں اور عام بدامنی سے نجات پاکر ڈھائی سو برس تک امن وامان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ ملک کی متحد اور مضبوط مرکزی حکومت علوم وفنون کی قدردانی کرتی ہے۔ اس زمانے میں قدیم علوم کو پھر زندہ کیا گیا۔ اور چینی تہذیب کے ماتحت تمام علوم جاپان میں اپنے منتہائے کمال کو پہنچے۔ یا یوں کہئے کہ جاپان قدیم کی عظمت اپنے معراج پر پہنچ گئی۔ اور اسی پر جاپان جدید کا سر بفلک قصر تعمیر ہوا۔

اس زمانہ کے لٹریچر کو بیان کرنے کے لئے کئی سو صفحات درکار ہیں۔ لیکن چند ایسے مصنفین کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو قبولیت عام نے بقائے دوام بخشی ہے۔

(۱) **"کائے بارہ"** کثیر التصانیف فاضل ہو۔ جس کی کتابیں اس کے فضل و کمال کی شاہد ہیں۔ ان کتابوں میں سے بیشتر عورتوں کے فائدے کے لئے لکھی گئی ہیں۔

(۲) **باشو**۔ اس زمانہ کا مشہور ترین شاعر ہے۔ جو ایک نئی صنف شعر کا موجد ہوا ہے۔ اس میں تین مصرعے ہوتے ہیں۔ اوّل میں پانچ اجزائے صوتی۔ دوسرے میں سات اور تیسرے میں پانچ ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں اس صنف کو بڑی شہرت اور قبولیت نصیب ہوئی۔

(۳) **چیکا متسو** جاپانی زبان کا **شکسپیر یا کالی داس** ہے۔ اس کی تصنیف کردہ ڈراموں میں سے مشہور ترین وہ ہے جس میں ایک چینی بحری ڈاکو مسمّے کا سنگا ہیرو ہے۔

(۴) **آرائی ہاکوسکی**۔ چینی علوم کا فاضل اور روشن دماغ مدبر تھا جس نے حکومت میں مفید اصلاحات کیں۔ اس کی تصانیف میں وہ کتاب سب سے زیادہ دلچسپ ہے جس میں اُس نے مغربی تہذیب اور عیسائی مذہب پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ سیدائے نامی ایک عیسائی پادری اُس زمانہ میں چھُپ کر جاپان آیا جب کہ غیر ملکیوں کو جاپان میں داخل ہونے کی قانوناً اجازت نہ تھی۔ یہ شخص گرفتار ہو کر وزیر کے سامنے پیش ہوا۔ وزیر نے اس سے مغربی تہذیب و تمدن اور عیسائیت کے متعلق سوالات کئے۔ اور پھر اپنی رائے کا اضافہ کر کے ایک کتاب اس کے متعلق شائع کی۔

(۵) **"یوشی مونے"** "شوگن ہشتم (۱۷۱۶ء سے ۱۷۴۵ء تک) خود چینی زبان کا فاضل اور فن نجوم و ہیئت کا ماہر تھا۔ اُس نے اس فن پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اور کئی آلاتِ رسد کا موجد بھی ہے۔ سترھویں صدی میں چینی علوم و فنون کا اس درجہ

زور ہوا کہ خالص جاپانی لٹریچر کو زبردست نقصان پہنچا۔ مگر اٹھارویں صدی شروع ہوتے ہی ردِ عمل ظہور پذیر ہوا اور جاپانی زبان کو دوبارہ زندہ کرنے میں جن تین اشخاص نے یکے بعد دیگرے کوششیں کیں اُن کے نام نامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) بالوچی (سنہ ۱۶۹۷ء سے سنہ ۱۷۶۹ء تک) (۲) موتوری (سنہ ۱۷۳۰ء سے سنہ ۱۸۰۱ء تک) (۳) ہیراتا (سنہ ۱۷۷۶ء سے سنہ ۱۸۲۳ء تک) ان کی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ چینی زبان، لٹریچر، اور فلسفے نے جو امتیازی مقام غصب کر لیا تھا وہ پھر اصلی حقدار یعنی جاپانی زبان و لٹریچر کو واپس دلایا جائے۔ ان کی کوششیں مشکور ہوئیں۔

اسی زمانے میں جاپان کی دو مشہور تاریخیں دائی نیہان شی (تاریخ جاپانی عظمیٰ) اور نیہان گائشی لکھی گئیں۔ اِن دونوں میں قومیت اور شہنشاہیت کو دوبارہ زندہ کرنیکی تلقین بڑے شد و مد سے کی گئی۔ نصف صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ ان کی تعلیم رنگ لائی۔

اس دور کے آخری زمانے میں جاپانی زبان میں رومانی فسانہ نگاری ایک ممتاز درجہ پر پہنچ گئی۔ رومانی فسانہ نگاروں میں سب سے پہلا مشہور فسانہ نویس "کیودین" ہے (سنہ ۱۷۶۱ء سے سنہ ۱۸۱۶ء تک) اُس کا شاہکار "انازومہ ہیوشی" ہے۔

جاپانی نقادانِ فن کی رائے ہے کہ اس دور کے مصنفین میں سب سے زیادہ شہرت باکین کو حاصل ہوئی۔ جس کو جاپان کا "اسکاٹ" کہتے ہیں۔ اس کا سب سے زیادہ مشہور ناول بلکہ جاپانی زبان کا سب سے مشہور فسانہ اسی کی تصنیف "باکین دین" ہے۔ جو تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آٹھ کتوں کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بجائے ناول کے اس کو رزمیہ نظم کہنا زیادہ صحیح ہے۔

اس زمانہ کا ایک اور مشہور فسانہ نویس "ایکو" جس کا شاہکار "ہیزاکوری گگے" ہے۔ یہ ایک مزاحیہ افسانہ ہے جس میں قابل مصنف نے اپنے زمانے کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ دی ہے۔

اس دور پر قدیم لٹریچر کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جدید لٹریچر کی تخم ریزی بھی شروع ہو گئی۔ قدیم لٹریچر اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ خالص مشرقی لٹریچر ہے۔ اگرچہ اس کی بنیاد چینی زبان و تمدن پر قائم ہوئی تھی۔ لیکن اپنے خدوخال میں یہ ایشیا کی تمام دیگر اقوام کے لٹریچر سے مماثل و مشابہ تھا۔

جدید لٹریچر پانچ دوروں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے

دور اول ۱۸۶۸ء سے شروع ہو کر ۱۸۸۷ء پر ختم ہوتا ہے

یہ وہ زمانہ ہے کہ ایک طرف توقائدان توکوگاوا کی حکومت کا خاتمہ ہو کر شہنشاہیت کی تجدید ہوئی۔ دوسری طرف ڈھائی سو سال کی گوشہ نشین قوم نے قدم باہر نکال کر مغربی تہذیب و تمدن کی روشنی دیکھی تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ جذبۂ حب الوطنی نے قوم کو یہ راستہ دکھایا کہ آزادی و حریت کا حصول صرف اسی طرح ممکن ہے کہ مغربی علوم و فنون کی تحصیل اور آئین سیاست و ملک رانی کا مطالعہ کیا جائے۔ اس لئے اس زمانہ میں تمام قوم کی توجہ مغربی علوم کی روشنی میں سیاست وصنعت و تجارت کی تعمیر و تجدید میں مصروف رہی۔ قدیم مشرقی تہذیب نظروں سے گر گئی مغرب کی ہر چیز کی پرستش ہونے لگی۔ قدیم جاپانی لٹریچر کو لوگوں نے پس پشت ڈال کر مغربی لٹریچر سے شوق شروع کیا، اور بکثرت کتابوں کے ترجمے السنہ مغربی سے جاپانی میں ہونے لگے۔ اس دور کے نصف اول میں انگریزی لٹریچر زیادہ ہر دلعزیز رہا۔ مگر نصف آخر میں فرانسیسی۔ جرمن اور روسی لٹریچر نے زیادہ فروغ پایا۔

اس دور کے مصنفین میں تین اشخاص قابل ذکر ہیں

(۱) فوکوزاوا جو کیو یونیورسٹی کے بانی بھی ہیں

اپنے تصانیف اور مضامین میں اس اصول کی حمایت کرتے ہیں کہ انسان کو ہر کام دنیاوی اغراض کے لئے کرنا چاہیئے۔

(۲) **ٹی جیمہ۔ دوشیشہ** یونیورسٹی کے بانی ہیں۔ انھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ ملک میں عیسائی مذہب کے اصول وعقائد کو ترویج دی۔

(۳) **سیونجی** شہزادے ہیں۔ آج کل اُن کا عہدہ جنرل ہے (یعنی اُن کو کابینہ وزارت کے توڑنے کا اختیار ہے، اور اس کا قیام بھی بغیر ان کی اجازت ممکن نہیں) انھوں نے فرانسیسی فلسفہ کی اشاعت میں زبردست حصہ لیا۔ اسی دور میں **فوکوزاوا** اور **ناکامورہ** کی کوششوں سے جاپانی زبان میں مفید اصلاحات ہوئیں۔ قدیم ادق اور مرصع طرز تحریر کو چھوڑ کر آسان اور پر زور طرز تحریر کو ملک نے اختیار کر لیا۔

دوسرا دور ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۴ء تک

۱۸۸۵ء میں ملک کے مشہور ادیب **شویو** نے ایک انقلابی مضمون بعنوان "خصوصیاتِ فسانہ نگاری" لکھا انھوں نے بغائر نظر شکسپئر کا مطالعہ کیا تھا۔ اس مضمون میں ناول کے حدود بیان کرکے اس نئی صنف تحریر پر طبع آزمائی کرنے والوں کی سہولت کے لئے افسانہ نویسی کے اصول صاف صاف لکھدیئے۔ قدیم اخلاقی افسانوں پر تنقید کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ فسانہ نگار کو چاہیئے کہ انسانی زندگی کی سچی تصویر پیش کرے۔

اس تصنیف کے فوراً ہی بعد انھوں نے اپنا ایک ناول "معاصرین" کے نام سے شائع کیا۔ اس ناول نے اس زمانے کے ادیبوں میں ایک طوفان برپا کر دیا اور نو مشقوں کی آنکھیں کھولدیں۔ اس طرح گویا اس سال سے نئے دور کی ابتدا ہوئی۔

اس سال مصنفین کی ایک سوسائٹی قائم ہوئی جو کین یوشا (انجمن معاصرین) کے

نام سے مشہور ہے اس کے بانی اور صدر ایک اور شہرۂ آفاق ادیب و فسانہ نگار کویو نامی تھے۔ اس انجمن کے اراکین اس دہ سالہ دور کے ادبا میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ان کی کوششوں نے جاپانی لٹریچر میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

کویو کا مقبول عام ناول "دو عاشق مزاج ننوں کا اعتراف گناہ" ۱۸۸۹ء میں شائع ہوا۔ اس نے اپنے مصنف کی شہرت کو مسلم الثبوت منوالیا۔ اس کے بعد انہوں نے متعدد فسانے لکھے جو سب ملک میں مقبول ہوئے۔ جاپانی لٹریچر پر اُن کے تین احسانات ہیں

اوّل انہوں نے ایک انجمن قائم کرکے نومشق ادیبوں کی ساز و پرداخت کی۔

ثانیاً۔ انھوں نے فسانہ نویسی میں جو کامیابی حاصل کی وہ آئندہ فسانہ نگاروں کے لئے شمع راہ بنگئی۔

ثالثاً۔ اُنھوں نے ایک ایسی طرز تحریر کی بنیاد رکھی۔ جو دلچسپ بھی تھی اور فصیح و بلیغ بھی۔ اس طرز کی تقلید آج تک نہ صرف افسانوں میں بلکہ دیگر اصناف سخن میں بھی ہوتی ہے۔

نقادان فن نے ان کی تصانیف کی سب سے بڑی کمزوری یہ بتائی ہے، کہ یہ اور ان کے پیرو سب زبان کی صفائی اور فصاحت کے پیچھے اس قدر پڑے کہ معنی کی خوبیوں کو بھول گئے۔ ان کی کتابیں گویا الفاظ کا ایک طلسم ہے۔ اگر اس پردہ کو ہٹا دیا جائے تو اس کے پیچھے کچھ نہیں۔

کویو اور اس کے مقلدین کے بالکل مخالف ایک دوسرا نامور ادیب رُحان نامی ہوا ہے۔ اس کا مشہور ترین شاہکار "پگوڈا" ہے۔ جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا، روحان نے الفاظ کو صرف اظہار معنی کا ذریعہ سمجھ کر معنی کو اس پر ترجیح دی اس کی کامیابی کا راز تخیل کی بلند پروازیاں ہیں۔ اس نے اپنی تصانیف کی بنیاد بدھ مت کے فلسفہ کو قرار دیا۔ اس کا انداز بیان شاعرانہ ہے۔ اُس نے اپنے شاہکار پگوڈا میں

بیان کیا ہے کہ ایک انجنیر نے اپنے معاصرین کی شدید مخالفت کے باوجود نئے اصولوں پر ایک عالیشان مندر بنانا شروع کیا۔ جس روز وہ تعمیر تکمیل کو پہنچی۔ ایک زبردست طوفان اٹھا اور آندھی نے نئی عمارت کے ساتھ خوب خوب زور آزمائی کی۔ طوفان کی شدت، انجنیر کا اس عمارت کی چوٹی پر اس ارادے سے کھڑے رہنا کہ اگر قسمت اس کی زندگی کے کارنامے کو مٹانے میں کامیاب ہو جائے تو خود بھی اسی میں دفن ہو جائے۔ اور بالآخر اس صناع کی کامیابی۔ یہ امور کچھ اس انداز سے مصنف نے بیان کئے ہیں کہ جب تک دنیا میں جاپانی لٹریچر باقی ہے اُس کا نام مٹنے والا نہیں۔ مگر **روحان** بھی اپنے زمانہ کی کمزوریوں سے آزاد نہ تھا۔ اسکی کردار نگاری نہایت ہی کمزور اور پست درجہ کی ہے اس کے کردار چونکہ بجائے مشاہدہ کے تخیل کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے انفرادی خصوصیات سے معرا ہیں۔ علاوہ بریں وہ ایک ہی راگ الاپنا جانتا تھا۔ اس کی کتابوں کا نفس مضمون زمانے کی ہوا کے ساتھ جلد از جلد نہ بدل سکتا تھا۔ اس لئے جلد ہی اس کے ادبی کارناموں کا خاتمہ ہو گیا۔

مندرجہ بالا افسانہ نویسوں کے علاوہ مذکورہ بالا ادیب **شویو** اور اس کے حریف **اگائی** کی کوششوں نے جاپانی لٹریچر کو بلندی کی بہت اونچی حد تک پہنچا دیا یہ دونوں حریف اپنے خیالات مزاج اور تعلیم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ **شویو** انگریزی لٹریچر کا دلدادہ اور شکسپئر کا پیرو تھا۔ مگر **اگائی** جرمن تہذیب کا شوقین اور "گیٹے" کا فدائی تھا۔ **شویو** کی تحریر کی خصوصیت اعتدال اور ہمواری تھی۔ اور وہ اپنے دلائل کی بنیاد واقعات پر قائم کرتا تھا۔ مگر **اگائی** خیالی دنیا میں زندگی بسر کرتا تھا۔ **شویو** دنیا کے واقعات سے اپنے اصول اخذ کرتا تھا۔ مگر **اگائی** دنیا کو اپنے قائم کردہ اصولوں پر چلانا چاہتا تھا۔ اس اصولی اختلاف کے باوجود وہ دونوں اپنے اپنے فن کے استاد تھے۔ دونوں نے ملکی لٹریچر کی بیش بہا خدمات

سرانجام دیں۔ دونوں زبردست ادیب۔ قابل قدر افسانہ نویس۔ مستند زبان داں، بے خوف نقاد۔ کامل ڈرامہ نگار اور نامور شاعر تھے۔

اگائی نے اولاً اپنے تین ناول ۱۸۸۹ء میں شائع کئے۔ تینوں میں وہ خود ہیرو تھا اور جرمنی میں جو طالب علمی کی زندگی اس نے گذاری تھی یہ فسانے اس زمانے کی آواز بازگشت تھے۔ اگرچہ ان تصانیف نے اس کی شہرت مسلم الثبوت کر دی لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ وہ تحریری مناظرہ خیال کیا جاتا ہے۔ جو اس نے شویو کے ساتھ کیا تھا مضمون زیر بحث "مصنف کی ذمہ داریاں" تھا۔ دونوں جانب سے بڑے بڑے پُرزور مضامین اس بحث میں شائع ہوئے۔ جنھوں نے ملک میں ادب کا صحیح ذوق پیدا کر دیا۔

۱۸۹۳ء میں شویو نے "تاریخی ڈرامہ" پر ایک دلچسپ مضمون لکھا جو نہایت مقبول ہوا۔ اس کے بعد فوراً انھوں نے اپنا ایک تاریخی ڈرامہ موسومہ "زیرہ گل" نمونتہً شائع کیا۔ اگرچہ یہ ڈرامہ عرصہ دراز تک پبلک اسٹیج پر کھیلا نہیں گیا۔ لیکن اس نے جاپان میں جدید طرز کے ڈراموں کی بنیاد رکھدی۔ اسی دور میں بکثرت انگریزی اور روسی ڈراموں کے ترجمے ہوئے۔ تاریخ پر بھی زیادہ توجہ ہوئی، اور شعرا نے بھی بدلتی ہوئی ہوا دیکھ کر اپنا رنگ بدلا۔

تیسرا دور ۱۸۹۴ء سے ۱۹۰۴ء تک

۱۸۹۴ء میں چین و جاپان کے مابین جنگ ہوئی۔ جاپان کو پہلی بار اپنی مغربی تعلیم سے فائدہ اٹھانے اور حاصل کردہ علم کی آزمائش کا موقع ملا۔ فتح نے قوم میں زندگی کے آثار پیدا کر دیئے۔ اور اپنی جنگی قوت کا احساس پہلی بار قوم کو ہوا۔ اس احساس کا اثر بالواسطہ یا بلاواسطہ زندگی کے ہر شعبہ پر پڑا۔ ادھر یکایک ملکی صنعت و حرفت و تجارت نے ملک کی مالی حالت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ اخبار و رسائل نے ترقی پائی۔ ان کی ترقی نے ادبیات کی ترقی میں مدد دی۔

اس دور کے شروع میں تاکایاما نے جرمن فلسفی نٹشے کے نظریہ "مافوق الانسان" کو ثابت کرنے کے لئے پُرزور مضامین شائع کئے۔ یہ مضامین تمام قوم کے تخیل پر چھا گئے اور قدامت پسندی و رسم و رواج کی بوسیدہ دیوار اس کے دھماکے سے زمین پر گر گئی۔ تمام نئے مصنفین اور ادیبوں کو ایک نیا مشغلہ ہاتھ آیا۔

اسی زمانے میں پہلی بار ایسے ناول لکھے گئے جن سے سوسائٹی کی اصلاح منظور تھی اس سلسلہ کو شروع کرنے والی ایک خاتون تھی جس کا تخلص یا ادبی لقب ایچی یو (ہیتی) تھا

بیس سال کی عمر میں اس نے اپنا پہلا ناول "تاکے کرابے" ۱۸۹۵ء میں شائع کیا۔ اگرچہ فصاحت و بلاغت اور دیگر آرٹسٹک، خوبیوں اور ادبی محاسن سے یہ قطعاً خالی تھا۔ مگر چونکہ ادیبہ نے اپنی پُر مصائب زندگی سے پردہ اٹھایا تھا۔ اور خون دل لفظوں میں بہ نکلا تھا اس لئے ایک ایک فقرہ جادو کا اثر رکھتا ہے۔ اس نے سوسائٹی کی خود غرضی اور مردوں کے جور و ستم کے خلاف بڑے زور سے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ چنانچہ اس کا خلوص اس کی شہرت کا باعث ہوا۔ "تاکے کرابے" میں اس ادیبہ نے ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا قصّہ بیان کیا ہے۔ لڑکے کو اس کے ماں باپ نے بچپن ہی میں بدھ مت کا بھکشو بنا دیا تھا اور اس کو ایک بوڑھے بھکشو نے مندر ہی میں پالا تھا۔ لڑکی کو اس کے ماں باپ نے ایک طوائف کے ہاتھ بچپن ہی میں فروخت کر دیا تھا۔ اس لئے وہ بچّی اس مغنیہ کے گھر میں پرورش پا رہی تھی۔ یہ دونوں بچّے ایک ساتھ کھیلتے کودتے اور بڑھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ انھیں کیا معلوم کہ ان کے ماں باپ نے اُن پر کیا ظلم کیا ہے۔ جب یہ جوان ہو جاتے ہیں تو بالآخر انھیں اپنی مصیبت کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ رسم و رواج سے مغلوب ہو کر مگر اپنے دل کی آرزوؤں کا خون کرکے ایک شب وہ بھکشو لڑکا اپنے گھر سے رخصت ہوتا ہے، اور جاتے ہوئے ایک پھولوں کا گملا اپنی محبوبہ کے دروازے پر رکھ کر

ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتا ہے۔ اس جگہ پہنچ کر یکایک ناول ختم ہو جاتا ہے اور پڑھنے والا سوچتا رہ جاتا ہے کہ اس کی محبوبہ نے اپنے عاشق کی گمشدگی پر کیا کیا ہوگا۔

اچیگی یو کے دوسرے مشہور ناول "تیرھویں شب" میں بھی اسی طرح دو عاشق و معشوق کا حال بیان کیا گیا ہے۔ دونوں بچپن سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ لیکن لڑکی کا باپ لڑکی کی خواہش کے خلاف اس کو ایک امیر آدمی سے بیاہ دیتا ہے۔ لڑکے کے پاس جو سرمایہ تھا وہ اپنی آرزوؤں کا خون ہوتے دیکھ کر سب لٹا دیتا ہے۔ اور رکشا کھینچ کر پیٹ پالتا ہے۔ ایک روز جب قمری ماہ کی تیرھویں شب تھی اور چاند چمک رہا تھا یہ لڑکی اپنے پرانے عاشق کی رکشا کرایہ کرتی ہے مگر فوراً ہی دونوں ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں اور قریب تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو جائیں مگر یکایک ان کو سوسائٹی کا جابرانہ قانون یاد آتا ہے۔ اور فوراً بغیر ایک لفظ منہ سے کہے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔

اچیگی یو چار سال سے زیادہ ادب کی خدمت نہ کر سکی۔ کیونکہ ۱۸۹۶ء میں چوبیس سال کی عمر پاکر اس کی مختصر مگر پُر درد زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ آخری زمانے میں جو افسانے اس خاتون نے لکھے ہیں مایوسی سے لبریز ہیں۔

۱۸۹۶ء میں **کویو** نے ٹوکیو کے ایک اخبار **یومی یوری** میں ایک طویل افسانہ قطع وار شائع کرنا شروع کیا۔ یہ افسانہ موسومہ **تاجو ناکون** اس مصنف کا شاہکار ہے جس میں اس نے کمال خوبی کے ساتھ ایک اسکول ماسٹر کی زندگی بیان کی ہے۔ جو اپنی فوت شدہ بیوی کی یاد میں پریشان ہے۔ اس افسانہ میں کردار نگاری اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ گئی ہے۔ فطرت نگاری جو چوتھے دور کی خصوصیت ہے اسی افسانے سے شروع ہوتی ہے۔ اس کتاب کی خوبیوں نے تمام ملک میں دھوم مچا دی۔

آئندہ سال اس مصنف نے اپنی سب سے زیادہ مشہور کتاب **کنجیکی یاشا**

(شیطان کی خالہ) شائع کی۔ یہ ایک نوجوان کا قصہ ہے جو ایک عورت کے دام فریب میں گرفتار ہو کر تباہی کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ مگر حقیقت سے واقف ہو کر وہ پھر نئی زندگی شروع کرتا ہے اور انتقام لینے کے لئے دولت جمع کرتا ہے۔ اس کتاب سے اگرچہ مصنف کو شہرت عام حاصل ہوئی۔ لیکن نقادان فن کا خیال ہے کہ عوام کی شہرت حاصل کرنے کے لئے مصنف کو کمال کے زینے سے ایک سیڑھی نیچے اترنا پڑا۔ حقیقی خوبیوں کے لحاظ سے یہ افسانہ **تاجوناکون** کو نہیں پہنچتا۔ ادھر نٹشے کے فلسفہ پر پہلے تو خوب تنقید ہوئی اور پھر تخریب کے بعد تعمیری کام بھی اسی دور میں شروع ہوا۔ خود اس فلسفہ کے حامی بہت جلد اس سے اکتا گئے اور اس نے جو بےچینی دل میں پیدا کر دی تھی اس کو تسکین دینے کے لئے لوگ مذہب کی طرف جھکے۔ ان حامیوں میں سے **واکایاما** کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ انھوں نے پہلے نٹشے کی حمایت میں پُرزور مضامین لکھے تھے۔ اب بدھ مت کا مطالعہ کر کے اس کے ذریعہ نٹشے کا سر توڑ جواب دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی مشہور مصنفین نے مذہب کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ ان میں **ریوسین** مشہور ترین ہے۔

۱۸۹۷ء میں ایک مجموعۂ اشعار شائع ہوا جس نے شاعری کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ توکیو سے دو سو میل شمال کی طرف "**سنڈائی**" نام ایک شہر ہے۔ یہاں **توزونامی** ایک نوجوان مڈل اسکول میں ماسٹر تھا۔ یہ نوجوان اپنا دیوان شائع کرنے کے لئے برسوں کوشاں رہا۔ بالآخر ۴۵ روپے میں اس نے ایک پبلشر کے ہاتھ اپنا دیوان فروخت کر دیا۔ اس کا شائع ہونا تھا کہ تمام ملک سے تحسین و آفرین کا غلغلہ اٹھا۔ اس دیوان کے سینکڑوں ایڈیشن شائع ہوئے مگر شاعر کو بجز بقائے نام اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

اس سے قبل جاپانی زبان میں نظم ہمیشہ یا تو ۳۱۔ اجزائے صوتی پر مشتمل ہوتی تھی یا ۱۷ پر۔ **توزو** نے نظم کو اس قید سے آزاد کر دیا۔ اور مثنوی کی طرح لمبی لمبی نظمیں شائع کیں۔ جذبات کے خلوص تخیل کی بلند پروازی اور حسن ادا نے شہرت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔

تمام مجموعہ میں شاعر نے قدرت کی دلفریبیاں عشق و محبت کا سوز و گداز، اور انسانی عظمت کا راگ گایا ہے۔

پہلے مجموعہ کے بعد توزو نے اور کئی مجموعے جلد جلد شائع کئے جنھوں نے ملک میں شاعری کی اس نئی طرز کو پوری طرح رائج کر دیا۔

اگست ۱۹۰۱ء میں آکی کو نامی ایک بائیس سالہ خاتون نے اپنی رباعی نما چھوٹی چھوٹی نظموں کا مجموعہ شائع کیا۔ اور اس کا نام "**میدارے گامی**" (زلف پریشان) رکھا۔ اِس مجموعہ نے ادبی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اور ملک کے گوشے گوشے سے تعریف و تحسین کا آوازہ بلند ہوا۔ یہ خاتون اب بھی زندہ ہیں۔ ان کی شادی ہو چکی ہے اور اب یہ **مادام یوسانو** کے نام سے مشہور ہیں۔ (ان کے شوہر بھی شاعر ہیں) جاپان کے شعرا میں ممتاز ترین ہیں۔ تعجب ہے کہ اپنے دس بچوں کی تعلیم و تربیت و نگہداشت کے باوجود اب بھی وہ شاعری کے لئے وقت نکال لیتی ہیں۔ علاوہ بریں یہ زبردست سوشل ورکر بھی ہیں۔ اور تعلیمی معاملات میں بھی گہری دلچسپی لیتی ہیں۔

توزو کی شاعری مغربی لٹریچر کے مطالعہ اور تقلید کا نتیجہ تھی۔ مگر مادام یوسانو نے جاپان کے قدیم لٹریچر کا مطالعہ کیا اور قدیم طرز میں جدید خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے جرأت کے ساتھ قدیم رسم و رواج کے تار و پود کو توڑ پھینکا۔ ان کے خیالات سن کر قدامت پسند لوگ غم و غصہ سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں اور نئے فیشن کے لوگ مسرت سے وجد کرتے ہیں۔

اس دور کا تیسرا ممتاز شاعر **شی کی** ہے۔ اس نے طویل بیانیہ نظموں کی بنیاد ڈالی۔ جس میں فلسفیانہ خیالات سے قطع نظر کر کے صرف بیان میں تمام خوبیاں پیدا کی گئی تھیں۔ اس کے مقلد بھی بہت سے پیدا ہو گئے اور اُس کی کوششوں سے نثر میں بھی نظم کی سلاست و شیرینی پیدا ہوئی۔ اس کے اکثر مجموعے اور نظمیں ۱۸۹۸ء و ۱۸۹۹ء میں

شائع ہوئیں۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں فوت ہوا۔ اس دور میں بکثرت اعلیٰ قسم کے ڈرامے بھی لکھے اور کھیلے گئے۔

چوتھا دور سنہ ۱۹۰۴ء تا ۱۹۱۲ء

جس طرح تیسرا دور خیالی اور رومانی لٹریچر کا زمانہ تھا۔ اسی طرح چوتھے دور میں حقیقت نگاری و فطرت نگاری کا چرچا تھا۔ جنگ روس و جاپان کے بعد ملک میں سائنٹفک ریسرچ کی جانب لوگوں کی توجہ زیادہ مبذول تھی۔ اس کا اثر لٹریچر پر رونما ہوا۔

لٹریچر میں فطرت نگاری کا آغاز نہ صرف تاریخ ادبیات میں ایک اہم واقعہ ہے بلکہ اس کا زبردست اثر زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب عظیم پیدا کرتا ہے۔

اس نئے عہد کے افتتاح کا سہرا ڈپو کے سر ہے۔ جس کی خداداد ذہانت اور صداقت نے بالآخر اُس کے نام کا ڈنکا بجوا دیا۔ جادو نگار کویو کی تصانیف نے ایک ایسا پُرفریب طلسم باندھا تھا کہ زندگی کی حقیقت اس میں چھپ کر رہ گئی تھی۔ اور قوم اس طلسم کی اس قدر دلدادہ تھی کہ حقیقت کا اظہار بڑے دل گردے کا کام تھا۔ مگر ڈپو نے بڑی جرأت سے کام لیا۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں اس نے اپنا پہلا افسانہ چچا گین اور سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنا شاہکار **مساشی کا میدان** شائع کیا۔ مگر اس کی آواز کویو کے آوازۂ شہرت میں دب کر رہ گئی۔ سنہ ۱۹۰۱ء ہی میں اس نے ایک اور افسانہ "**آلو گوشت**" لکھا۔ اس قدر اُس کی شہرت بھی نہ ہو سکی۔ ایک طرف بیچارے نے ناقدری روزگار کا داغ کھایا اور دوسری طرف عشق ناکام میں مبتلا ہو کر مصائب کا شکار بنا۔ تاہم اس نے ہمت نہ ہاری اور آپ بیتی ایک افسانے کی شکل میں پبلک کے سامنے پیش کی۔ اس افسانے کے نام کا ترجمہ "راستے بے کم و کاست" ہے۔

آخر کار وہ زمانہ آ گیا کہ پبلک نے ڈپو کی تصانیف کو سر آنکھوں سے لگایا۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں اس کے مختصر افسانوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا تو اخبارات و رسائل نے

نہایت تپاک و گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اور ڈُپو کے سر پر ادبی دنیا نے شہرت کا زرّیں تاج رکھ دیا۔

ڈُپو پیدائشی شاعر تھا۔ بچپن سے اس کو کائنات کے ہر ذرّے سے فطرت کی آواز سنائی دیتی تھی، مگر جس شے کا اس کے دل پر سب سے گہرا اثر ہوا تھا وہ عوام اور غربا کی زندگی کا تاریک پہلو تھا۔ افسوس ہے کہ شہرت حاصل کرنے کے بعد وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا۔ برسوں کے افلاس نے جوانی ہی میں اس کی صحت بالکل تباہ کر دی تھی۔

۱۹۰۷ء میں ۳۲ سال کی عمر پا کر اُس نے دنیا کو خیرباد کہی

اس زمانے میں "ہوگتسو" نامی ایک فاضل ادیب یورپ کے سفر سے واپس آیا۔ اور ملک میں تحریک فطرت نگاری کا غلبہ دیکھ کر اس میں شامل ہو گیا۔ ۱۹۰۵ء سے اس نے اس تحریک کی حمایت میں مضامین لکھنے شروع کئے۔ مگر افسوس ہے کہ اس ہونہار ادیب سے قوم زیادہ عرصہ تک مستفیض نہ ہو سکی۔ وہ ایک ایکٹرس کے دام الفت میں گرفتار رہا۔ اس کی خاطر سے کئی ڈرامے لکھے۔ ۱۹۱۹ء میں فوت ہوا۔

اس سے قبل ہم پچھلے دور میں **توژو** نامی ایک شاعر کا ذکر کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ تک خاموش رہ کر وہ پھر ایک کامیاب افسانہ نویس کی حیثیت سے منظر عام پر آیا۔ ۱۹۰۶ء میں اس نے ایک طویل افسانہ "ہکائی" یا "نقض عہد" کے نام سے شائع کیا۔ اس ناول نے ادبی دنیا میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ یہ ایک نوجوان مدرس کا قصہ ہے جو اچھوت ذات کا فرد تھا۔ اُس نے اپنے باپ سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے نسب کا قصور ہمیشہ چھپائے رکھے گا۔ تاکہ دنیوی ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج بلا روک ٹوک طے کر سکے۔ ایک عرصہ تک وہ اس عہد پر قائم رہا۔ اور اپنی خداداد قابلیت سے دنیا میں عزت وجاہ دولت و ثروت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ آخر وہ ایک دوسرے شخص سے ملا۔ جس نے عزت و ثروت حاصل کرنے کے بعد جرأت کے ساتھ اپنی ذات کا اظہار دنیا پر کر دیا تھا اور اس کے

خوفناک نتائج اور مصائب کا مقابلہ مردانہ وار کیا تھا۔ اس مثال سے متاثر ہو کر نوجوان مدرس ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ باپ کا عہد اور اپنی محبوبہ کی جدائی کا خوف اُس کو اظہارِ حقیقت سے باز رکھتا ہے۔ مگر ضمیر کی ملامت سے مجبور ہو کر وہ اس کشمکش میں کامیاب ہو جاتا ہے اور جرأت کے ساتھ اظہار حقیقت کر کے عزت و ثروت اور محبت سب کچھ نثار کر دیتا ہے۔

۱۹۰۸ء میں **توزو** نے افسانہ "بہار" شائع کیا۔ اور ۱۹۱۰ء میں **"مکان"** نامی افسانہ لکھا۔ توزو کا طرز تحریر نہایت مقبول ہوا اور آج تک نومشق فسانہ نگاروں کے لئے نمونے کا کام دیتا ہے۔ بعض نقادان فن اس کو روسی افسانہ نگار **ترگنیف** سے مشابہت دیتے ہیں۔ اُس کی تحریر گو بظاہر نہایت صاف و سادہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر فی الحقیقت وہ انتہائی جانفشانی اور جانکاہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ اناطولِ فرانس سے بہت مشابہ ہے۔

گذشتہ جنگ یورپ کے دوران میں وہ فرانس گیا اور وہاں سے مراجعت کے بعد اپنی آخری تصنیف "حیات نو" شائع کی۔

اس دور نے مذکورہ بالا مصنفین کے علاوہ بکثرت نامور مصنفین پیدا کئے۔ جن میں **کتائی، شوسے ای۔ ہاکوچو**۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب کی تصانیف کا موضوع تقریباً یکساں تھا۔ انسانی زندگی کے تاریک پہلو کو روشنی میں لانا ان کا نصب العین تھا۔ اس غرض کے لئے وہ صاف و سادہ اور پرزور الفاظ استعمال کرتے تھے۔ انھوں نے حقیقت کو رومانیت پر اور واقعیت کو آرٹ پر ترجیح دی، اور زندگی کی ایسی عریاں تصویر پیش کی کہ شرم و حیا نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر اُن کا عذر یہ تھا کہ "حقیقت یہی ہے"۔

اُن کا خیال تھا کہ دنیا بدنظمی اور انتشار کا مجموعہ ہے۔ ترتیب و تنظیم کی کوشش

لاحاصل ہی نہیں خلافِ فطرت اور محض فریب ہے۔ یہ لوگ اپنی تحریر سے قارئین کے دل میں سینکڑوں شبہات پیدا کر دیتے ہیں مگر ہر مسئلہ کو بغیر حل کئے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ آخر کار لوگ اس تحریک سے اکتا گئے۔ پھر مذہب کے دامن میں چھپنے کے لئے تیار ہوئے اور ایک بار پھر تخیل کے پُر فریب مگر دلکش گلزار کی سیر سے دل بہلانے لگے۔

اس دور کو ختم کرنے سے قبل ایک شخص کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس کے بہترین ادبی کارنامے اگرچہ گذشتہ دور میں ظاہر ہوئے۔ لیکن بلحاظ خیالات اُس کو اسی دور سے گہرا تعلق ہے۔ **کنجیر و توکوتومی** نے ۱۹۰۰ء میں اپنا بہترین ناول **ہیتو توگیسو یا نامی** کو شائع کیا۔ اگرچہ اس کا میلان زمانے کی ہوا کے خلاف تھا۔ لیکن یہ اس درجہ مقبول ہوا کہ اس کے تخلیق کردہ کیرکٹر آج تک جاپانیوں میں اسی طرح معروف ہیں جیسے قومی مشاہیر۔

پانچواں دور ۱۹۱۲ء سے تاحال

۱۹۰۹ء میں حقیقت نگاری کی کساد بازاری ہو چکی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں اس کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ سابقہ دور میں بھی ایک ایسا نامور ادیب موجود تھا جس نے زمانے کے عام رنگ سے بے نیاز ہو کر اپنی مخصوص طرز پر تخیل نگاری سے شہرت و ناموری حاصل کی تھی۔ **سوسیکی نتسومے** امپیریل یونیورسٹی میں انگریزی لٹریچر کا پروفیسر تھا۔ یہ فاضل روزگار ادیب اور فلسفی چینی و انگریزی لٹریچر میں کمال دستگاہ رکھتا تھا۔ مگر اس کے خیالات پر مشرقیت اور چینی اور بدھ مت کے فلسفے کا غلبہ تھا۔

۱۹۰۵ء میں اُس نے ایک میگزین میں ایک طویل افسانہ شائع کرنا شروع کیا۔ جس کا عنوان نہایت عجیب و شوخ تھا۔ "میں بلّی ہوں" یہ انسانی زندگی پہ بلّی کے خیالات تھے۔ گویا مضمون نگار نے اپنے زمانے کی ایک جیتی جاگتی تصویر نہایت لطیف

مزاحیہ پیرائے میں پیش کی ہے۔ لوگوں کے دلوں پر گذشتہ جنگ کا غبار چھایا ہوا تھا جس کو اس افسانہ کی ظرافت نے دھو دیا۔ لوگ دیوانہ وار اس کی آئندہ قسط کا انتظار کرنے لگے۔ پبلشر نے مصنف سے اس افسانے کے جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ لیکن اس بلّی سے خود مصنف کی شگفتہ طبیعت اکتا گئی۔ آخر ایک روز انہوں نے اس ہردلعزیز بلّی کو خوب شراب پلا کر ایک پانی کے حوض میں غوطہ دلوا دیا۔ جہاں بلّی انسان کی حماقتوں پر قہقہے لگاتی ہوئی اس جہان سے رخصت ہوئی۔ بلّی کے اس انجام سے پبلک کو سخت مایوسی ہوئی۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں "نتسومے" نے ایک طویل افسانہ "سیاحت" شائع کیا۔ اس میں اُس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ تصویر اور افسانے میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ تصویر میں تعین وقت کے بغیر فاصلہ اور رقبہ پایا جاتا ہے۔ اور افسانے میں وقت کا تعین فاصلہ اور رقبہ کے بغیر کیا جاتا ہے۔ مگر مندرجہ بالا افسانے میں مصنف نے یہ کمال دکھایا ہے کہ اس میں وقت کا تعین غائب ہو جاتا ہے۔ یعنی تمام افسانے میں وقت اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔

بارہ سال کے عرصہ میں اس مصنف نے پندرہ طویل افسانے شائع کئے۔ مختصر افسانوں اور مضامین کا شمار نہیں۔ یہ جملہ تصانیف جاپانی لٹریچر میں اعلیٰ ترین رتبہ رکھتی ہیں۔ اور اپنے دور کے لٹریچر میں ہمیشہ بطور یادگار زندہ رہیں گی۔ پانچویں دور کی ایک خصوصیت تجدید رومانیت کی تحریک ہے۔ جس نے عریانیت اور تعیش کو خوب ترقی دی۔ اس اسکول کے حامی **کافو** اور **تانی زاکی** ہیں۔ اوّل الذکر نے ۱۹۰۸ء میں مشہور افسانہ "**دام فریب**" شائع کیا۔ اور **تانی زاکی** "نئے شیطان" "علت" اور "لڑکا" نامی افسانے شائع کرکے جاپانی آسکر وائلڈ کا لقب پایا۔ ۱۹۱۰ء میں ایک نیا ماہوار میگزین "بید سفید" کے نام سے جاری ہوا۔ اس کو چند امیر طلبہ شائع کرتے تھے

جو فکرِ معاش سے آزاد تھے اور اوقات فرصت کو علمی مشاغل میں صرف کرنا چاہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک لوگوں نے اس طرف توجہ نہ کی۔ مگر ۱۹۱۶ء تک یہ لوگ شہرت عام حاصل کرتے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور "تاکیروا ری ثیما" تھا جس نے ۱۷-۱۹۱۶ء میں اپنے افسانوں "دار العمل" "صبح صادق" "بھول بھلیاں" سے ملک میں دھوم مچا دی۔ اپنے ایک کامیاب ڈرامے المعروف "قبل از موت و بعد از موت" میں اپنی محبوب بیوی کی موت کا قیامت خیز منظر پیش کیا ہے۔ ایک دوسرے مختصر افسانے موسومہ "میرے بچے" میں اپنے بچوں کی زبانی اُن کی ماں کی کہانی سنائی ہے۔

۱۹۲۰ء سے اب تک وہ ملک کے سب سے زیادہ نامور ادیب مانا جاتا ہے۔ اس کا شاہکار ایک افسانہ موسومہ "صنفِ لطیف" ہے۔ اُس نے بیس سے زیادہ طویل افسانے شائع کئے جو ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہو چکے ہیں۔ اور بعض کی تعداد ساٹھ ستر ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے۔ وہ ٹالسٹائے کے ثنا خوانوں میں سے ہے اس لئے مزدور طبقے کی محبت سے اس کا دل لبریز معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جو زبردست دولت اس کو ترکۂ پدری میں ملی تھی وہ سب اُس نے غربا اور مزدوروں میں تقسیم کر دی۔ کمال شہرت حاصل کرنے کے بعد چالیس سال کی عمر پا کر ۱۹۲۲ء میں فوت ہوا۔

یا سو کو میا کے ایک مشہور ادیبہ اور افسانہ نویس ہیں۔ جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ اُن کا شاہکار افسانہ "**تیز رو دریا**" ہے۔ جو قسط وار توکیو نیچی نیچی اخبار میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

نو بوکو یوشی آ ایک اور خاتون ادیبہ ہیں۔ جو ابھی بقید حیات ہیں۔ ان کے دلچسپ افسانے بہترین ماہناموں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

جاپان میں اخبارات و رسائل کی اشاعت کے مقابلے میں کتابوں کی اشاعت بہت کم ہے۔ کچھ عرصہ بیشتر تک سب سے زیادہ اشاعت کتاب موسومہ "**بنکو دان**"

(یعنی انسانی قربانی) کی ہوئی جو گذشتہ بیس سال میں پانچ لاکھ بک چکی ہے۔ مگر ۱۹۳۰ء میں شاہنشاہ میجی کی سوانح حیات شائع ہوئی جس کی مقبولیت نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دئے۔ کیونکہ یہ کتاب ایک سال میں دس لاکھ فروخت ہوئی ہے۔

سالانہ تصانیف کی تعداد کافی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں ساڑھے بائیس ہزار کتابیں تصنیف ہو کر شائع ہوئیں۔ ان میں سے ڈھائی ہزار کا موضوع تعلیم تھا۔ ڈھائی ہزار ادب پر لکھی گئیں۔ ڈیڑھ ہزار درسی کتابیں۔ بارہ سو مذہبی کتابیں۔ ایک ہزار سوشل مسائل پر۔ ایک ہزار اقتصادیات پر۔ ایک ہزار موسیقی پر۔ بارہ سو سائنس پر۔ نو سو جغرافیہ پر۔ سات سو فنون لطیفہ پر۔ آٹھ سو تفریحات پر۔ پانچسو قانون پر۔ پانچ سو انجینیرنگ پر۔ آٹھ سو خانہ داری پر۔ اور باقی متفرق موضوعات پر کتابیں شائع ہوئیں۔



صحافت

جاپانی صحافت آج اپنے عروج کمال کو پہنچ چکی ہے۔ جاپانی اخبارات بلحاظ اپنی تعداد اشاعت تنظیم اور سیاسی اقتدار کے تمام دنیا میں امتیازی درجہ حاصل کر چکے ہیں اور صرف انگریزی یا امریکن اخبارات سے دوسرے درجہ پر ہیں۔ باوجود اس عظمت کے جاپانی صحافت کی زندگی ابھی پچاس سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اس قلیل مدت میں جو کچھ ترقی ہو چکی ہے اُس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آئندہ امیدیں کس قدر بلند ہونگی

صحافت کی تاریخ

جاپان کا سب سے پہلا مقتدر اخبار **یوکوہاما مائی نیچی** ۱۸۷۱ء میں یوکوہاما سے شائع ہوا۔ مگر ۱۸۶۴ء میں ایک اور اخبار "کائی گائی شمبون" یوکوہاما ہی سے نکل چکا تھا۔ اس کا ناشر و مدیر ایک جاپانی عیسائی **جوزف ہِکّو** تھا جو ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۰ء تک امریکہ میں مقیم رہا تھا۔

۱۸۷۲ء میں ایک انگریز مسٹر **بلیک** نے یوکوہاما سے "نیشین شنجشی" اخبار انگریزی میں شائع کیا۔ اس کے بعد جاپانیوں نے میدان صحافت پر پورا قبضہ کرنے کے لئے جدوجہد شروع کی اور اسی زمانے میں پیہم بہت سے ایسے اخبارات شائع ہوئے جو آج تک زندہ ہیں اور حقیقی معنوں میں بلا شرکت غیرے اس میدان کے مالک ہیں۔

توکیو سے ۱۸۷۲ء میں "نیچی نیچی" ۱۸۷۳ء میں "ہوچی" ۱۸۷۴ء میں "یومی یوری" ۱۸۷۶ء میں "چوگائی شوگیو" ۱۸۸۱ء میں "اوساکا اساہی" ۱۸۸۲ء میں "جیجی شمپو" ۱۸۸۵ء میں "میاکو" ۱۸۸۸ء میں "توکیو اساہی" ۱۸۸۹ء میں "اوساکا مائی نیچی" ۱۸۹۲ء میں "کوکومین" ۱۸۹۸ء میں "مائی یو" شائع ہوئے۔

ان اخبارات کی ابتدا نہایت پست حالت سے ہوئی تھی۔ ان کے پاس

نہ وافر سرمایہ تھا۔ نہ ان کے خریداروں کی تعداد کافی تھی۔ نہ خبر رسانی کے ذرائع قابلِ اطمینان تھے۔ نہ حکومت پر ان کا کوئی اقتدار تھا۔ ان کی پالیسی حکومت کی خوشامد تک محدود تھی۔ پھر بھی حکومت کا جابرانہ رویہ ان کو جینے نہ دیتا تھا۔ ادھر مشروطہ آئین حکومت کے قیام سے عوام کو حکومت میں حصہ ملا اور اظہار رائے کی آزادی حاصل ہوئی۔ اُدھر تعلیم عوام سے ملک میں علوم و فنون کی ترویج ہوئی۔ صنعت و حرفت و تجارت کی ترقی سے دولت و خوشحالی نے ملک میں قدم رکھا۔ پھر ۱۸۹۴ء میں چین سے ۱۹۰۴ء میں روس سے جنگ ہوئی اور جاپان نے فتح پائی۔ ان غیر معمولی واقعات نے دول عظام کی نظروں میں جاپان کی ایک بلند اور ممتاز حیثیت قائم کر دی۔ اس عزت کو تمام قوم نے محسوس کیا۔ اور بالواسطہ اور بلاواسطہ اس احساس کا اثر مندرجہ بالا تمام امور کے ساتھ مل کر فن صحافت کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہو گیا۔ متعدد اخبارات کا سرمایہ بڑھتے بڑھتے کروڑوں تک پہنچا۔ باوجود پریس ایکٹ کی سخت ترین پابندیوں اور حکومت کی بے نیازیوں کے ان اخبارات کی آواز سے قصرِ حکومت لرزہ براندام ہونے لگا۔ ان کا تجارتی نظام عمل ترقی پا کر دنیا کو دنگ کرنے لگا۔ اور ان کی اشاعت ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک پہنچی۔ حتیٰ کہ اب روزانہ اخبارات کی مجموعی تعداد اشاعت پچاس لاکھ سے متجاوز ہو چکی ہے۔ یعنی کل آبادی میں ہر بارہ آدمیوں میں سے ایک اخبار پڑھتا ہے۔

جاپان کے دو مشہور اخبارات

تمام اخبارات کے سرآمد دو اخبار "اوساکا مائی نیچی" اور "اوساکا اساہی" ہیں۔ ان دونوں کی علیحدہ علیحدہ روزانہ اشاعت ساڑھے سات لاکھ ہے۔ ان کے ماتحت ٹوکیو سے "ٹوکیو نیچی نیچی" اور "ٹوکیو اساہی" شائع ہوتے ہیں۔ جن کی مستقل روزانہ اشاعت علیحدہ علیحدہ ساڑھے چار لاکھ ہے۔ اس طرح ان اخبارات کے اوساکا

اور ٹوکیو ایڈیشنوں کی متحدہ اشاعت بارہ لاکھ ہوئی۔ یہ دونوں اخبارات صبح و شام دونوں وقت شائع ہوتے ہیں۔ دونوں ایڈیشنوں کی اشاعت شمار کی جائے تو روزانہ چوبیس لاکھ اساہی چھپتا ہے اور چوبیس لاکھ ٹوکیو نیچی نیچی ۔ اور اوساکا مائی نیچی۔ یہی اخبارات ضمیمہ اور ہفتہ وار و ماہوار متعدد رسائل شائع کرتے ہیں مگر ان کی اشاعت مندرجہ اشاعت سے بالکل علیحدہ ہے۔

بعض معمولی روزناموں کی تعداد اشاعت

ان کے بعد "ہوچی"، صبح شام ملاکر روزانہ پانچ لاکھ چھپتا ہے۔ "جی جی" چار لاکھ کوکومین ساڑھے تین لاکھ۔ "چوگائی شوگیو" دو لاکھ ساٹھ ہزار۔ "یومی یوری" دو لاکھ چالیس ہزار۔ "ٹوکیو مائی یو" دو لاکھ بیس ہزار۔ اور "میاکو" دو لاکھ بیس ہزار شائع ہوتا ہے۔

جاپان کے بعض دیگر مشہور اخبارات

مندرجہ بالا اوّل درجہ کے روزناموں کے بعد "نیپان"۔ "یاموتو"۔ "نیروکو" "نوجین مائی نیچی" "یورزو"۔ "ٹوکیو مائی نیچی"۔ "تے سیئی"۔ "اوساکا نیچی نیچی"۔ "اوساکا جی جی"۔ "اوساکا چوگائی سان گیو"۔ اوساکا میاکو وغیرہ اخبارات ہیں۔ اور ان کے بعد مقامی اخبارات کا درجہ ہے۔

جاپان کے اخبارات ورسائل کی تعداد

اخبارات کی کل تعداد گذشتہ تین سال میں حسب ذیل ہے۔

	روزانہ	ہفتہ وار	ماہوار	تعداد کل
۱۹۲۸ء	۱۱۵۰	۵۷۷	۶۷۱۸	۸۴۴۵
۱۹۲۹ء	۱۲۲۱	۶۱۰	۷۳۶۰	۹۱۹۱

سنہ ۱۹۳۰ء	۱۲۱۵	۶۴۹	۸۲۶۶	۱۰۱۳۰

جاپانی اخبارات کی چند خصوصیات

جاپانی اخبارات کی چند خصوصیات قابل توجہ ہیں
(۱) اخبارات کی اصل آمدنی کا ذریعہ اخبارات کی اشاعت ہے۔ اشتہارات پر ان کا انحصار نہیں حالانکہ امریکہ اور انگلستان کے اخبارات اپنی آمدنی کا نوّے فی صدی حصّہ اشتہارات ہی سے وصول کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اخبارات سرمایہ داروں کے بیجا دباؤ سے آزاد ہیں۔ اور سرمایہ داری کے خلاف مزدوروں کی حمایت میں پرزور مضامین لکھتے ہیں

(۲) جاپانی اخبارات حکومت کی حمایت نہیں کرتے، اور اگر کوئی اخبار ایسا کرے تو پبلک کی نظروں سے گرجاتا ہے۔ سیوکائی پارٹی کابینہ وزارت پر بیس سال قابض رہی مگر ان کے اخبار موسومہ "چوؤ" کی اشاعت چند ہزار سے آگے نہ بڑھی۔ ایک زمانے میں "ماینچو" اخبار نہایت ہر دلعزیز تھا اور اس کی اشاعت بھی کافی تھی۔ جونہی اس نے اوکوما کابینہ وزارت کی حمایت کا بیڑا اٹھایا، اس کی اشاعت میں غیر معمولی کمی ہوگئی۔ اور بالآخر اخبار بند کرنا پڑا۔ اس لئے اخبارات پریس ایکٹ کی سختیوں، اور پولس کی دستبرد کی پرواہ نہیں کرتے لیکن پبلک سے غدّاری کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

(۳) حکومت سے رعایا کے آئینی حقوق حاصل کرنے اور رعایا میں سیاسی بیداری پیدا کرنے اور ان میں عام معلومات وسیع کرنے میں اخبارات کا زبردست حصّہ ہے۔ اور چونکہ ہر شخص خواندہ ہے اور اخبارات پڑھتا ہے اس لئے اخبارات کا اثر نہایت دوررس ہے۔ حتیٰ کہ کسان۔ ماہی گیر۔ اہل حرفہ اور مزدور بھی اخبارات سے مستفید ہوتے ہیں۔

(۴) جاپانی اخبارات کا حجم انگریزی اخبارات سے بہت کم ہوتا ہے۔ یہ عموماً آٹھ صفحات پر شائع ہوتے ہیں۔ اور چودہ صفحات سے زیادہ کبھی نہیں ہوتے۔ نصف سے

زیادہ جگہ اشتہارات کو دی جاتی ہے۔ خبروں کو بھی اس قدر اہمیت نہیں دی جاتی جتنی مضامین کو۔ اور مضامین میں بڑا حصہ نظموں۔ افسانوں اور علمی تنقیدی معاشرتی مضامین کو دیا جاتا ہے۔

ہر اخبار ایک طویل افسانہ بالاقساط شائع کرتا رہتا ہے۔ اور جو اخبارات صبح و شام دن میں دو بار شائع ہوتے ہیں ان میں علیحدہ علیحدہ دو طویل افسانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ افسانے اور مضامین ملک کے نامور ادیبوں سے لکھوائے جاتے ہیں اور اخبارات ان کو نہایت فراخدلی سے معاوضہ دیتے ہیں۔

(۵) جاپانی اخبارات رفاہ عام کے کاموں۔ قومی اور سوشل معاملات، اور سپورٹ یا صنعت و حرفت کی قدردانی میں بھی بہت زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ اور اس کو اپنے اشتہار کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔

بعض وہ مشکلات جو جاپانی اخبارات کو پیش آتی ہیں

جاپانی اخبارات کو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے

(۱) پریس ایکٹ نہایت سخت ہے۔ ہر اخبار کو نقد ضمانت ادا کرنی پڑتی ہے۔ جو ۷۰ ین سے ۲۰۰۰ ین تک طلب کی جا سکتی ہے۔ پولس کو اختیار ہے کہ اخبار کا کوئی نمبر بالکل ضبط کرلے اور اس کی اشاعت روک دے۔ وزارت داخلہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی اخبار کی اشاعت ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیدے۔ غیر ملکی خبروں پر سنسر کی سخت روک ٹوک ہے۔ حتیٰ کہ اخبارات اپنے نامہ نگار جب محاذ جنگ پر بھیجتے ہیں تو اُن کو محاذ کے قریب تک جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ دور ہی روک دئے جاتے ہیں۔

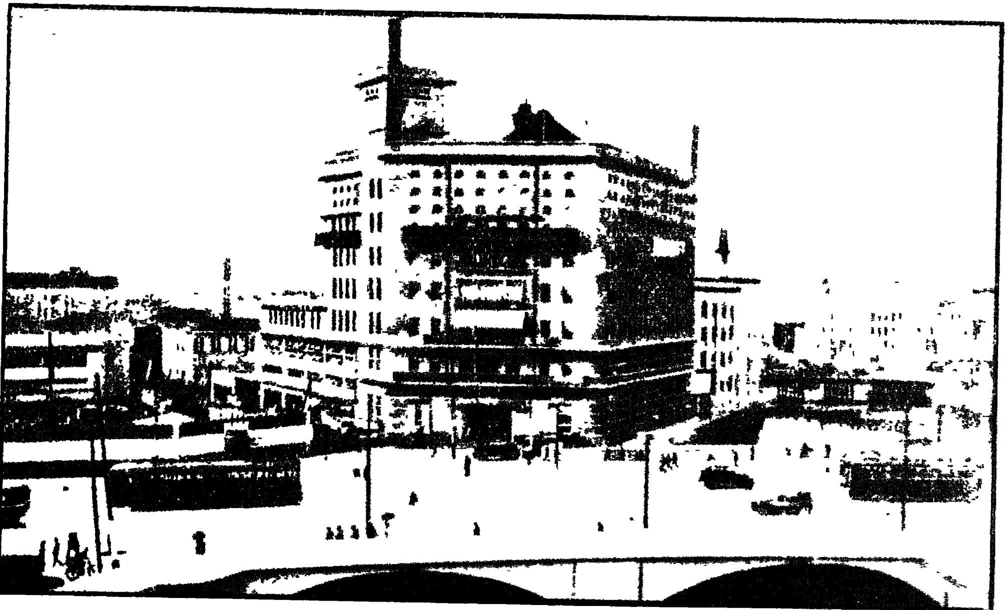
بڑے بڑے اخبارات ایک جیل ایڈیٹر رکھتے ہیں۔ جس کا تقرر اسی مفاہمت پر ہوتا ہے کہ اگر ایڈیٹر کو عدالت سے سزا ئے قید ہو جائے تو یہ شخص جیل بھیج دیا جاتا ہے

اصلی اڈیٹر محفوظ رہتا ہے اور اخبار کے کام میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری دقّت جاپانی اخبارات کے لئے یہ ہے کہ اخبارات چینی الفاظ (ideographs) میں شائع ہوتے ہیں جن کے ساتھ ساتھ جاپانی حروف بھی مستعمل ہیں جاپانی حروف کی تعداد تو صرف ۴۷ ہے۔ مگر چینی الفاظ کی تعداد غیر محدود ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک اخبارات نو ہزار الفاظ استعمال کرتے تھے۔ مگر گھٹتے گھٹتے اب ان کی تعداد دو ہزار رہ گئی ہے۔ اس کمی کے باوجود آٹھ صفحات کے لئے کم از کم ستر لاکھ ٹائپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر دو ہزار مختلف قسم کے ٹائپ سے اخبار کمپوز کرنا نہایت دشوار اور دیر طلب کام ہے۔ اس دقّت کے باعث اخبار کا خرچ بہت زیادہ ہے۔

(۳) نامہ نگاروں اور خبروں کی فراہمی پر بھی نسبتاً جاپانی اخبارات کو بہت زیادہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک تو ملک میں خبر رسانی کی کوئی ایجنسی نہ تھی۔ اگرچہ "تے کو کو موشین" اور "نیپّان سوشین" نیوز ایجنسیاں ۱۸۸۸ء اور ۱۸۸۹ء میں قائم ہو چکی تھیں۔ لیکن ان کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی اور ہمیشہ یہ غیر ملکی اخبار کے لئے انگریزی ایجنسیوں کی دست نگر رہیں۔

"نیپّان ڈیمپو سوشین" ۱۹۰۱ء میں اور "شمبون رینگو" ۱۹۲۶ء میں قائم ہوئی، اور یہی دونوں آج کل بہت بڑی ایجنسیاں ہیں۔ اور اکثر ممالک میں انھوں نے براہ راست اپنے دفاتر کھول لئے ہیں۔ مگر سلطنت برطانیہ اور امریکہ کی خبروں کے لئے اب بھی ان کو ریوٹر اور ایسوشیئٹڈ پریس سے دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے امید کی جاتی ہے کہ عنقریب جاپانی نیوز ایجنسیاں اپنے کاروبار کو پوری ترقی دے کر آزادانہ کام کر سکیں گی۔ مقامی خبروں کے فراہم کرنے میں اساہی اور نیچی نیچی پیغام رساں کبوتروں سے بھی کام لیتے ہیں۔ یہ کبوتر ہزاروں کی تعداد میں ان اخبارات کے دفاتر میں پلے ہوئے ہیں اور عمدہ تربیت کے باعث نہایت اچھا کام کرتے ہیں۔



اخبار اساھی کا دفتر

ٹوکیو اور اوساکا کے اخبارات نے اپنی اشاعت کو توسیع دینے میں بہت شاندار کامیابی حاصل کر لی ہے اور ان کی جدوجہد برابر جاری ہے۔ مگر مقامی وصوبہ جاتی اخبارات کی حالت نہایت ابتر ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ باوجود کشمکش کے یہ مرکزی اخبارات اپنی اشاعت کو اور زیادہ بڑھانے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ بلکہ مقامی وصوبہ جاتی اخبارات کی اشاعت بڑھے گی۔ نیز اب تمام اخبارات اپنی شکل وصورت کو بہتر بنانے اور اپنے اخلاقی معیار کو بلند کرنے پر زیادہ توجہ صرف کریں گے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ تقسیم اخبارات کا کام عنقریب ہوائی جہازوں سے لیا جانے والا ہے۔

جاپان کے انگریزی روزنامے

جاپان سے مندرجہ ذیل انگریزی روزنامے بھی شائع ہوتے ہیں۔

(۱) جاپان ایڈورٹائزر۔ امریکن اخبار ہے۔ ٹوکیو سے مسٹر فلیشر کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ سالانہ چندہ بیرونجات کے لئے ۵۰ ین ہے۔

(۲) **جاپان کرانیکل**۔ انگریزوں کا اخبار ہے۔ مسٹر ینگ کوبے سے شائع کرتے ہیں سالانہ چندہ بیرونجات کے لئے ۵۴ ین ہے اور ہفتہ وار ایڈیشن کا ۲۰ ین ہے۔

(۳) **جاپان ٹائمز** جاپانیوں کے اہتمام سے انگریزی زبان میں ٹوکیو سے شائع ہوتا ہے سالانہ چندہ بیرونجات کے لئے ۳۷ ین ہے، اور ہفتہ وار ایڈیشن کا سالانہ چندہ ۷ ین ہے۔

(۴) **کوبے ہیرلڈ و اوساکا گزٹ** مسٹر ولسن کی زیر ادارت کوبے سے شائع ہوتا ہے۔ سالانہ چندہ بیرونجات کے لئے ۲۶ ین ہے۔

(۵) **اوساکا مائینیچی انگلش ایڈیشن** اوساکا سے شائع ہوتا ہے سالانہ چندہ بیرونجات کے لئے ساڑھے بیس ین ہے۔

جاپان میں ماہوار رسائل کی حالت

ابھی تک جو کچھ بیان ہوا۔ وہ روزناموں کی

کیفیت تھی۔ اب ماہناموں کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو جاپانی صحافت کا ایک اور نہایت شاندار کارنامہ ہے۔

ایک اخباری کمپنی

صحافت کی اس صنف کو غیر معمولی کامیابی بخشنے میں "دائی نیپان یوبین کائی کودین شا" اور اس کے مالک و بانی مسٹر "نوما" کی مساعی جمیلہ شکریہ کی مستحق ہیں۔ یہ کمپنی تمام جاپان میں شائع ہونے والے آٹھ ہزار ماہناموں میں سے بہترین اور مشہور ترین نو ماہنامے شائع کرتی ہے۔ جن کی مجموعی ماہوار اشاعت پچاس لاکھ سے زائد ہے۔ یعنی جس قدر تمام ماہناموں کی مجموعی اشاعت ہے اس میں سے اسی فیصدی اشاعت اس کمپنی کے نو ماہناموں کی ہے۔

اس کمپنی کی عظمت کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے لگائیے۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں کمپنی نے ایک ارب اڑتالیس کروڑ ریم کاغذ اور نو لاکھ پونڈ روشنائی صرف کی۔ یہ کمپنی اپنے ماہناموں کے متعلق جو اشتہارات دوسرے اخبارات میں دیتی ہے سال بھر میں وہ دو ہزار صفحات پر پھیلتا ہے۔ اشتہار پر کل پچاس لاکھ ین سالانہ خرچ آتا ہے۔ ملازمین کمپنی کی مجموعی تعداد اسی ہزار ہے۔

علاوہ ان ماہوار رسالوں کی اشاعت کے یہ کمپنی کتابوں کی طباعت و اشاعت اور بعض پیٹنٹ ادویات کی ایجنسی سے بھی بہت معقول نفع کماتی ہے۔

کمپنی کی طرف سے شائع ہونے والے رسائل

(۱) **کنگ**۔ اس کمپنی کا مشہور ترین رسالہ کنگ ہے جس میں عام دلچسپی کے مضامین ہوتے ہیں۔ اس کی اشاعت پندرہ لاکھ ماہوار ہے۔

(۲) **کودان کلب**۔ ادبی رسالہ ہے۔ جس میں دلچسپ اور مفید اصلاحی افسانے ڈرامے اور نظمیں ہوتی ہیں۔

(۳) **فوجی** اخلاقی پرچہ ہے۔

(۴) **یو بین** - نوجوانوں کو فن خطابت سکھاتا اور تربیت ذہنی کرتا ہے۔

(۵) **کین دائی** - عام معلومات فراہم کرتا ہے۔

(۶) **فوجی کلب** - خواتین کا پرچہ ہے۔

(۷) **شونین کلب** - طلبہ کے لئے دلچسپ رسالہ ہے۔

(۸) **شوجو کلب** بچیوں کے لئے شائع ہوتا ہے۔

(۹) **یو بین کلب** - بچوں کا رسالہ ہے۔

مالک کمپنی کی سبق آموز زندگی

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر **نوما** کا مقصد قومی تربیت و اصلاح ہے۔ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نہ صرف خود اخلاص و جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنی کمپنی کے تمام کارکنوں میں بھی جوش عمل کی روح پھونکدی ہے۔ مسٹر **نوما** کی شہرت جاپان سے باہر تمام دنیا میں پھیل چکی ہے اور وہ "میگزین کنگ" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حال ہی میں مسٹر **نوما** کی سوانح حیات انگریزی میں شائع ہوئی ہے۔ جو نہایت دلچسپ اور عبرت خیز ہے۔ آپ ایک چھوٹے سے گمنام جزیرے پر پرائمری اسکول کے مدرس تھے۔ آپ کی تعلیم بھی نامکمل تھی۔ آپ اپنی ذاتی کوششوں سے اپنی تعلیم کی تکمیل کرتے رہے۔ ۲۵ سال کی عمر میں آپ ٹوکیو آئے اور امپیریل یونیورسٹی سے مدرسی کی سند حاصل کرکے اپنے وطن واپس گئے۔ اور کئی سال تک پھر مدرسی کرتے رہے تیس سال کی عمر میں ایک دوست کی وساطت سے ان کو امپیریل یونیورسٹی میں محرری کی اسامی مل گئی۔ اسی زمانہ میں ان کو فن خطابت پر ایک ماہوار رسالہ شائع کرنے کا خیال ہوا۔ مگر زمانہ مساعد نہ تھا۔ مدت تک یہ اپنے رسالہ کا مسودہ لئے مطابع میں پھرتے رہے۔ ناکامیوں نے ان کی ہمت و حوصلہ کو اور بلند کردیا۔ آخر ایک پبلشر کو انہوں نے تیار کر ہی لیا۔ اور "یو بین" (خطابت) کا پہلا نمبر سنہ ۱۹۱۰ء میں طبع ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد مسٹر نوما نے ملازمت ترک کردی

رسالہ کی طباعت و اشاعت اپنے ہاتھ میں لے لی اور رفتہ رفتہ دوسرے رسالے شائع کرکے سب کو ایسی ترقی دی کہ آج قوم و ملک کے تمام عمائد اور عوام اُن کی حمایت کے لئے تیار رہیں۔

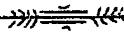
جاپان کے چند مشہور رسائل

آخر میں جاپان سے شائع ہونے والے چند مشہور مجلّات کی فہرست دی جاتی ہے۔ ان میں سے جو انگریزی زبان میں شائع ہوتے ہیں اُن پر # نشان لگا ہوا ہے۔

نام	موضوع
(۱) اساہی (ماہوار)	عام دلچسپی
(۲) لٹے پیر (ماہوار)	آرٹ
(۳) بن گے ای شنجو (ماہوار)	ادبیات
(۴) چواُد کورون (ماہوار)	عام معلومات
(۵) ڈائمنڈ (دوروزہ)	مالیات
(۶) اکانومسٹ (ماہ میں دوبار)	اقتصادیات
(۷) فوجین کورون (ماہوار)	خواتین
(۸) فوجین کلب (ماہوار)	"
(۹) فوجین سی کاری (ماہوار)	"
(۱۰) گائے کوجی ہو (ماہ میں دوبار)	سیاسیات
(۱۱) گاکان (ماہوار)	عام معلومات
(۱۲) گیندائی (ماہوار)	"
(۱۳) ہوگاکورونسو (ماہوار)	قانون
(۱۴) جاپان میگزین # (ماہوار)	جاپانیات

موضوع	نام
طب	(۱۵) جاپان میڈیکل ورلڈ * (ماہوار)
عام معلومات	(۱۶) جاپان ریویو * (ماہ میں دوبار)
نیچرل سائنس	(۱۷) کاگاکوچی شی کی (ماہوار)
عام معلومات	(۱۸) کائے زُو (ماہوار)
اقتصادیات	(۱۹) کے ای زائی جورائی (ماہوار)
"	(۲۰) کے ای زائی چی شی کی (ماہوار)
فوٹوگرافی	(۲۱) کیمرا (ماہوار)
عام معلومات	(۲۲) کنگ (ماہوار)
سیاسیات	(۲۳) کوکّاوگکائی (ماہوار)
"	(۲۴) کوکوسائی چی شی کی (ماہوار)
تعلیم	(۲۵) کیوئی جیرون (ماہ میں دوبار)
زراعت	(۲۶) توگیوسی کائی (ماہوار)
تاریخ جغرافیہ	(۲۷) ری کیشی چیری (ماہوار)
سوشل سائنس	(۲۸) شاکائی کاگاکو (ماہوار)
"	(۲۹) شاکائی سے ساکو (ماہوار)
تاریخ	(۳۰) شی گاکوزاشی (ماہوار)
ادب	(۳۱) سینچو (ماہوار)
علم نباتات	(۳۲) شوکوبتسوکین کیو (ماہوار)
تجارت	(۳۳) شوئین کائی (ماہوار)
باغبانی	(۳۴) تے این (ماہوار)

نام		موضوع
(۳۵) تے یو رین ری	(ماہوار)	الٰہیات
(۳۶) تنسو گاکو کین کیو	(ماہوار)	فلسفہ
(۳۷) توکے ای شوشی	(ماہوار)	اعداد و شمار
(۳۸) ٹورسٹ	(ماہوار)	سیر و سیاحت
(۳۹) واسیدہ یونیورسٹی میگزین	(ماہوار)	ادب
(۴۰) یاکیو کائی	(ماہوار)	اسپورٹ
(۴۱) ینگ ایسٹ	(ماہوار)	عام معلومات
(۴۲) یوبین	(ماہوار)	خطابت
(۴۳) ٹرانس پیسیفک ٭	(ماہوار)	تجارت



۹ - مذاہب و عقائد

جاپان میں رائج شدہ مذاہب جاپان میں چار مذہبوں کا رواج ہے۔

(۱) شنتو (۲) کنفوشین (۳) بدھ مت (۴) عیسائیت۔

اشنتو شنتو مذہب کی بنیاد قدیم مذاہب کی طرح اپنے آبا و اجداد اور قومی و مقامی مشاہیر اور شاہنشاہوں کی ارواح اور مظاہر قدرت کی پرستش پر ہے

اس مذہب کا عقیدہ ہے کہ تمام جاپانی قوم سورج دیوتا سے پیدا ہوئی ہے۔ نیز چاند تارے ہوا۔ آسمان۔ پہاڑ۔ آگ۔ پانی وغیرہ بھی سورج سے پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام مظاہر قدرت بھی آبا و اجداد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ روح کو غیر فانی تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ جسد خاکی سے آزاد ہونے کے بعد ہر روح میں مافوق العادت طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہر جگہ جا سکتی ہے۔ ہر شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہر قسم کا نفع نقصان پہنچا سکتی ہے۔ زندہ آدمیوں کی روح میں بھی یہ طاقت فرض کی جاتی ہے کہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اپنے خاندان تک پہنچے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اپنے خاندان سے جدا ہو کر کسی غیر ملک میں چلا جاتا ہے تو خاندان کے لوگ روزانہ کچھ کھانا اس وطن سے دور عزیز کی روح کے لئے اپنے گھر کی قربانگاہ پر رکھتے ہیں اور کچھ دیر کے بعد اس برتن کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ اگر ڈھکنے پر قطرات نمودار ہوتے ہیں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ عزیز زندہ سلامت موجود ہے اگر ڈھکنا خشک ہوتا ہے تو یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ پردیسی عزیز قید حیات سے آزاد ہو چکا ہے۔

یہ بھی فرض کیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان کی روح اس مادی دنیا کے حالات سے اثر پذیر ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً اپنے خاندان کی شہرت۔ بہبودی اور عزت سے خوش ہوتی ہے

لیکن اگر کوئی شخص اپنے خاندان کے لئے باعث ننگ وعار ثابت ہو تو اس کے آباواجداد کی روحیں اس سے ناراض ہو کر اس کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ اس عقیدہ کا اثر لوگوں کی روزانہ زندگی میں نہایت عمدہ اخلاقی اثر پیدا کرتا ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ارواح اپنی تعریف اور عزت سے بھی بہت خوش ہوتی ہیں۔ چنانچہ شاہنشاہان جاپان کی طرف سے بعض مشاہیر اور خدام قوم کو ان کے مرنے کے بعد اعزازی خطابات دیئے جاتے ہیں۔ اور بعض فوجی افسروں کو جو جنگ میں کارہائے نمایاں دکھا کر مارے گئے۔ مرنے کے بعد اعلیٰ تر فوجی مراتب پر فائز کیا جاتا ہے۔ اس اعزاز سے مرنے والوں کے خاندان کو کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ صرف ان کی ارواح کو خوش کرنا منظور ہوتا ہے۔

اس مذہب کے بیشمار دیوتا ہیں۔ سب خاندان اپنے مردوں کا احترام دیوتاؤں کی طرح کرتے ہیں۔ تمام ملک میں اس مذہب کی لاکھوں چھوٹی بڑی عبادت گاہیں موجود ہیں۔ جو مختلف دیوتاؤں، شاہنشاہوں اور دیگر مشاہیر قوم کے نام پر معنون ہیں۔ بعض جگہ تو صرف ایک عمودی پتھر نصب ہوتا ہے اور اس کے قریب زمین پر بہت سی چھوٹی بڑی پتھریاں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ جو زائرین منت مانگتے ہیں ایک ایک کر کے لیجاتے ہیں۔ لیکن منت پوری ہونے پر ایک کے بدلے اور بہت سی پتھریاں پانی اور اُبلے ہوئے چاول لا کر چڑھاتے ہیں۔ بیشتر عبادت گاہیں، لکڑی کی ایک مختصر سی کوٹھری کے اندر ہوتی ہیں۔ عموماً ان میں کوئی بت نہیں ہوتا۔ صرف ایک بلند قربانگاہ پر ایک آئینہ دھرا رہتا ہے۔ اس کے سامنے کچھ کاغذ اور کپڑے کی دھجیاں لٹکتی ہوتی ہیں۔ یہاں لوگ پانی۔ پھول۔ چاول۔ اور پیسے ڈالتے ہیں۔ ان مندروں کے سامنے بعض اوقات دو پتھر کی لومڑیاں یا شیر نصب ہوتے ہیں۔ اور راستہ پر ایک خاص وضع کی سنگین اونچی اونچی لالٹینیں یا چراغدان گڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

بعض مندر بہت اونچی پہاڑیوں پر بنائے گئے ہیں۔ اور تمام راستہ سنگین

طویل سیڑھیوں سنگین چراغدانوں اور جانوروں کے بتوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ مگر اس تمام شان وشوکت کے بعد جب انسان چوٹی پر پہنچتا ہے تو ایک مختصر سی عبادت گاہ نظر آتی ہے۔ حالانکہ راستہ کی شان وشوکت دیکھ کر آنکھیں کسی شاندار عمارت کو ڈھونڈتی ہیں۔

ان تمام عبادت گاہوں کے علاوہ ہر گھر کے بہترین کمرے میں ایک گوشہ اس غرض کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ جہاں کچھ بت۔ کچھ برتن۔ پھول۔ ایک قدرتی منظر کی تصویر۔ خاندان کے مردوں کی ہڈیاں۔ تختیاں اور تصاویر وغیرہ رکھی جاتی ہیں۔

قومی وملکی مذہب ہونے کی وجہ سے جاپانی زندگی کے ہر شعبہ میں مذہب کی روح پوشیدہ ہے ہر جاپانی خواہ وہ کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے۔ فطرۃً وہ اس قومی مذہب کی طرف تمام عمر مائل رہتا ہے اور اختیار کردہ مذہب کے اصول وعقائد کو بھی وہ اپنے قومی مذہب کی عینک لگا کر دیکھتا ہے۔ اسی لئے دوسرے مذاہب جو یہاں رائج ہیں، اپنی اصلی ماہیت تبدیل کر کے شنتو مذہب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس مذہب کا ایک نہایت عمدہ اثر یہ ہے کہ متحد النسل ہونے کا خیال اور ارواح پرستی کا عقیدہ حبِّ قومی اتحاد اور اتفاق کے جذبات کے زبردست محرک ہیں۔

شنتو مذہب نہ الہامی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے نہ اُس کے پاس مقدس کتابیں ہیں نہ یہ کوئی اخلاقی یا سماجی قانون پیش کرتا ہے۔ نہ الٰہیات ما فوق الطبیعات کے مسائل پر بحث کرتا ہے۔ غرض یہ کہ بمشکل اس کو مذہب کہا جا سکتا ہے۔ فی الحقیقت وہ وطن پرستی حب قومی اور استحسان وتشکر کا مجموعہ ہے۔ اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ "ملکی قانون کی سختی سے پابندی کرو۔ اس کے علاوہ جو دل چاہے کرو"

اسی تربیت کا اثر ہے کہ جاپان میں قانونی واخلاقی جرائم کا ارتکاب نسبتاً کم ہے بالخصوص اپنے وطن سے باہر جاپانی اس معاملہ میں بے حد محتاط ہیں۔ چنانچہ شانگھائی کی

بین الاقوامی بندرگاہ کے پولس کمشنر نے اپنی ایک رپورٹ میں اس کی شہادت دی ہے کہ جاپانی شاذونادر کسی قانونی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اگرچہ شنتو مذہب میں بے شمار دیوتا ہیں۔ مگر مورتوں کی پوجا نہیں ہوتی۔ اس مذہب کے مندروں میں دیوتا کی جگہ صرف ان گھڑ پتھر یا ٹھیکریاں پڑی رہتی ہیں اور آئینہ یا کاغذ کے ٹکڑے لٹکتے ہیں۔

اس مذہب کی عبادات بھی بہت سیدھی سادی ہیں۔ مقدس پانی میں منہ اور ہاتھ دھو کر عبادت گاہ کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ گھنٹی بجاتے ہیں، یا تالی بجاتے ہیں۔ ایک یا دو پیسہ نذر چڑھاتے ہیں اور ہاتھ باندھ کر کچھ دعا پڑھتے ہیں۔ پھر سر جھکا کر رخصتی سلام کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

دعا ہمیشہ دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اخروی نجات کے لئے نہیں ہوتی۔

اس مذہب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مذہب کا سب سے بڑا پیشوا بلکہ دیوتا خود شاہنشاہ ہوتا ہے جس کی پرستش لازمی ہے۔ جس کے چہرے پر نظر کرنا اور جس کے جسم کو مس کرنا بدترین گناہ ہیں۔ جاپانی عام گفتگو میں شاہنشاہ کا ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی دوسری قوم کا آدمی اُن کے روبرو شاہنشاہ کے متعلق گستاخانہ لہجہ اختیار کرے تو سخت فساد کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔

۲-۳- کنفوشیئن اور بدھ مت

کنفوشیئن اور بدھ مت بالترتیب تیسری اور چھٹی صدی عیسوی میں چین سے آئے

شنتو مذہب کے بعد ان مذاہب کا اثر بھی نہایت وسیع اور راسخ ہے۔ موجودہ جاپانی تہذیب و تمدن ان ہی دونوں مذاہب کا رہین منت ہے۔ صدہا سال سے جاپانی ارباب غور و فکر کے خیالات۔ ان کا لٹریچر اور فنون لطیفہ سب کا سرچشمہ ان ہی مذاہب کا فلسفہ اور

حکمت ہے۔ اور جاپانی قوم کے جذبات پر بھی آج تک ان ہی کی حکومت ہے۔ مگر ان کے عمیق فلسفیانہ خیالات میں غوّاصی خواص کا حصہ ہے۔ عوام محض ان کی ظاہری شکل عبادات وعقائد سے بہرہ مند ہیں۔

کنفوشین مذہب نے ارواح پرستی کو تقویت دی۔ اور بدھ مت نے تناسخ اور دنیا کی بے ثباتی کے خیالات کو پرورش کر کے قوم میں مادّی لذائذ سے بے پرواہی۔ بلند نظری علو ہمت اور متانت پیدا کر دی۔

بدھ مت کے مندر بھی ملک میں بکثرت ہیں۔ اور بعض مقامات پر گوتم بدھ کے کوہ پیکر بت موجود ہیں جن میں کماکورہ اور نارہ کے بت بالخصوص مشہور ہیں۔

بدھ مت کے مندر عموماً نہایت وسیع۔ بلند اور قدیم ہیں۔ ان کا فن تعمیر چینی ہے مگر بعض محققین نے ان میں قدیم ہندوستانی اور ایرانی طرز تعمیر کے آثار بھی پائے ہیں ہر مندر کے سامنے ایک مخصوص شکل اور سُرخ رنگ کا دروازہ ضرور ہوتا ہے۔ جس کو توری کہتے ہیں۔ ان مندروں میں بکثرت بھکشو اور بھکشنیں مقیم رہتی ہیں۔

بدھ مت اس ملک میں اگرچہ چین سے آیا۔ لیکن اس کی بدولت جاپانی زبان میں سینکڑوں ہندی نژاد الفاظ مخلوط ہو گئے ہیں۔ جو بانی مذہب کے وطن کا پتہ بتاتے ہیں۔

بدھ مت کا عقیدہ ہے کہ کائنات دھوکہ ہے۔ موجودہ زندگی غیر محدود مسافت میں ایک لحظہ کے لئے قیام ہے۔ خواہشات میں گرفتار رہنا گمراہی ہے۔ کائنات کی ہر شے قابل زوال ہے۔ اور ہر لحظہ ان میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔

ان عقائد ہی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی معاشرت میں ہر شے عارضی اور غیر مستقل نظر آتی ہے۔ اس ملک میں ہر چیز کی خوبی کا معیار حسن اور آرٹ ہے۔ پائداری اور استقلال نہیں۔

پھوس کی زیرپائیاں پہنکر مسافر راستہ طے کرتے ہیں یہ زیرپائیاں ایک منزل تک

پہنچتے پہنچتے ٹوٹ جاتی ہیں۔ ہر منزل میں پہلی زیر پائیاں پھینک دیتے ہیں، اور نئی پہن لیتے ہیں۔ جاپانی لباس قطع و برید کی زحمت سے آزاد ہوتے ہیں۔ پورے پورے عرض کے لمبے لمبے ٹانکوں سے جوڑ لیتے ہیں اور پھر جب کبھی اس لباس کو دھونے کی ضرورت پیش آتی ہے تو ٹانکے ادھیڑ کر علیحدہ علیحدہ ٹکڑے کر لئے جاتے ہیں۔ چمچے کی جگہ جو لکڑی کی تیلیاں استعمال کرتے ہیں صرف ایک وقت کھانا کھا کر ان کو پھینک دیتے ہیں۔ کاغذ کے درو دیوار سال میں دوبار اور چٹائیاں دو سال میں ایک بار بدل دی جاتی ہیں۔

بود و باش کے مکانات لکڑی کے خیمے ہوتے ہیں۔ جو چند روز میں بن کر تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر یا تو آگ، زلزلے، یا سیلاب سے تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رہے تو چودہ پندرہ برس میں خود ہی اس کی لکڑیاں گل سڑ کر مکانات از سر نو تعمیر کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جاپانی شہروں کی ہیئت کذائی چند سال کے اندر بالکل بدل جاتی ہے۔ معدودے چند قلعوں یا مندروں کو چھوڑ کر تمام آثار قدیمہ پرانے ہونے سے پہلے ہی فنا ہوتے رہتے ہیں۔ اور جو آثار قدیمہ اس ملک میں بتائے جاتے ہیں اُن کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ اصلی قدیم عمارات کی ہو بہو نقل ہیں جن کی تجدید ہر پندرہ بیس سال کے بعد ہوتی رہتی ہے۔ جاپان کی مختصر تاریخ میں ساٹھ بار پایۂ تخت تبدیل ہو چکا ہے۔ اور ان میں سے ہر شہر بیشمار بار تعمیر ہوا ہے۔ چنانچہ موجودہ ٹوکیو کی زندگی صرف ہشت سالہ ہے، کیونکہ ۱۹۲۳ء میں زلزلہ کے باعث تمام شہر تباہ ہو چکا ہے۔

غرضیکہ اسی قسم کی سینکڑوں مثالیں جاپانی زندگی سے پیش کی جا سکتی ہیں جو بدھ مت کے نظریۂ حیات کو واضح کرتی ہیں۔

۴۔ عیسائی مذہب

سولھویں صدی کے نصف آخر میں پرتگیزوں نے اس مذہب کی تبلیغ جاپان میں شروع کی اور ابتداءً بڑی



جاپانی گھر کا اندرونی حصہ ۔ عورتیں سبقے پرونے میں مشغول ہیں

کامیابی ہوئی۔ مگر مذہبی تبلیغ کے پیچھے چونکہ سیاسی اغراض پوشیدہ تھیں، اس لئے جلد ہی راز افشا ہو گیا۔ جاپانی قوم پرست کے نزدیک قومی آزادی سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں۔ اس لئے عیسائیت کو غلامی کا جال سمجھ کر پارہ پارہ کر ڈالا گیا۔ ہزاروں عیسائی قتل ہوئے۔ ہزاروں نے ترک مذہب کیا۔ عیسائیت کے مقدس نشان صلیب اور مسیح و مریم کے مجسموں کو پامال کیا گیا، اور عیسائی مذہب اختیار کرنا جاپانیوں کے لئے قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔

انیسویں صدی کے آخر میں یہ قانون منسوخ ہوا۔ اور مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا گیا اُسوقت سے ابتک یورپین اور امریکن مشن ملک میں تبلیغی کام کر رہے ہیں۔ اور اس غرض سے بیدریغ روپیہ صرف کیا جا رہا ہے۔ مگر عیسائی مذہب اختیار کرنے والوں کی تعداد میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا۔ جو لوگ عیسائی مذہب قبول کر چکے ہیں وہ عیسائیت میں اپنے قومی مذہب شنتو کے خیالات کو ضرور شامل رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک جاپانی مدبّر کا قول ہے کہ "جاپان ہر غیر ملکی مذہب کے لئے کشادہ آغوش ہے۔ مگر کسی مذہب کو اس کی اصلی شکل میں بغیر مقامی اور قومی خیالات کی آمیزش کے قبول نہیں کر سکتا۔"

گذشتہ پچاس سال میں جاپان یورپ و امریکہ کے مابین جو اختلاط ہو رہا ہے اور یورپین تہذیب کی مادی تقلید میں جاپان نے اپنی حیات کا راز مضمر دیکھ کر اُس تہذیب کے خارجی رنگ کو جس سرعت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے کی جدوجہد کی ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب سے بے پروائی اور مادہ پرستی روز بروز ترقی پر ہے، اور اس کا نام آزاد خیالی رکھا جاتا ہے۔

میرے لئے یہاں کے مذاہب کے متعلق سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں میں مذہبی اختلافات اور تنازعات النادر کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ ساری قوم ہمخیال ہے۔ مذہبی تعصب اور رواداری دونوں اس ملک میں بے معنیٰ باتیں ہیں۔

توہم پرستی

جاپانی خواہ بظاہر کسی مذہب کا پابند ہو جائے۔ لیکن وہ مذہب کی فلسفیانہ پیچیدگیوں اور عقائد کی موشگافیوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے، اور احکام کی پابندیوں پر عمل کرنے سے معذور۔

جاپان میں مذہب کا مفہوم دنیا بھر سے نرالا ہے۔ اس ملک میں مذہب کوئی زندہ طاقت نہیں ہے۔ یہ قوم وطن پرستی اور شاہنشاہ کی وفاداری میں ہر وقت بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ مگر مذہب کے نام پر اپنا قومی شعار بھی نہیں چھوڑ سکتی مذہب کی خاطر جان لینا یا جان دینا تو بالکل خارج از بحث ہے۔ ان کو اپنی قومی روایات اس قدر عزیز ہیں کہ مغربی تہذیب کی تقلید۔ مادہ پرستی کے زور اور تعلیم عوام کے رواج کے باوجود بھی ان کی قدیم توہم پرستی میں ایک ذرّہ برابر کمی نہیں ہوئی ہے۔ ایک طرف اس توہم پرستی پر شدّومد سے عامل بھی ہیں، دوسری طرف اس کا خود ہی تمسخر کرتے ہیں اور دوسروں پر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان امور پر ان کو یقین نہیں ہے۔

جاپانی بھوت پریت اور ارواح خبیثہ سے بہت ڈرتے ہیں اور اُن کی بے شمار اشکال پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے اثر سے بچنے کے لئے چڑھاوے چڑھاتے منتر پڑھتے اور تعویذ باندھتے ہیں۔ مگر لوگ اپنے جسم پر یہ تعویذ نہیں باندھتے بلکہ گھروں کے دروازوں اور دیواروں یا درختوں پر لٹکاتے ہیں۔ یا کھیتوں پر زیر زمین دفن کرتے ہیں۔ یا سفر پر جانے والے جو عصا ہاتھ میں لے کر چلتے ہیں اُس پر باندھتے ہیں۔ ان تعویذوں کی

شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور فائدے بھی جدا جدا۔ بعض کاغذ کی پتلی پتلی دھجیوں کو موڑ کر بنائے جاتے ہیں۔ بعض باریک باریک تنکوں سے بنتے ہیں۔

دنوں اور تاریخوں کے سعد و نحس ہونے پر بھی یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں اور بعض مخصوص اعمال سے مخصوص اوقات میں منع کرتے ہیں۔ مثلاً نوروز کو گھر میں جھاڑو نہیں دیتے۔ سال میں ایک تاریخ کو عورتیں سینی پروتی نہیں۔

شگون پر بھی ان لوگوں کا عقیدہ ہوتا ہے۔ جس جگہ یتیم بچہ یا بیوہ بیٹھی ہو وہ جگہ جب تک تین بار جھاڑ نہ لیں اس پر نہیں بیٹھتے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ایسا کرنے سے انسان مصائب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

بعض امراض میں چھوت کا خیال بھی نہایت پختہ ہے۔ مثلاً جذام و برص میں لوگ اپنے ماں باپ یا اولاد کو بھی گھر سے نکال دیتے ہیں۔ نوکتخدا عورت اگر دق و سل کے امراض متعدی میں گرفتار ہو جائے تو اکثر اُس کو طلاق مل جاتی ہے۔

جادو ٹونے بھی کرتے ہیں اور اُن پر یقین رکھتے ہیں۔ بالخصوص پُتلا یا تصویر بنا کر اُس کے اندر سوئیاں چبھونا یا کیلیں گاڑنا وغیرہ۔

جب ایک گھر میں ایک سال کے اندر دو موتیں ہو جائیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ تیسری موت بھی ضرور ہو گی۔ اس مصیبت سے بچنے کے لئے دو موتیں ہوتے ہی ایک پھوس کا پتلا بنا کر اُس کی قبر پہلی دو قبروں کے برابر چھوٹی سی بنا دیتے ہیں۔

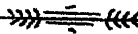
اعداد میں بھی بعض کو منحوس خیال کرتے ہیں۔ مثلاً چار کا عدد نہایت منحوس سمجھتے ہیں کیونکہ چار کے لئے جاپانی لفظ "شی" کے دوسرے معنی موت ہیں۔ اس لئے کبھی چار چیزیں تحفے میں نہیں دیتے

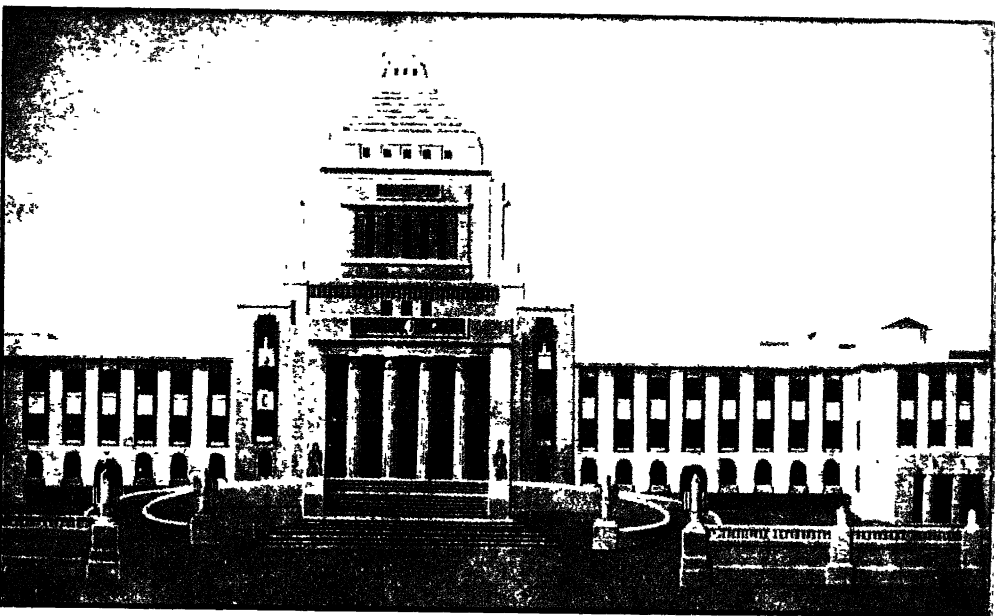
تحفہ جس برتن میں آتا ہے اُس کو خالی کبھی واپس نہیں کرتے۔ اگر کچھ اور ممکن نہ ہو تو ایک کاغذ کا ٹکڑا یا دیا سلائی ہی رکھ دیتے ہیں۔

یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر جن بھوت کا اثر ہو گیا ہے۔ بالخصوص جو بھوت لومڑی کی شکل میں مانا جاتا ہے۔ اکثر لوگ اس کے زیرِ اثر ہو جاتے ہیں۔

بعض مکانات پر بھی بھوت پریت کا اثر بتایا جاتا ہے۔ خصوصًا جن گھروں کے دروازے شرق رویہ نہیں ہوتے اِن کو منحوس سمجھتے ہیں۔ جو گھر عرصہ دراز تک خالی رہیں ان میں رہنے سے بھی ڈرتے ہیں۔ اکثر ایسے مکانات کے کرائے بھی کم ہو جاتے ہیں۔ اور جب کرایہ مکان اس کی حیثیت یا عام شرح سے بہت کم ہوتا ہے تو لوگ اپنے توہمات کی بنا پر اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ میرا پہلا مکان اسی قسم کا تھا۔ اس کا دروازہ بھی جنوب رویہ تھا۔ ایک عرصہ سے خالی بھی تھا اور کرایہ بھی کم تھا۔ لوگ ہنس ہنس کر اپنے شبہات اور توہمات کا اظہار مجھ پر کرتے تھے اور بعض متانت سے دریافت کرتے تھے کہ کچھ نظر تو نہیں آتا۔ کوئی غیر معمولی آواز تو سنائی نہیں دیتی۔ بحمد اللہ میں تو ان اثرات سے بالکل محفوظ رہا۔

بعض ٹونے ٹوٹکے بھی بہت عام ہیں۔ مثلاً جب کوئی مہمان ضرورت سے زیادہ دیر تک بیٹھتا ہے تو گھر کے کسی کونے میں الٹی جھاڑو کھڑی کر دیتے ہیں۔ یا مہمان کی کھڑاویں الٹ کر اس کے تلے پر سر کنڈے کا گودا جلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے مہمان جلد چلا جاتا ہے۔ یہ ٹوٹکا اتنا عام ہے کہ اس کی وجہ سے جاپانیوں میں عام عادت ہو گئی ہے کہ کسی دوسرے کے گھر سے رخصت ہوتے وقت جب کھڑاویں پہنتے ہیں تو ضرور اس کو الٹ کر دیکھ لیتے ہیں۔





جاپانی پارلیمنٹ - ٹوکیو

(۱۰) حکومت و سیاست

گذشتہ ڈھائی ہزار برس سے جاپان پر ایک ہی خاندان شاہی حکومت کر رہا ہے شاہنشاہیت اس خاندان کا پیدائشی حق ہے۔ شاہنشاہ جاپان جو غیر ممالک میں "می کاڈو" اور جاپان میں "تینو ہوکا" کہلاتا ہے۔ دنیوی حکمران بھی تسلیم کیا جاتا ہے اور مذہبی پیشوائے اعظم بھی۔ اصولاً وہ اپنے اختیارات شاہی میں مطلق العنان مانا جاتا ہے۔ مگر شاہنشاہ میجی نے اپنے اعلانِ شاہی مورخہ یکم اپریل ۱۸۸۹ء کے ذریعہ اپنی رعایا کو حکومت میں حصہ لینے کا اختیار عطا فرمایا۔ اس طرح جاپان مشروطہ حکومت قائم کرنے میں تمام ایشیائی ممالک پر سبقت لے گیا۔

نظام مشروطہ

حقوق شاہی موجودہ آئین حکومت کے لحاظ سے شاہنشاہیت ہمیشہ اسی موجودہ خاندان میں قائم رہے گی۔ اور قانونِ خانوادہ شاہی کی دفعات کے مطابق وراثتاً اسی شاہی خاندان کی پسری اولاد میں منتقل ہوتی رہے گی۔ شاہنشاہ کی ذات مقدس اور ناقابل تردید ہے۔ وہ سلطنت کا مالک اور حکومت کا حقدار ہے۔ مگر وہ موجودہ نظام مشروطہ کے مطابق حکومت کرے گا۔ شاہی پارلیمنٹ کی اجازت سے شاہنشاہ کو ملکی قانون بنانے کا اختیار بھی حاصل ہے۔ شاہنشاہ قانون بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ شاہنشاہ پارلیمنٹ قائم کرتا ہے۔ اس کا افتتاح کرتا ہے، اس کو بند کرتا ہے اور اس کو ملتوی کرتا ہے اور مجلس مندوبین کو فسخ کرتا ہے۔

جس وقت شاہی پارلیمنٹ کے اجلاس نہ ہو رہے ہوں تو شاہنشاہ کسی فوری ضرورت

کی وجہ سے امن عامہ قائم رکھنے یا کسی قومی مصیبت کو دفع کرنے کے لئے قانون کی بجائے شاہی آرڈنینس (فرمان) نافذ کرسکتا ہے۔ مگر ایسے شاہی آرڈنینس پارلیمنٹ کے سامنے آئندہ اجلاس میں پیش ہوتے ہیں اور اگر پارلیمنٹ ایسے شاہی آرڈنینس کو مسترد کردے تو حکومت ان کو آئندہ کے لئے منسوخ کردیتی ہے۔

پارلیمنٹ کے ساختہ قوانین کو نافذ کرنے یا امن عامہ قائم رکھنے یا رعایا کی بہبودی کے لئے شاہنشاہ آرڈنینس جاری کرسکتا ہے۔ مگر یہ آرڈنینس کسی نافذ شدہ قانون کو تبدیل نہیں کرسکتے۔

شاہنشاہ حکومت کے مختلف صیغوں کا نظام مقرر کرتا ہے۔ تمام عہدہ داروں کے تقرر و برخاستگی اور تعین تنخواہ کا اختیار بھی شاہنشاہ ہی کو حاصل ہے۔

افواج برّی و بحری کی آخری کمان بھی شاہنشاہ کے ہاتھ میں ہے اور اُن کی تعداد اور نظام کا تعین بھی شاہنشاہ ہی کرتا ہے۔

شاہنشاہ ہی جنگ و صلح کا اعلان کرسکتا ہے اور غیر ممالک سے معاہدہ کرتا ہے۔

شاہنشاہ ہی مراتب امارت، خطابات، تمغہ جات و دیگر اعزازات عطا کرتا ہے۔ اور مرحمت خسروانہ، معافی اور سزاؤں میں کمی کا مختار ہے۔

رعایا کے حقوق و فرائض

جاپانی رعایا کے لئے تمام ملکی و فوجی خدمات کھلی ہوئی ہیں۔ جاپانی رعایا پر تمام قانونی ٹیکسوں کی ادائیگی فرض ہے۔ جاپانی رعایا پر قانونی شرائط کے مطابق برّی یا بحری فوج میں خدمت لازمی ہے۔ جاپانی رعایا کا کوئی فرد بغیر قانونی وساطت کے گرفتار نہیں کیا جاسکتا، نہ محبوس رکھا جاسکتا ہے نہ سزایاب ہوسکتا ہے۔ نہ اُس کی خانہ تلاشی بغیر اس کی اجازت یا بغیر وارنٹ عمل میں آسکتی ہے۔ جاپانی رعایا کے جان و مال کی حفاظت بذمہ حکومت فرض ہے۔

جاپانی رعایا کو مذہبی عقائد کی آزادی حاصل ہے۔ بشرطیکہ کسی کے عقائد امن عامہ میں

مخل نہ ہوں۔

قانونی حدود کے اندر جاپانی رعایا کو تقریر و تحریر و اشاعت و انعقاد مجالس عوام کی بھی آزادی حاصل ہے۔

شاہی پارلیمنٹ

شاہی پارلیمنٹ دو مجالس پر مشتمل ہے۔یعنی مجلس امراء اور مجلس مندوبین۔

مجلس امراء کے اراکین کی تعداد کم و بیش چار سو ہوتی ہے۔تمام شہزادے اور مارکوئیس اور منتخب شدہ ۱۸ کاؤنٹ ۶۶ وائی کاؤنٹ اور ۶۶ بیرن۔شاہنشاہ کے نامزد کئے ہوئے ۱۲۵ اشخاص اور پبلک میں سے ۳۰۰ بڑے سالانہ ٹیکس ادا کرنے والوں کے نمائندے جن کی مجموعی تعداد ۶۶ ہوتی ہے اس مجلس اعلیٰ کے رکن ہوتے ہیں۔تمام شہزادے ۲۰ سال کی عمر سے تاحیات تمام مارکوئیس ۳۰ سال کی عمر سے تاحیات اس مجلس کے مستقل اور دوامی رکن ہوتے ہیں۔شاہنشاہ کے نامزد کردہ ممبر بھی دوامی ہوتے ہیں مگر تمام منتخب شدہ اراکین صرف سات سال کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔

مجلس مندوبین کے اراکین کی مجموعی تعداد ۴۶۶ ہوتی ہے۔جن کو کل ساڑھے چھ کروڑ کی آبادی میں سے ایک کروڑ انتیس لاکھ پچاس ہزار ووٹر منتخب کرتے ہیں۔

تمام جاپانی مرد جن کی عمر تیس سال سے کم نہ ہو مجلس مندوبین کی رکنیت کے لئے امیدوار ہو سکتے ہیں، اور تمام جاپانی مرد جن کی عمر پچیس سال سے کم نہ ہو رائے دہندگی کا حق رکھتے ہیں[1]۔

فارموسا کوریا اور سگھالین کے باشندوں کو حق رائے دہندگی و رکنیت حاصل نہیں ہے۔ان کے علاوہ تمام سلطنت کو ۱۱۹ حلقوں میں تقسیم کیا ہے۔اور ہر حلقہ

[1] آج کل عورتیں حق رائے دہندگی کے لئے بہت کوشاں ہیں۔مگر ہنوز اس حق سے محروم ہیں، اور بلا استثنا تمام مردوں کو بھی حق رائے دہندگی ۱۹۲۸ء ہی میں عطا ہوا ہے۔

اپنی آبادی و وسعت کے لحاظ سے ۳ سے ۵ تک اراکین منتخب کرکے مجلس مندوبین میں بھیجتا ہے۔ دیہی حلقوں سے ۳۵۲، اور شہری حلقوں سے ۱۱۴ ممبر منتخب ہوتے ہیں۔

مجلس امرا کے پریسیڈنٹ اور وائس پریسیڈنٹ اس مجلس کے اراکین میں سے شاہنشاہ سات سال کے لئے نامزد کرتا ہے، اور اس مدّت کے اختتام پر وہی اشخاص دوبارہ بھی نامزد ہو سکتے ہیں۔

مجلس مندوبین پریسیڈنٹ اور وائس پریسیڈنٹ کے عہدے کے واسطے اپنے ممبروں میں تین ممبر منتخب کرتی ہے۔ اور ان تینوں میں سے کسی دو کو شاہنشاہ پریسیڈنٹ اور وائس پریسیڈنٹ کے عہدے پر چار سال کے لئے مامور کرتا ہے۔

معمولی سالانہ اجلاس کا افتتاح آخر دسمبر میں ہوتا ہے۔ مگر اس سے کم از کم چالیس روز قبل رسم افتتاح مجلس امرا میں ادا کی جاتی ہے، اور شاہنشاہ خود شرکت کرتے ہیں اور تقریر فرماتے ہیں۔

اس کے بعد دونوں مجالس کے صدر اپنی اپنی مجالس کی جانب سے شاہنشاہ کی تقریر کا جواب دیتے ہیں۔ اس رسم کے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس چار ہفتے کے لئے بند رہتا ہے اور ۲۱ یا ۲۲ جنوری کو پھر شروع ہو کر آخر مارچ تک جاری رہتا ہے۔ مجلس امرا میں ایک جلسۂ اختتام کار کے لئے منعقد ہوتا ہے۔ شاہنشاہ کا پیغام اس جلسہ میں پڑھا جاتا ہے۔

اگر زمانۂ اجلاس کے دوران میں حکومت کی طرف سے پارلیمنٹ فسخ کر دی جائے تو اُس وقت سے پانچ ماہ کے اندر اندر دوسری پارلیمنٹ کا غیر معمولی اجلاس منعقد ہونا لازمی ہے۔ جب مجلس مندوبین فسخ کی جاتی ہے تو مجلس امرا خود بخود ملتوی ہو جاتی ہے۔ حکومت کو قانون کے ماتحت اختیار حاصل ہے کہ جس وقت چاہے پارلیمنٹ کو فسخ یا ملتوی کر دے۔

وضع قوانین کے متعلق دونوں مجالس کے حقوق یکساں ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بجٹ پہلے مجلس مندوبین کے سامنے پیش ہونا لازمی ہے۔ بظاہر مجلس امرائے کے اراکین کی حیثیت زیادہ مضبوط معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر دوامی ممبر ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ کابینہ وزارت مجلس مندوبین سے بہت زیادہ خائف رہتی ہے۔ اور اس کی طاقت اور اثر کو ہر وقت محسوس کرتی ہے۔

مجلس امرا کے اراکین یا تو خاندان شاہی کے افراد ہوتے ہیں یا اکثر پنشن یافتہ سابق ملازمین حکومت ہوتے ہیں جو فطرۃً حکومت کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں اور عوام کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتے۔

مجلس امرا میں اگرچہ سیاسی پارٹیاں نہیں ہیں لیکن آج کل اراکین چھے حلقوں میں منقسم ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ طاقتور "کین کیو پارٹی" ہے جو ۱۵۱۔ اراکین پر مشتمل ہے۔ اور اکثر مسائل میں مجلس کو اس کی رائے پر فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ مگر پھر بھی یہ اپنے آپ کو پولیٹکل پارٹی (سیاسی جماعت) کہنے سے گریز کرتے ہیں۔

مجلس مندوبین میں حالت بالکل مختلف ہے۔ وہاں بہت زبردست گروہ بندیاں ہیں۔ باہمی حمایت تو ان میں خوب ہوتی ہے، اور ملک میں ہر پارٹی اپنا پروپگنڈا بھی کرتی ہے۔ لیکن صحیح معنوں میں یہ بھی سیاسی جماعتیں نہیں کہلائی جاسکتیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد کسی مخصوص سیاسی نقطہ خیال پر قائم نہیں ہے۔

پارلیمنٹ کی ایک اور خصوصیت قابل بیان یہ ہے کہ انگلستان میں تو کابینہ وزارت دارالعوام کے زیر اقتدار ہوتی ہے۔ اگر دارالعوام میں وہ پارٹی کمزور ہو جائے جو کابینہ وزارت کی حامی ہے تو کابینہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر جاپان میں اس سے بالکل مختلف یہ صورت ہے کہ خود مجلس مندوبین کابینہ کے زیر اقتدار ہوتی ہے اور وہ اپنی قوت سے مجلس میں اپنے لئے اکثریت حاصل کر لیتی ہے۔ مجلس مندوبین کی یہ بہت بڑی کمزوری ہے جو

رفتہ رفتہ دور ہو گی۔ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ انگلستان کا نظام مشروطہ صدیوں کے تجربے و اصلاحات کا نتیجہ ہے اور جاپانی مشروطہ کی عمر ابھی نصف صدی بھی نہیں ہے۔

سیاسی پارٹیاں

"جیوتو" یا لبرل پارٹی تاریخ جاپان میں سب سے پہلی سیاسی پارٹی ہے جو "کاؤنٹ ایتاگاکی" اور ان کے ساتھیوں نے سن ۱۸۸۰ء میں قائم کی تھی۔ دو سال بعد سن ۱۸۸۲ء میں مارکوئس "اوکوما" نے "کائشنتو" (حامی ترقی) پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ان دونوں سیاسی پارٹیوں کا نصب العین آزادی اور ترقی کی حمایت کرنا تھا۔ مگر اوّل الذکر اپنے طریق کار میں زیادہ آزاد خیال تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد قدامت پسند اور حکومت پرست طبقے نے اپنی ایک علیحدہ پارٹی "تے سے توا" (امپیریلسٹ) کے نام سے قائم کی۔ مگر چونکہ عوام نے اس کی حمایت نہ کی۔ اسلئے سن ۱۸۸۴ء میں اس کی مختصر زندگی کا جام لبریز ہو گیا۔ جاپان کی سیاسی زندگی میں وہ بڑی کشمکش کا دور تھا، مگر شاہنشاہ میجی کی روشن خیالی اور رعایا پروری نے تمام مشکلات حل کر دیں۔ سن ۱۸۹۰ء میں نظام مشروطہ قائم ہو کر سب سے پہلی پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا۔

چند سال تک حکام پرست کابینہ وزارت اور پارلیمنٹ کی سیاسی جماعتوں کے درمیان سخت جنگ برپا رہی۔ مگر رفتہ رفتہ باہمی مفاہمت ہو گئی۔ سن ۱۹۰۰ء میں پرنس "ایتو" نے جاپان کی سب سے زیادہ طاقتور، منظم اور مشہور سیاسی جماعت "سیوکائی" قائم کر کے سیاسی تاریخ کا ایک نیا ورق الٹا۔ اس کی بدولت حکام پرست مدبرین اور رہبران جماعت کے درمیان مصالحت ہو گئی۔ اور سب سے پہلے "جیوتو" یا لبرل پارٹی نے پیش قدمی کر کے پرنس ایتو کی رہبری اور سیوکائی کے ساتھ مدغم ہونا منظور کر لیا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں "سیوکائی" جماعت حکومت میں بڑا اقتدار و اثر رکھتی تھی۔ مگر یہ حالت ہمیشہ برقرار نہ رہ سکی۔ سن ۱۹۱۴ء میں جب اسی جماعت کے لیڈر مسٹر "ہارا" مقرر ہوئے تو اس کا اقتدار زوال پذیر ہو چکا تھا۔ سن ۱۹۱۴ء ہی میں مارکوئیس اوکوما کی نئی کابینہ وزارت میں کاؤنٹ "کاتو"

وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ یہ کاونٹ "کاتو" ایک حریف سیاسی پارٹی موسومہ "کین سے ای کائی" کے لیڈر تھے۔ ۱۹۱۵ء میں اس کابینہ وزارت نے پچھلی مجلس مندوبین کو فسخ کرکے نیا الیکشن (انتخاب) کیا تو "کین سے ای" پارٹی نے اس میں اکثریت حاصل کرلی اور "سیوکائی" کو شکست ہوئی۔

۱۹۱۶ء میں اوکاما وزارت ٹوٹ گئی اور نئی وزارت کی حمایت کرکے پھر آئندہ الیکشن میں سیوکائی نے اکثریت حاصل کرلی۔ مگر اس جماعت کا اقبال ۱۹۲۰ء میں اپنے معراج کمال کو پہنچ گیا۔ مسٹر ہارا نے اکتوبر ۱۹۱۸ء میں خود وزیر اعظم ہوکر اپنا کابینہ وزارت مرتب کیا۔ اور ۱۹۲۰ء میں مجلس مندوبین فسخ کرکے نیا الیکشن کروایا۔ تو کل ۴۶۴ اراکین میں سے ۲۸۲ نشستوں پر سیوکائی پارٹی نے قبضہ کرلیا۔ اس طرح اس پارٹی کے کامیاب حریف "کین سے ای کائی" کے وقار کو سخت نقصان پہنچا اور مجلس مندوبین میں اُن کے اراکین کی تعداد صرف ۱۰۹ رہ گئی۔

۱۹۲۱ء میں مسٹر ہارا مر گئے اور ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک سیوکائی پارٹی سخت مشکلات میں مبتلا رہی اور بالآخر خود اس کے اراکین میں نفاق و افتراق پیدا ہوکر پارٹی کے دو حصے ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ اس نفاق نے ان کی اکثریت اور زور کو سخت نقصان پہنچایا اور ایک بار پھر ان کے حریف کامیاب ہوگئے۔

جن لوگوں نے سیوکائی سے علیحدگی اختیار کرکے ایک علیحدہ اپنی پارٹی موسومہ "سیوہنتو" بنالی تھی۔ انہوں نے اپنی کمزور پارٹی کا ۱۹۲۷ء میں طاقتور "کین سائی کائی" کے ساتھ الحاق کرلیا۔ اور متحدہ پارٹی کا نام "من سائی تو" قرار پایا۔

چنانچہ آجکل یہی سب سے طاقتور پارٹی ہے "سیوکائی" اور "من سائی تو" پارٹیوں کے علاوہ چند اور کمزور پارٹیاں حال ہی میں پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً جمہور پارٹی۔ مزدور پارٹی۔ کسان پارٹی وغیرہ فی الحال ان کے حامیوں کی تعداد مجلس مندوبین میں بہت قلیل ہے۔

اوران کا اثر کمزور ہے۔ مگر وہ وقت دور نہیں کہ یہ پارٹیاں حکومت پر اپنا زور جمالیں۔

مرکزی حکومت

کابینہ وزارت جاپانی "نائی کاکو" یا کابینہ وزارت دیگر متمدن ممالک کی کابینہ وزارت سے اصولاً بہت مختلف ہے۔ جاپان میں اراکین کابینہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہوں۔ یہ بھی لازمی نہیں کہ وہ مشہور سیاسی لیڈر ہوں۔ نہ کابینہ بالحیث المجموع نہ اُس کے اراکین فرداً فرداً اپنی پالیسی یا عمل کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار قرار دئے جاسکتے ہیں۔ کابینہ شاہنشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ ہے اور آئینِ حکومت کے مطابق شاہنشاہ کو جو اختیارات اور حقوق حاصل ہیں اُن کو وہ کابینہ وزارت کے ذریعہ عمل میں لاتا ہے۔ کابینہ سے جن امور سلطنت میں شاہنشاہ مشورہ طلب کرتا ہے۔ اُن کے متعلق کابینہ بہترین مشورہ دیتا ہے۔ کابینہ شاہنشاہ کی اجازت سے تمام شاہی اور معمولی آرڈیننس جاری کرتا ہے۔ غیر ممالک سے معاہدے کرتا ہے۔ جنگ و صلح کرتا ہے۔ غرض یہ کہ کابینہ حکومت کی مشین کا مرکزی پرزہ ہے۔

جب پبلک میں کابینہ وزارت اور اُس کی پالیسی سے مخالفت بڑھ جاتی ہے یا جب مجلس مندوبین میں کابینہ کو شکست ہوتی ہے تو وزیر اعظم یعنی صدر کابینہ مستعفی ہو جاتا ہے اور شاہنشاہ کسی دوسرے مدبر کو کابینہ ترتیب دینے کے لئے مقرر کرتا ہے مگر قدیم زمانے سے رواج چلا آتا ہے۔ کہ شاہزادگان میں سے ایک مخصوص خاندان کے ایک یا دو افراد مستقل مشیر شاہنشاہ مقرر ہوتے ہیں۔ جن کو "جینرو" کہتے ہیں۔ آج کل شاہزادہ "سیونجی" جینرو کے معزز عہدے پر فائز ہیں۔ اُن کا خاندانی حق ہے کہ نئے وزیر اعظم کا تقرر ان کے مشورے سے عمل میں آتا ہے۔ دیگر اہم امور سلطنت میں بھی

یہ شاہنشاہ کو مشورہ دیتے ہیں۔
وزیر اعظم خود اپنے ماتحت بارہ وزراء کا تقرر کرتا ہے۔ جو حکومت کے بارہ مختلف صیغہ جات کے افسرانِ اعلیٰ بھی ہوتے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔
(۱) وزیر خارجہ (گائے موشو) اس کے زیر نگرانی چار شعبے ہیں۔
(۱) ایشیائی شعبہ (۲) یورپین و امریکن شعبہ (۳) تجارتی شعبہ اور (۴) شعبہ معاہدہ جات۔ علاوہ بریں دو ماتحت دفاتر اور بھی ہیں۔ یعنی محکمہ خبر رسانی اور شعبہ تمدن چین۔
(۲) وزیر داخلہ (نامئے موشو) کے زیر نگرانی شعبہ جات معاہدہ۔ مقامی معاملات پولس۔ پبلک ورکس۔ حفظان صحت۔ سوشل بیورو۔ دفتر تعمیر و ترمیم وغیرہ ہیں۔
(۳) وزیر مال (اُوکوراشو) کی زیر نگرانی اکاؤنٹ۔ ٹیکس۔ فائننس اور بنکینگ کے شعبہ جات ہیں۔ ٹکسال اور سرکاری اجاروں کا دفتر بھی اسی کے ماتحت ہے۔
(۴) وزیر افواج برّی (ریکوگون شو)
(۵) وزیر افواج بحری (کائی گون شو)
(۶) وزیر معدلت (منسٹر آف جسٹس) کے ماتحت محکمہ دیوانی و محکمہ فوجداری
سی ہوشو
اور محکمہ جیل ہیں۔
(۷) وزیر تعلیمات (مومبوشو) کے متعلق چھ شعبہ ہیں۔ مخصوص تعلیم۔ تعلیم عوام تعلیم فنون۔ سوشل تعلیم۔ کتب خانے اور مذاہب۔
(۸) وزیر زراعت و جنگلات (نورین شو) کے ماتحت زراعت۔ جنگلات ماہی گیری۔ پرداخت مویشی اور سیری کلچر (ریشم کا کیڑا پالنا) کے متعلق پانچ مختلف محکمے ہیں۔
(۹) وزیر تجارت و حرفت (شوکو شو) کے ماتحت تجارت۔ حرفت اور کان کنی کے

شعبہ جات ہیں۔

(۱۰) وزیر رسل و رسائل (تاکشین شو) کے ماتحت ڈاکخانہ جات۔ تار۔ ٹیلیفون تجارتی بیڑہ اور ہوا بازی وغیرہ ہیں۔

(۱۱) وزیر ریلوے (تیسو دوشو)

(۱۲) وزیر مقبوضات و نوآبادیات (تاکوموشو)

مالیاتِ سلطنت

اس موضوع پر مفصل تنقیدی بحث کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے مگر ایسے اہم موضوع کو کلیتہً نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے صرف اعداد و شمار پر اکتفا کیا جاتا ہے جو سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء کے متعلق حکومت نے شائع کئے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء کے میزانیہ میں مجموعی آمدنی ایک ارب اٹھتالیس کروڑ بانوے لاکھ چوہتّر ہزار ین ہے۔ اور مجموعی خرچ ایک ارب اٹھتالیس کروڑ نواسی لاکھ تین ہزار ین ہے یعنی تین لاکھ ستر ہزار ین کی بچت[1] ہے۔ سال ماسبق سے مقابلہ کرتے ہوئے گیارہ کروڑ ترانوے لاکھ چوسٹھ ہزار ین کی کمی آمدنی میں اور گیارہ کروڑ ستّانوے لاکھ چھتیس ہزار ین کی کمی خرچ میں واقع ہوئی ہے۔

مختلف مدوں میں آمدنی کی تقسیم حسب ذیل ہے:۔

معمولی آمدنی

ٹیکس اور محصول ——— ۷۷،۸۲،۸۶،۰۰۰ ین

اسٹامپ و رسیدات ——— ۷،۳۰،۷۰،۰۰۰ ین

---

[1] ین کی قیمت معمولی حالت میں ایک روپیہ چھ آنے (عہ) کے برابر ہے۔

تجارتی محکموں اور سرکاری اجاروں سے آمدنی ۔۔۔ ۵۰،۱۱،۷،۰۰۰ ین

متفرق ــــــــــ ۔۔۔ ۴،۴۴،۹۶،۰۰۰ ین

مجموعی معمولی آمدنی ــــــــــ ۔۔۔ ۱،۳۹،۶۹،۷۰،۰۰۰ ین

غیر معمولی آمدنی ــــــــــ ۔۔۔ ۹،۲۳،۰۴،۰۰۰

کل مجموعہ ۔۔۔ ۱،۴۸،۹۲،۷۴،۰۰۰ ین

کل خرچ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سول ملازمین کی تنخواہیں۔	۔۔۔ ۴۵،۰۰،۰۰۰ ین
وزارت خارجہ۔	۔۔۔ ۱،۷۶،۰۷،۰۰۰
وزارت داخلہ۔	۔۔۔ ۱۴،۱۶،۱۲،۰۰۰
محکمہ مالیات۔	۔۔۔ ۳۲،۶۶،۸۲،۰۰۰
محکمہ جنگ۔	۔۔۔ ۱۸،۸۶،۱۹،۰۰۰
محکمہ افواج بحری۔	۔۔۔ ۲۱،۰۸،۷۴،۰۰۰
محکمہ عدالت۔	۔۔۔ ۳،۲۷،۷۴،۰۰۰
محکمہ تعلیم۔	۔۔۔ ۱۳،۸۲،۹۱،۰۰۰
محکمہ زراعت و جنگلات۔	۔۔۔ ۵،۶۹،۱۲،۰۰۰
محکمہ تجارت و حرفت	۔۔۔ ۱،۰۹،۲۰،۰۰۰
محکمہ ترسیل رسائل	۔۔۔ ۳۳،۳۲،۵۴،۰۰۰
محکمہ مقبوضات و نوآبادیات	۔۔۔ ۲،۶۸،۳۵،۰۰۰
کل مجموعہ	۔۔۔ ۱،۴۸،۸۹،۰۳،۰۰۰ ین

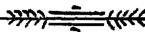
قومی قرضہ جات

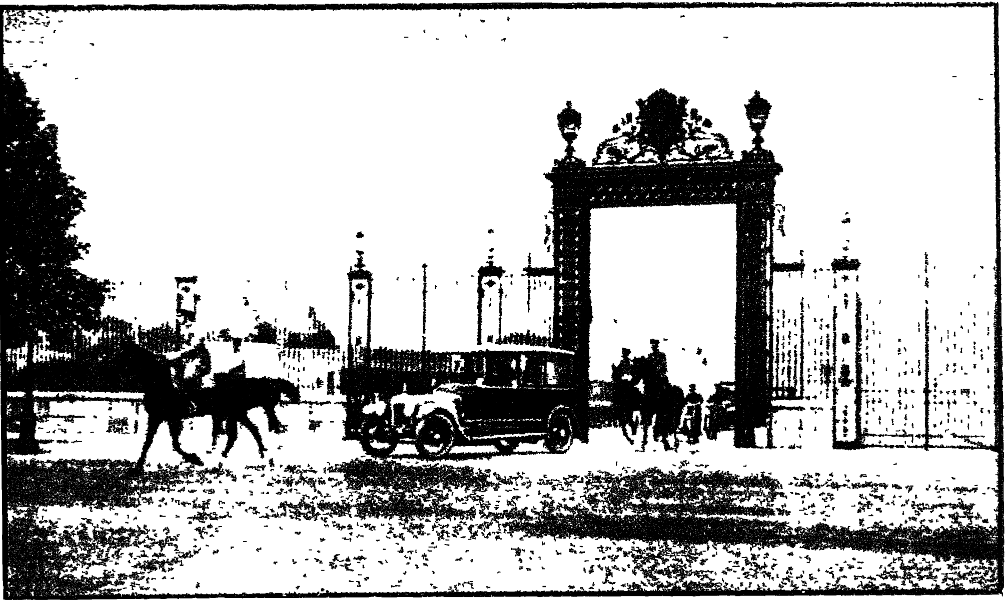
۱۸۶۸ء میں قومی قرضے کی مجموعی رقم صرف اڑتالیس لاکھ ین تھی۔ مگر ۱۸۷۲ء میں جب نئے نظام حکومت نے

سابقہ نظم جاگیرداری کو منسوخ کیا تو جاگیرداروں کو معاوضہ ادا کرنے کے لئے غیر ممالک سے قرض لیا۔ اس طرح قومی قرضے میں سترہ کروڑ تیس لاکھ ین کا اضافہ ہوا۔ جنگ چین کے لئے مزید چودہ کروڑ تیس لاکھ ین قرض لئے گئے۔ قرضہ کی مجموعی تعداد ۱۸۹۶ء میں پینتیس کروڑ دس لاکھ ین ہوگئی۔ اس کے بعد آنے والے دس سال میں اٹھارہ کروڑ اٹھہتر لاکھ ین قرض اور بڑھا۔ ۱۹۰۴ء میں جنگ روس نے مزید ایک ارب پچاس کروڑ کا اضافہ کرکے مجموعی تعداد دو ارب اٹھارہ کروڑ نوے لاکھ ین تک پہنچا دی۔ ۱۹۰۶ء میں ریلوے کو سرکاری قبضہ میں لینے کے لئے مزید ساٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ ین قرض لیا گیا۔

جنگ یورپ کے دوران میں قرضے میں کوئی اضافہ نہیں ہوا لیکن التوائے جنگ ہوتے ہی پھر اضافہ شروع ہوا حتیٰ کہ ۱۹۲۳ء میں اس کی مجموعی تعداد تین ارب اٹھاسی کروڑ ین ہوگئی۔ ۱۹۲۴ء کے زلزلے نے چون کروڑ پچاس لاکھ اور ۱۹۲۷ء کی اقتصادی ابتری نے ستر کروڑ ین کا مزید اضافہ کیا۔

۳۱ مارچ ۱۹۳۰ء کو قومی قرضے کی تعداد ۵,۹۵۹,۴۸۵,۰۸۷ ین تھی جس کا سالانہ سود انتیس کروڑ ین ہے۔





توکیو میں مغربی وضع کا محل جس میں شاہی مہمان قیام کرتے ہیں

موجودہ شہنشاہ کی مختصر سوانح حیات

اس باب کا افتتاح ہم نے شاہنشاہ جاپان کے حقوق واختیارات سے کیا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ شہنشاہ کی مختصر سوانح حیات پر اس باب کا خاتمہ ہو۔

ہز میجسٹی "ہیروہتو" موجودہ شاہنشاہ جاپان اپنے خاندان کے ایک سو چوبیسویں (۱۲۴) شاہنشاہ ہیں، اور اپنے پدر بزرگوار شاہنشاہ "یوشی ہیتو" آنجہانی کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔

آپ ۲۹ اپریل ۱۹۰۱ء کو پیدا ہوئے اور ۹ ستمبر ۱۹۱۲ء کو ولی عہد سلطنت نامزد ہوئے۔ اسی تقریب میں آپ بری و بحری افواج کے علیحدہ علیحدہ سب لفٹننٹ مقرر ہوئے اور جی سی سی کا معززترین خطاب حاصل کیا۔

مارچ ۱۹۲۱ء میں آپ یورپ کی سیاحت کے لئے روانہ ہوئے۔ ہر سلطنت نے آپ کے شایانِ شان آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ جاپان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ولی عہد نے سلطنت محروسہ کی حدود سے باہر قدم رکھا تھا۔ آپ کا سفر بہت مبارک اور کامیاب ثابت ہوا۔ ستمبر میں آپ نے مراجعت فرمائی۔ نومبر میں آپ اتالیق سلطنت مقرر ہوئے۔ کیونکہ آپ کے پدر بزرگوار نے امراض مزمنہ لاحق ہو جانے کے باعث امور سلطنت کی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۲۴ء کے موسم بہار میں آپ کی شادی شہزادی "ناگاکو" سے ہوئی۔

۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد آپ تخت نشین سلطنت ہوئے۔ آپ کے جلوس سے جاپان میں ایک نئے سن موسومہ شوآ کی بنیاد پڑی جس کا ۱۹۳۲ء میں ساتواں سال ہے۔

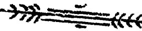
ملکہ جاپان اور اُن کی اولاد

ملکہ معظمہ شہزادہ جنرل کونی کی سب سے بڑی دختر بلند اختر ہیں۔ آپ ۶؍ مارچ ۱۹۰۳ء کو پیدا ہوئی تھیں۔ آپ کے بطن سے تین شہزادیاں ہیں۔

(۱) شی گے کو۔ تیرہ نومیا (تاریخ ولادت ۶؍ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(۲) کازوکو۔ تاکانومیا (تاریخ ولادت ۳۰؍ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(۳) اسوکو۔ یوری نومیا (تاریخ ولادت ۷؍ مارچ ۱۹۳۱ء)



(۱۱) تحفظ قومی

بارہویں صدی عیسوی سے ۱۸۶۵ء تک جبکہ نظم جاگیرداری منسوخ ہوا۔ سات سو برس فوجی خدمت سرانجام دینا ساموراری طبقہ کا پیدائشی حق سمجھا جاتا رہا۔ مگر جب مغربی اقوام نے اپنی فوجی قوت کا مظاہرہ کرکے جاپان کو بیرونی دنیا سے تجارتی تعلقات قائم کرنے پر مجبور کیا تو بالآخر جاپانیوں کو تحفظ قومی کے قدیم طریق تنظیم میں خامیاں نظر آئیں۔ مدبرین نے اپنے ملک کو غیروں سے محفوظ رکھنے کے لئے یورپ کے نظام فوجی کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ اور اسی نمونے پر اپنے ملک کا نظام قرار دیا۔ اس سلسلہ میں سابق مارشل "یاماگاتا" اور "اویاما" اور شہزادہ جنرل کتسورا نے بڑی نمایاں خدمات ملی سرانجام دی ہیں۔ ۱۸۸۴ء میں مارشل یاماگاتا ایک وفد لیکر یورپ گئے اور تمام دول عظمٰی کے فوجی نظام کی بالتفصیل تحقیق و تفتیش کی۔ پھر جرمنی کے نظام کو نمونہ بنا کر جبریہ فوجی خدمت جاپان میں رائج کی۔ جاپان نے ۱۸۸۵ء میں مشہور جنرل میکیل کی عارضی خدمات جرمنی سے حاصل کیں۔ جاپان کے بہترین سپہ سالار جن سے آئندہ آنے والی جنگ چین و جاپان (۱۸۹۴ء) اور جنگ روس و جاپان (۱۹۰۴ء) میں بڑے بڑے کارنامے ظہور پذیر ہوئے، جنرل میکیل کے تربیت یافتہ اور اُن کی غیر معمولی خداداد ذہانت کے ساختہ و پرداختہ تھے۔

سولہویں صدی تک جاپانی ملاح تجارتی اغراض کے لئے چین۔ جزائر شرق الہند سیام اور سواحل ہند تک پہنچتے تھے۔ مگر توکوگاوا کے عہد حکومت میں قانوناً جاپان سے باہر جانا ممنوع قرار پایا تو اس ملاح قوم کی قدرتی قابلیت دب کر رہ گئی حتیٰ کہ جب انیسویں صدی کے وسط میں امریکن جنگی جہاز جاپان آئے تو اس ملک کے پاس

سواحل کی حفاظت کے لئے ایک جنگی جہاز تک موجود نہ تھا۔ ان خوفناک امریکن جہازوں کو دیکھ کر اس قوم کو بحری طاقت قائم کرنے کی فوری ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ حکومت نے دس چھوٹے چھوٹے جہاز خریدے۔ مگر ۱۸۶۸ء میں جب شوگن اور حامیان شہنشاہ کے مابین جنگ ہوئی تو ان جہازوں میں سے آٹھ غرق کر دئے گئے۔ ۱۸۷۰ء میں نئی حکومت نے محکمہ جنگ قائم کیا۔ اور باقی ماندہ ٹوٹے پھوٹے بیڑے کو اس محکمہ کے ماتحت کر دیا۔ مگر دو ہی برس میں حکومت نے ۱۷ جہاز خرید لئے جن کا مجموعی وزن چودہ ہزار ٹن تھا۔ جاپان کی عظیم الشان موجودہ بیڑے کی یہی ابتدا تھی۔ رفتہ رفتہ بیڑے کی قوت بڑھتی گئی۔ ۱۸۹۴ء میں جنگ چین و جاپان کے وقت مجموعی وزن ۵۹۰۰۰ ٹن ہو گیا۔ اور ۱۹۰۴ء میں جنگ روس و جاپان کے وقت ۲۶۰۰۰۰ ٹن تک پہنچا۔ اس کے بعد اس تیزی سے وسعت ہوئی کہ ۱۹۲۱ء میں واشنگٹن کانفرنس کے وقت جاپانی بیڑہ میں پندرہ جنگی جہاز، ۷ جنگی کروزر، ۵۰ معمولی کروزر، ساحلی مدافعت کرنے والے جہاز۔ گن بوٹ۔ ۱۳۰ تارپیڈو کشتیاں اور ۳۰ آب دوز کشتیاں شامل تھیں جن کا مجموعی وزن سات لاکھ ستر ہزار ٹن تھا۔ ۱۹۰۴ء تک برّی فوج کا بحری فوج پر غلبہ تھا۔ اور بحری فوج صرف ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ مگر اس کے بعد دونوں کی حیثیت مساوی مانی گئی۔ اب جہاں تک وسعت کا تعلق ہے بحری قوت برّی قوت پر فوقیت رکھتی ہے اور اخراجات بھی بحری فوج کے زیادہ ہیں۔

کانسکرپشن یا جبریہ فوجی خدمت

جبریہ فوجی خدمت کا قانون ۱۸۷۳ء میں پاس ہو کر نافذ ہوا۔ اور ۱۹۲۷ء میں اس پر نظر ثانی کی گئی۔ اس کے مطابق ہر تندرست جاپانی مرد پر سترہ سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک فوجی خدمت لازمی ہے۔ مگر آج تک اس اصول پر عمل نہیں کیا گیا بیس سال کی عمر پوری ہوتے ہی ہر جوان کا جبریہ خدمت کے لئے معائنہ ہوتا ہے۔



جاپانی سپاہی

اس معائنہ یا امتحان میں جو لوگ نمبر اوّل پاس ہوتے ہیں وہ ایکٹو سروس کے لئے برّی فوج میں دو سال کے واسطے یا بحری فوج میں تین سال کے واسطے بھرتی ہو جاتے ہیں۔ ایکٹو سروس کی یہ مدّت پوری کر کے جوان فرسٹ ریزرو میں شامل کیا جاتا ہے۔ جہاں برّی فوج میں پانچ سال چار ماہ اور بحری فوج میں چار سال رہتا ہے۔ اس مدّت کو تمام کر کے سیکنڈ ریزرو میں شامل کیا جاتا ہے، جہاں برّی فوج میں دس سال اور بحری فوج میں پانچ سال رہتا ہے۔ اس طرح برّی فوج میں سترہ سال چار ماہ اور بحری فوج میں بارہ سال کی مجموعی خدمت انجام دینی پڑتی ہے اس کے بعد قومی فوجی خدمت کی فہرست میں چالیس سال کی عمر تک نام درج رہتا ہے، تاکہ اگر ضرورت لاحق ہو تو کام لیا جاسکے۔ جو لوگ داخلہ کے امتحان میں دوسرے درجہ میں پاس ہوتے ہیں وہ باقاعدہ بھرتی نہیں کئے جاتے، بلکہ صرف دو سال تک ٹریننگ کرنے کے بعد اُن کا نام "قومی فوجی خدمت" میں شامل کر کے کسی دوسرے پیشے کو اختیار کرنے کی اجازت دیدی جاتی ہے۔ جو لوگ ۶ سال سے زائد قید کے سزا یافتہ ہوں وہ برّی یا بحری فوج میں بھرتی نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ اس وقت تک دو سالہ جبریہ فوجی خدمت سے آزاد رہتے ہیں جب تک اپنی تعلیم پوری نہ کرلیں جو لوگ دماغی یا جسمانی خرابی کے باعث معذور ہیں اُن پر فوجی خدمت لازمی نہیں ہے۔

جاپان میں فوجی تربیت بچپن ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ پرائمری اسکول، مڈل اسکول اور ہائی اسکول میں ڈرل فوجی طریقے پر کرائی جاتی ہے، اور مڈل سے باقاعدہ بندوق سے نشانہ بازی سکھائی جاتی ہے، اور سال میں دوبار فوجی کیمپ قائم ہوتا ہے، جس میں فوجی نقل و حرکت کے طریقے اور مصنوعی جنگ کی مشق کرائی جاتی ہے۔

اس لئے ہر جوان جب بیس سال کی عمر میں کانسکرپشن کے لئے جاتا ہے وہ اُس کے لئے بڑی حد تک تیار ہوتا ہے۔ اور اسی لئے اگر ضرورت پڑے تو تقریباً کل آبادی کا

چھٹا حصہ فوجی خدمت کے لئے تیار ہوگا۔
۱۹۲۱ء میں واشنگٹن کانفرنس کے بعد ملک میں رائے عامہ بڑے شد و مد سے تخفیف اسلحات کی حمایت کرنے لگی اور بے شمار فوجی اخراجات کو ایک ناقابل برداشت بار خیال کرنے لگی۔ آخر میں مجلس سندوبین نے ۲۲-۱۹۲۱ء کے سشن میں فوجی اخراجات کے بجٹ میں چار کروڑ ین سالانہ کی تخفیف کا بل بغیر اختلاف پاس کر دیا۔ اور ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۴ء تک ایک ہزار آٹھ سو افسر چھپن ہزار جوان تیرہ ہزار سو اسی تخفیف میں آ گئے اس طرح تقریباً پینتیس کروڑ چالیس لاکھ ین کی بچت ہو گئی۔
۱۹۲۵ء میں پھر مزید تخفیف ہوئی اور سینتیس ہزار افسر و جوان فوجی خدمت سے علیحدہ ہو گئے۔ اس طرح تعداد میں جو کمی واقع ہو گئی تھی اس کو بہتر تنظیم کے ذریعہ پورا کیا گیا۔ ہوائی فوج۔ ٹینک۔ زہریلی گیس اور دیگر کیمیائی اسلحات کا اضافہ ہوا۔
موجودہ بری افواج سترہ ڈویژنوں اور دو لاکھ تیس ہزار افسروں اور جوانوں پر مشتمل ہے۔ جاپان کی موجودہ بحری قوت حسب ذیل ہے۔

	تعداد	وزن
بہت بڑے جنگی جہاز	۱۰	۳۲۰ و ۴۰۳ ٹن
چھوٹے جنگی جہاز	۲۳۲	۵۸۶ و ۲۵۴ ٹن

موخر الذکر میں ۳۱ کروزر ۱۰۴ ہلاک کن اور ۶۷ آب دوز کشتیاں وغیرہ شامل ہیں۔
دول عظام مزید تخفیف اسلحہ کے لئے زور دے رہی ہیں۔ لیکن جاپان موجودہ قوت کو کم کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے۔

مقبوضات ونوآبادیات

۱۸۹۴ء تک سلطنت جاپان صرف جزائر جاپان تک محدود تھی۔ سابقہ دو صدیوں میں بیرونی دنیا سے تعلقات منقطع کر کے جاپان نے کامل اندرونی و بیرونی امن و امان کی زندگی بسر کی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آبادی تیزی کے ساتھ بڑھتی رہی۔ بالآخر سب کے لیے فراہمی خورونوش دشوار ہوگئی۔ اور مدبّرین سلطنت کے لئے یہ نہایت پیچیدہ اور اور اہم مسئلہ بن گیا۔ انیسویں صدی کے وسط میں جاپان ایک انقلاب کا منتظر تھا کہ امریکن امیرالبحر کموڈور پیری ایک فرستادۂ خدا کی طرح منظر پر نمودار ہوکر اس انقلاب عظیم کا باعث بن گیا۔ جاپان نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا تو اس کو نظر آیا کہ دنیا کی دوسری اقوام وملل بھی اسی تنازع للبقا میں مبتلا ہیں۔ جس کی مصیبت کو وہ خود ایک عرصہ سے محسوس کر رہا تھا۔

جن لوگوں نے اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا وہ بھی اسی جوع الارض کو تسکین دینے کے لئے آئے تھے۔ اس لئے پہلے تو جاپان نے اپنے گھر کو محفوظ کیا اور لقمۂ اجل بننے سے خود کو بچایا۔ پھر سوچنے لگا کہ اگر طاقتور مغربی اقوام کو یہ حق حاصل ہے کہ کمزور اور خوابیدہ مشرقی اقوام کی آزادی سلب کر کے اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات زندگی کو پورا کریں تو خود جاپان کیوں اس حق سے محروم رہے وہ بھی اس شکار میں مغربی اقوام کا شریک کیوں نہ ہو جائے۔ مگر اول تو سفید اقوام اس شکار کو اپنا پیدائشی حق سمجھے ہوئے تھیں وہ ایک مشرقی رنگین قوم کو شریک بنانا کب گوارا کر سکتی تھیں۔ دوسرے جاپان اس صف میں سب سے پیچھے داخل ہوا تھا۔ وہ زمانہ گذر چکا تھا جب شکار آسانی سے پھنستا تھا۔ تر نوالے دوسرے لوگ ہضم کر چکے تھے

اور پس خوردہ تک باقی نہ تھا۔ ہاں مگر جاپان کی خوش قسمتی سے اُس کے قریب ہی چین کا بوڑھا دیو خوابِ خرگوش میں مدہوش پڑا تھا۔ بیسیوں گدھ ٹھونگیں مار مار کر اس کا سر کھجلا رہے تھے اور تکا بوٹی کر کے ہضم کر جانے کی فکر کر رہے تھے۔ جاپان نے حقِ ہمسائگی جتا کر اپنا حق طلب کیا۔ مگر بغیر اظہارِ قوت کون سنتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۴ء میں وہ وقت بھی آ گیا کہ جاپان نے اپنی قوت کے بھروسہ پر چین سے جنگ کر کے جزیرہ فارموسا۔ جزائر پسکاڈور لوچو اور جزیرہ نمائے لیوٹنگ پر قبضہ پایا۔ اور کوریا کو چین سے آزاد کرا دیا۔ مگر روس، فرانس اور جرمنی نے سازش کر کے جزیرہ نما لیوٹنگ روس کو دلا دیا۔ جہاں سے روس ایک طرف منچوریا اور منگولیا میں ریشہ دوانیاں کر سکتا تھا، اور دوسری طرف کوریا پر اقتدار جما سکتا تھا۔ دس سال بعد جاپان نے روس کو بھی شکست دے کر لیوٹنگ جزیرہ نما اور جزیرہ سنگھالین کے جنوبی نصف حصہ پر قبضہ پایا، اور کوریا میں اپنی حکم برداری قائم کی پھر چار سال بعد ۱۹۱۰ء میں کوریا کا مکمل الحاق کر لیا۔

جنگ یورپ میں جاپان نے اتحادیوں کا ساتھ دے کر بحر الکاہل میں جرمنی کے جتنے مقبوضات تھے اُن سب پر قبضہ کر لیا۔

یہ ہے جاپانی مقبوضات کی مختصر تاریخ جو اوپر بیان ہوئی۔ اب علیحدہ علیحدہ ان مقبوضات کے حالات بیان کئے جائیں گے۔

کوریا

جزیرہ نما کوریا ایشیا کے مشرقی ساحل پر جزائر جاپان کے بالکل بالمقابل واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۲۲۰۷۲۳ مربع کلومیٹر اور کل آبادی دو کروڑ دس لاکھ اٹھاون ہزار ہے۔ شمالی حصہ پہاڑی اور ناہموار ہے۔ مگر جنوبی حصہ میدان ہے۔ شمال میں دریا یولو اور دریائے تومین اسکو منچوریا سے جدا کرتے ہیں۔ اگرچہ کوریا تقریباً ان ہی عرض البلاد کے درمیان واقع ہے جن میں جزیرہ خاص ہانشو ہے۔ لیکن کوریا کا درجہ حرارت سردیوں میں ہانشو سے نیچا رہتا ہے۔ سال میں تقریباً چھ ماہ برف باری ہوتی ہے۔ تیز سرد ہوائیں

چلتی ہیں۔ لیکن گرمیوں میں ایسی ہی گرمی ہوتی ہے جیسی اطراف توکیو میں۔

کوریا کا سب سے بڑا شہر اور حکومت کا صدر مقام کیجو (سوئیل) ہے۔ آبادی تقریباً ۴ لاکھ ہے۔

فوزان سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ آبادی ڈیڑھ لاکھ ہے۔

ہیجو۔ شمال میں بڑا شہر ہے۔ آبادی ایک لاکھ چالیس ہزار ہے۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں جب کوریا کا الحاق ہوا تو کوریا کے شہنشاہ کو اٹھارہ لاکھ ین سالانہ پنشن دے کر توکیو بلا لیا گیا۔ اُن کے بھائی شہزادہ "ای کانگ" کو بھی جو ولی عہد تھے اور سنہ ۱۹۰۸ء سے بغرض تعلیم توکیو میں مقیم تھے توکیو ہی میں رکھ لیا گیا۔ اور اپریل سنہ ۱۹۲۰ء میں شاہنشاہ جاپان نے ان کی شادی ایک جاپانی شہزادی سے کردی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں سابق شہنشاہ کوریا کے فوت ہونے پر شہزادہ ای کانگ کوریا کے شاہی خاندان کے سردار تسلیم کرلئے گئے۔ اور اب سابق شاہنشاہ کی طرح یہ بھی اٹھارہ لاکھ ین سالانہ پنشن پاتے ہیں۔

کوریا کی حکومت ابتداءً بالکل فوجی نظام کے ماتحت تھی۔ مگر جب رعایا پر سخت مظالم ہوئے اور حکومت کی شکایت غیر اقوام کے کانوں تک پہنچ کر سخت بدنامی ہوئی تو سنہ ۱۹۱۲ء میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا گیا اور اس کے مشورہ سے آئندہ نظام میں اصلاحات ہوئیں۔ عملاً اب بھی بدستور سابق کوریا کا گورنر جنرل برّی فوج کا جنرل یا امیر البحر ہوتا ہے۔ اگرچہ اب اصولاً ایسا ہونا لازمی نہیں ہے۔ جو افواج برّی یا بحری ملک کے تحفظ اور قیام امن کے لئے کوریا میں مقیم رہتی ہے اس کا کمانڈر اور امیر البحر براہ راست شہنشاہ مقرر کرتا ہے اور وہ گورنر جنرل کے ماتحت نہیں ہوتا۔ گورنر جنرل کو جب ضرورت ہو تو کمانڈر کی مدد حاصل کرسکتا ہے۔ مگر فوجی کمانڈر قیام امن کی غرض سے بغیر گورنر جنرل سے استصواب رائے کئے ملک میں فوجی قوت کا استعمال کرسکتا ہے۔

ملکی نظم و نسق کے معاملات میں گورنر جنرل کی مدد کرنے کے لئے ایک افسر جو انسپکٹر جنرل کہلاتا ہے مقرر ہوتا ہے۔ گورنر جنرل کے ماتحت ایک مجلس شوریٰ بھی ہے جو ایک صدر۔ ایک نائب صدر۔ پانچ مشیروں اور ۶۵ ممبروں پر مشتمل ہے۔ اور ممبر تمام کورین ہیں۔

فوجی اخراجات کا بار خالصۃً حکومت جاپان پر ہے۔ ملکی اخراجات تقریباً چوبیس کروڑین سالانہ ہیں۔ اس میں سے ڈیڑھ کروڑ جاپان دیتا ہے اور بقیہ خرچ ملکی محاصل اور قرضہ جات سے پورا ہوتا ہے۔

الحاق سے قبل کوریا میں تعلیم عام نہ تھی۔ صرف دس فیصدی لوگ تعلیم پاتے تھے اور اُن کو بھی نہایت قدیم طریقوں سے صرف چینی ادبیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ باقی لوگ جاہل رہتے تھے۔ جاپان نے یہ تو بڑا احسان کیا کہ پرائمری تعلیم عام اور لازمی کر دی اور اعلیٰ قسم کی تعلیم کو مروج کیا۔ سوئیل میں امپیریل یونیورسٹی قائم کی۔ مگر اس حد تک جبر و ناانصافی بھی کی کہ تعلیم جاپانی زبان میں دینا لازمی قرار دے دیا۔ تاہم کورین اور جاپانی بچے ایک ہی مدارس میں تعلیم پاتے ہیں۔ نسلی امتیاز و تعصبات نہیں برتے جاتے۔

کورین قوم ایک قدیم تہذیب کی حامل تھی اور پرانے زمانے میں اپنی مخصوص اور بے نظیر صنّاعی کے لئے مشہور تھی۔ مگر جہالت۔ تعصب۔ نفاق۔ کاہلی جیسے عیوب نے یہ دن دکھایا کہ آزادی جیسی نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تاہم یہ گراں قیمت ادا کر کے ملک نے امن و امان۔ جان و مال کی حفاظت اور تمدن جدید کی نئی آسانیاں ایک غیر اور حکمران قوم کی بدولت حاصل کیں۔

پیداوار کوریا میں چاول، جو ایک قسم کی دال۔ کپاس اور تمبا کو پیدا ہوتا ہے۔ لوہا۔ کوئلہ۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ ابرق۔ سیپ۔ کانوں سے نکالے جاتے ہیں۔ جنگلات سے لکڑی۔ سمندر سے بحری پیداواریں مچھلیاں گھونگے

سمندری گھاس جو یہاں کے لوگ اور جاپانی کھاتے ہیں حاصل ہوتی ہیں۔ مویشی پالے جاتے ہیں۔ اِن سے سوکھا ہوا گوشت اور کھالیں تیار کی جاتی ہیں۔ اور ان ہی اشیاء کی برآمد ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں تجارت برآمد کی قیمت ستائیس کروڑ پینسٹھ لاکھ ین تھی۔ اس میں سے جاپان کو پچیس کروڑ ین کا مال اور چین کو ڈھائی کروڑ ین کا مال اور بقیہ دوسرے ممالک کو بھیجا گیا۔ مشینیں اور دیگر مصنوعات کی درآمد ہوتی ہے جس کی قیمت سنہ ۱۹۳۰ء میں چھتیس کروڑ ستر لاکھ ین ہوئی۔ اس میں سے ستائیس کروڑ بیاسی لاکھ ین کا مال جاپان سے آیا۔ چھ کروڑ کا مال چین سے آیا اور بقیہ دوسرے ممالک سے آیا۔

تیوان (فارموسا) جزیرہ تیوان ساحلِ چین کے قریب ۲۱ درجہ ۴۵ دقیقے عرض البلد شمالی سے ۲۵ درجہ ۳۸ دقیقے عرض البلد شمالی تک اور ۱۱۹ درجہ ۱۸ دقیقے طول البلد مشرقی سے ۱۲۲ درجہ طول البلد مشرقی تک پھیلا ہوا ہے۔ کل رقبہ چھتیس ہزار مربع کیلومیٹر یعنی جزیرہ نما کیوشو کے برابر ہے آبادی قریباً چھیالیس لاکھ ہے۔ اس تعداد میں سوا دو لاکھ جاپانی ہیں اور تینتالیس ہزار غیر ملکی ہیں۔ باقی ملکی باشندے ہیں۔ جو چینی نسل سے ہیں۔ مندرجہ بالا تعداد کے علاوہ جزیرہ پر ایک لاکھ چھیالیس ہزار وحشی اقوام بھی آباد ہیں۔ جو ملایا نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ وحشی اقوام دو حصوں پر منقسم ہیں۔ شمالی و جنوبی۔ شمالی قبائل خونخوار مردم آزار ہیں۔ غیروں کا سر کاٹنا ان کا مذہب ہے۔ جس قدر زیادہ آدمیوں کے سر کوئی جوان کاٹتا ہے اتنی ہی وحشیوں میں عزت پاتا ہے۔ بعض قبائل بندوقوں کا استعمال جانتے ہیں اور کرتے ہیں۔ ان کو مطیع اور امن پسند بنانے کے لئے جاپان کو پندرہ لاکھ ین سالانہ صرف کرنے پڑے۔ سنہ ۱۹۲۹ء تک ان قبائل سے تینتیس ہزار بندوقیں واپس لی گئیں اور اس عرصہ میں ان خونخوار قبائل کے ہاتھوں سات ہزار جاپانیوں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ اب حالت بہت امید افزا ہے۔ بیشتر قبائل نے اطاعت قبول کر لی ہے

اور اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام حکومت کی طرف سے کر دیا گیا ہے۔ جو قبائل ہنوز سرکش ہیں اُن کی آبادی کے گرد بجلی کا تار ڈال دیا گیا ہے، تاکہ باقی رعایا اُن کی آفت سے محفوظ رہے۔

شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے سلسلہ کوہ سے یہ جزیرہ دو حصّوں میں منقسم ہے مشرقی حصّہ پہاڑی ناہموار اور ناقابل زراعت ہے، مگر جنوبی ڈھال ہموار اور زرخیز ہے۔ دریاؤں کی لمبائی کم مگر رفتار نہایت تیز ہے۔ آب و ہوا گرم و مرطوب ہے۔ اور بنگال سے ملتی جلتی ہے۔ موسم گرما بہت طویل ہوتا ہے۔ درجہ حرارت اس موسم میں شاذونادر ۹۶ درجے سے کم ہوتا ہے۔ جولائی اگست میں موسمی ہواؤں سے خوب بارش ہوتی ہے۔ مگر شمال مشرقی حصّہ میں موسم سرما میں کافی بارش ہوتی ہے۔ سردی نسبتاً کم ہوتی ہے برفباری صرف پہاڑی چوٹیوں پر ہوتی ہے۔

حرارت و رطوبت کی زیادتی اور زمین کی زرخیزی کے باعث نباتاتی و حیوانی زندگی کی افراط ہے، چاول، دال، اروی، نیشکر، چائے، سن، نیل، سنترے، کیلے انناس بکثرت پیدا ہوتے ہیں، اور جاپان بھیجے جاتے ہیں۔

زراعت آرہ کشی، ماہی گیری، کان کنی، شکر سازی اور چائے سازی جزیرے کے خاص خاص صنائع اور پیشے ہیں۔

افیون، نمک، کافور، اور تمباکو پر حکومت کی اجارہ داری ہے۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں ۲۴ کروڑین کا مال باہر بھیجا گیا اور ۱۷ کروڑ کا مال درآمد ہوا۔ اس میں ۲۲ کروڑین کی برآمد اور ساڑھے بارہ کروڑ کی درآمد جزائر جاپان سے ہوئی۔

نظام حکومت کوریا سے ملتا جلتا اور ایک گورنر جنرل کے ماتحت ہے جس کا صدر مقام "تے ہاکو" ہے۔ جزیرے پر یہ سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی سوا دو لاکھ ہے۔ باقی شہروں کی آبادی ایک لاکھ سے کم ہے۔ کیلانگ سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔

جس کی آبادی پچھتر ہزار ہے۔

کرافوتو (جنوبی سنگھالین)

جزیرۂ کرافوتو بحیرۂ اوکٹسک میں واقع ہے۔ نہایت تنگ خلیج ٹارٹری اس کو ساحل ایشیا سے جدا کرتی ہے۔ اور آبنائے "سویا" جو صرف ۲۳ میل چوڑی ہے۔ اس کو جزیرۂ ہوکیڈو سے علیحدہ کرتی ہے۔ اس کا رقبہ چھتیس ہزار مربع کلومیٹر ہے اور آبادی صرف دو لاکھ پچانوے ہزار ہے۔ جس میں دو لاکھ چوراسی ہزار چار سو جاپانی۔ آٹھ ہزار کوریں۔ دو ہزار جزیرے کے اصلی باشندے اور باقی غیر ملکی ہیں۔ اصلی باشندے "اینو" اور دیگر قدیم اقوام ہیں جو تیزی کے ساتھ تعداد میں گھٹ رہی ہیں۔ حکومت کا صدر مقام تویوہارا ہے۔ جس کی آبادی صرف اڑتالیس ہزار ہے۔ مگر سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ "اُتومارِی" ہے۔ جس کی آبادی چھپن ہزار ہے۔ مرکزی حکومت ایک گورنر کے ہاتھ میں ہے۔

آب و ہوا نہایت سرد ہے۔ سالانہ اوسط درجۂ حرارت ۳۸ درجہ فارن ہیٹ ہے۔ تھرمامیٹر کا پارہ سرما میں نقطہ انجماد سے چالیس درجے نیچے رہتا ہے۔ گرما میں زیادہ سے زیادہ ۹۱ درجے تک پہنچتا ہے۔ اس قدر سردی ہونے کے باعث زراعت کی حالت اچھی نہیں۔ اگرچہ حکومت جزائر جاپان سے کسانوں کو لاکر یہاں آباد کر رہی ہے۔ ماہی گیری۔ آرہ کشی۔ کان کنی، اور مویشی پالنا جزیرے کے خاص پیشے ہیں۔

جنوبی منچوریا

سنہ ۱۹۰۵ء میں بموجب معاہدہ پورٹسمتھ روس نے جنوبی منچوریا میں اپنے جملہ حقوق علمبرداری بحق جاپان منتقل کر دیئے۔ ابتدائً یہ علمبرداری یا اجارہ داری صرف سنہ ۱۹۲۳ء تک کے لئے تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۱۵ء میں تجدید معاہدہ ہونے کے بعد اب سنہ ۱۹۹۷ء تک جاری رہے گی۔ جزیرہ نمائے لیوٹنگ کا جنوبی حصہ جو صوبہ کانٹنگ کہلاتا ہے۔ اور جنوبی منچوریا ریلوے کا علاقہ اس اجارہ داری میں شامل ہے۔

کل رقبہ تین ہزار سات سو بیالیس مربع کلو میٹر ہے۔ کل آبادی تیرہ لاکھ اٹھائیس ہزار ہے اس میں دس لاکھ اکیاسی ہزار چینی اور دو لاکھ چوالیس ہزار جاپانی بقیہ تین ہزار غیر ملکی شامل ہیں۔

حکومت ایک گورنر کے ماتحت ہے جو ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کے بعد لازمی طور پر سول افسر ہوتا ہے۔ گورنر کا تقرر شاہنشاہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور رعایا کی جان و مال کی حفاظت کرنے کے علاوہ جنوبی منچوریا ریلوے کے نظم و نسق کا بھی ذمہ دار ہے۔ معاہدہ کی رو سے جاپان اس علاقے میں ۱۶ بٹیلین رکھنے کا حقدار ہے۔ ہر ایک بٹیلین میں ۲۱ افسر اور ۶۱۷ جوان ہوتے ہیں۔ کل فوج کا تبادلہ ہر دو سال کے بعد ہوتا رہتا ہے۔ ان افواج کا کمانڈر ہمیشہ جنرل ہوتا ہے۔ اس کا تقرر خود شہنشاہ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ براہ راست محکمہ جنگ کے ماتحت کام کرتا ہے

ڈائرن (ڈالنی) صدر مقام اور آزاد بندرگاہ ہے۔ اس کی آبادی ڈھائی لاکھ ہے

جاپان نے اپنے دوران حکومت میں اس علاقے کی تجارت، صنعت و حرفت کو خوب ترقی دی۔ ۱۹۲۹ء میں غیر ملکی تجارت کی مقدار حسب ذیل ہے۔

	درآمد	برآمد
جاپان	۱۰،۰۷،۶۰،۰۰۰ ین	۹،۹۷،۶۴،۰۰۰ ین
چین	۵،۴۴،۶۹،۰۰۰ ین	۵،۲۹،۶۴،۰۰۰ ین
برطانیہ	۶۱،۵۵،۰۰۰ ین	۲،۱۴،۵۵،۰۰۰ ین
امریکہ	۱،۹۷،۱۳،۰۰۰ ین	۷۱،۳۲،۰۰۰ ین
دیگر ممالک	۳،۳۳،۷۴،۰۰۰ ین	۷،۵۶،۳۶،۰۰۰ ین
مجموعہ	۱۳،۱۴،۵۷،۰۰۰ ین	۲۰،۵۳،۱۱،۰۰۰ ین

یہاں سے کوئلہ۔ لوہا۔ موٹھ۔ مٹر۔ مکی۔ گیہوں کا آٹا۔ سوت۔ اون۔ سگرٹ

اور سمور باہر بھیجا جاتا ہے۔ اور بوریاں، روئی، مشینیں، موٹریں وغیرہ، پٹرول، شکر، تمباکو، ریشم باہر سے منگایا جاتا ہے۔

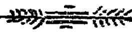
بحر جنوبی کے جزائر محروسہ

۱۹۱۴ء میں جنگ یورپ شروع ہوتے ہی افواج جاپان نے اُن جزائر پر قبضہ کر لیا تھا جو جرمنی کے زیر قیادت تھے۔ معاہدہ پیرس کے مطابق جاپان کا حق اُن جزائر پر تسلیم کر لیا گیا۔ جو خطِ استوا کے شمال میں واقع تھے۔ ان جزائر کی تعداد ۱۴۵۸ ہے۔ کل رقبہ ۲۱۴۸ مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی ستر ہزار ہے۔ ان میں سے تقریباً اٹھارہ ہزار جاپانی ہیں۔ انچاس ہزار اصلی باشندے بقیہ غیر ملکی ہیں۔ آب و ہوا گرم معتدل ہے۔ بارش بکثرت ہوتی ہے زمین زرخیز ہے۔ ناریل اور نیشکر کی کاشت وسیع پیمانے پر ہوتی ہے۔

حکومت ۱۹۱۴ء میں فوجی نظام کے ماتحت قائم ہوئی۔ مگر ۱۹۱۸ء سے ایک سول گورنر کے ماتحت ہے۔

۱۹۲۹ء میں بیرونجات سے تجارت درآمد کی قیمت ۱۷۲۲۰۰۰ ین اور تجارت برآمد کی قیمت ۸۳۹۴۰۰۰ ین تھی۔

شکر۔ ناریل۔ فاسفورس۔ شراب اور لکڑی کا کوئلہ باہر بھیجا جاتا ہے۔ چاول۔ لکڑی۔ تمباکو۔ پتھر کا کوئلہ۔ کپڑے۔ سوت۔ پٹرول۔ دھاتیں۔ دوائیں وغیرہ باہر سے منگائی جاتی ہیں۔



تعلیم

جاپان جدید کی عظیم الشان تعمیر تین مضبوط ستونوں پر قائم ہے۔ فوجی نظام، تجارتی وحرفتی ترقی اور تعلیمِ عوام۔

جاپان میں تعلیم کی تاریخ

جاپان میں تعلیم عوام کی تاریخ آٹھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے۔ جبکہ بدھ مت نے ملک میں قدم رکھ کر علم کی روشنی سے جہالت کی تاریکی کو دور کیا۔

بدھ مت نے جو تعلیمی نظام آٹھویں صدی عیسوی میں قائم کیا تھا وہ ایک عرصہ تک خوب ترقی کرتا رہا۔ مگر قرون وسطیٰ کی طوائف الملوکی اور عام بدامنی نے اس کا خاتمہ کردیا۔ بارہویں صدی سے سولھویں صدی کے اوائل تک علم کا ٹمٹماتا چراغ صرف خانقاہوں میں روشن رہا۔ جب توکوگاوا خاندان کے قائدین نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ملک میں امن وامان قائم کیا تو علم کی اجڑی بستی بھی پھر نئے سرے سے آباد ہوئی۔ اکثر جاگیرداروں کی سخاوت نے ملک میں بے نظیر درسگاہیں قائم کردیں۔ جہاں ادب، تاریخ، ریاضی، طب، فلسفہ، اور الٰہیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کا طریق تعلیم بھی وہی تھا جو عموماً اُس زمانے میں تمام مشرقی ممالک میں جاری تھا۔ بڑا زور حافظہ پر دیا جاتا تھا۔ جسمانی سزا کا رواج بھی عام تھا۔ چینی قدیم کتب، ان کی تشریحات، اور تشریحات کی تشریحات پر عبور کرنا تعلیم کا نصاب تھا۔ غربا اور ادنیٰ طبقے کے لوگ تعلیم سے محروم تھے۔ صرف طبقہ اعلٰے کے بچّے اور نوجوان ان درسگاہوں سے استفادہ کرسکتے تھے۔ تعلیم کا نصب العین سلطنت کے لئے، منشی۔ محرر۔ متصدی۔ حکام اور وزرا پیدا کرنا تھا۔ سواری۔ سیف زنی۔ نیزہ بازی۔ تیراندازی۔ کشتی۔ اور ہنوٹ

اور دیگر فنونِ سپہ گری سیکھنا ہر طالب علم پر فرض تھا۔ یہ تھا قدیم نظام جس پر جدید نظام کی بنیاد رکھی گئی۔

۱۸۷۰ء کے بعد مغربی خیالات کا ایک سیلاب ملک میں آیا جس کی رَو میں تمام قدیم روایات بہ گئیں۔ ہر چیز میں ترمیم و اصلاح ہوئی تو پھر تعلیم اس عام دستبرد سے کیونکر محفوظ رہ سکتی تھی۔

۱۸۶۹ء میں شہنشاہ میجی نے اپنے ایک فرمان میں تعلیم عوام کا وعدہ کیا۔ مگر اس کے انجام اور طریق کار سے اُس وقت تک جاپانی بالکل بے خبر تھے۔ ۱۸۷۱ء میں جاپانی مدبّرین کا ایک وفد امریکہ و یورپ گیا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں امریکہ میں عام الیکشن ہو رہا تھا جس میں امیر و غریب ہر شخص رائے دے رہا تھا۔ جاپانی وفد کو یہ امر نہایت عجیب معلوم ہوا۔ انھوں نے بعض نہایت ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے حق رائے دہندگی پر کچھ سوالات کئے۔ اور مسکت جواب پاکر ان کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ بغیر سمجھے بوجھے اپنی رائے ضائع نہیں کرتے بلکہ عام تعلیم کے باعث ہر کس و ناکس سیاسیات میں درک رکھتا ہے۔ جاپانی مدبرین پر اس حقیقت کا بڑا اثر ہوا اور اُنھوں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے ملک میں عام بیداری پیدا کرنے اور اپنی قوم کو حقیقی معنوں میں زندہ اور آزاد بنانے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو یورپ و امریکہ کے نمونے پر ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔

اس وفد کے واپس آتے ہی ۱۸۷۲ء میں قانون تعلیم پارلیمنٹ میں پاس ہو گیا مگر جبریہ تعلیم کی اسکیم پر ۱۸۷۴ء سے پیشتر عمل نہ ہو سکا۔ گذشتہ اٹھاون سال کے عرصہ میں جو شاندار کامیابی اس اسکیم کو نصیب ہوئی محتاج بیان نہیں ہے۔ اس کامیابی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اب جاپان میں ناخواندوں کی نسبت کل آبادی میں صرف ۲ فی صدی رہ گئی ہے۔ چونکہ ابتدائی تعلیم کی مقررہ عمر (۶ سال تا ۱۴ سال) والے بچوں کی مجموعی تعداد میں سے ۹۹٫۴۳ فی صدی مدرسہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس لئے

معلوم ہوتا ہے کہ دو فی صدی ناخواندگی کا باعث وہ لوگ ہیں جو اس قانون کے پوری طرح نافذ ہونے کے وقت ابتدائی تعلیم کی عمر سے متجاوز ہو چکے تھے۔ جبریہ تعلیم کا قانون نہایت سخت ہے اور اس کے ماتحت پولیس کو خود چالان کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن اس کی نوبت شاذونادر ہی آتی ہوگی۔ جب ۹۸ فی صدی لوگ تعلیم یافتہ ہیں تو وہ خود تعلیم کی اہمیت کو خوب سمجھتے ہیں۔ اور اس قسم کے مذہبی تعصبات اس ملک میں نہیں ہیں کہ اس راستہ میں حائل ہوں۔ لوگ خود ہی اپنے بچوں کی تعلیم کو اپنا حق شہریت سمجھ کر حکومت سے اس کے معقول انتظام کا مطالبہ کرتے ہیں۔

کل ملک میں پرائمری مدرسوں کی تعداد ۲۵۴۵۹[لہ] ہے۔ ان میں دو لاکھ دس ہزار اُستاد اور اُستانیاں تعلیم دیتی ہیں اور ۹۱،۸۸،۵۷۰ بچے اور بچیاں تعلیم پاتے ہیں۔ شہر و دیہات میں ہر طبقے کے بچوں لڑکے ہوں یا لڑکیاں یکساں طور پر سب کے لئے ابتدائی تعلیم قانوناً لازمی اور جبریہ ہے۔ بچے اور بچیاں ایک ساتھ ہی مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ کل تعداد میں ۴۸،۳۹؛۱۵۲ لڑکے ہیں اور ۴۴۳،۴۹،۱۹ لڑکیاں اور باقی ۲۱۵ مخنث ہیں۔ اُستادوں اور اُستانیوں کی مجموعی تعداد میں دو اور ایک کی نسبت ہے۔

پرائمری اسکول

پرائمری مدرسہ (شوگکو) دو قسم کے ہوتے ہیں۔ عام و خاص اکثر یہ مدارس جدا جدا ہوتے ہیں۔ لیکن بعض حالتوں میں عام و خاص دونوں قسم کی جماعتیں ایک ہی مدرسہ میں جمع کر دی جاتی ہیں۔ صرف عام نصاب ہی جبریہ ہے۔ خاص نصاب لازمی نہیں ہے۔ عام نصاب کی مدت چھ سال ہے چھ سال کی عمر سے چودہ سال تک کے بچے اِس نصاب کو پورا کرتے ہیں۔ خاص نصاب کی مدت دو سال ہے۔ جبریہ تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ مگر خاص نصاب کے لئے

[لہ] ان میں سے صرف ۴ براہ راست سررشتہ تعلیم کے ماتحت ہیں اور ۹۰ پرائیویٹ ہیں۔ باقی تمام میونسپلٹیوں کے زیر اہتمام ہیں۔

جہاں اکثر انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ محکمۂ تعلیمات کی خاص اجازت سے تھوڑی سی فیس وصول کی جاتی ہے۔

بجز چند مدارس کے پرائمری نصاب میں کوئی غیر ملکی زبان نہیں سکھائی جاتی۔ بچوں کا بہت زیادہ وقت چینی الفاظ کو پہچاننے اور لکھنے کی مشق میں گزرتا ہے۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ چھ برس کی تعلیم کے بعد ہر طالب علم دو ہزار چینی الفاظ سے پوری طرح واقف ہو جائے۔ مگر مسلسل و متواتر مشق کے بغیر ان الفاظ کو یاد رکھنا اس قدر دشوار ہے کہ جو بچے پرائمری مدارس سے نکل کر تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیتے ہیں چھ ہی مہینے میں ان دو ہزار الفاظ میں سے نصف بھول جاتے ہیں۔ پرائمری تعلیم کا مقصد وزیر تعلیم نے اپنی سالانہ رپورٹ میں یوں بیان کیا ہے۔ "نو عمر بچوں میں حسن اخلاق اور عام معلومات اور زندگی بسر کرنے کی استعداد پیدا کرنا اور ان کے قوائے جسمانی کی نشو و نما کرنا ابتدائی تعلیم کا مقصد ہے۔"

میں اپنی ذاتی تحقیقات و مشاہدے کی بنا پر شہادت دے سکتا ہوں کہ مدارس مقصدِ مذکورہ بالا کو پورا کرنے میں بالکل کامیاب ہیں۔ بالعموم بچے اور بچیاں تندرست و توانا، چست اور شگفتہ رو نظر آتے ہیں۔ ان کی عام معلومات بھی خاصی اچھی ہوتی ہے۔

کنڈر گارٹن یا یوچی این

شہروں میں جبریہ تعلیم سے قبل تین سال سے سات سال کی عمر تک کے بچوں کے لئے چھوٹے بچوں اور بچیوں کی تربیت گاہیں یا کنڈر گارٹن بھی بڑی کثرت سے ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد (مارچ ۱۹۳۲ء کے اختتام پر) ۱۳۹۶ ہے۔ استانیوں کی تعداد ۵۲۹۴ طلبہ میں ۵۸۰۷۷ لڑکے اور ۵۵۰۹۷۲ لڑکیاں شامل ہیں۔ طلبہ کی اوسط فی مدرسہ ۸۲ اور فی استانی ۲۷ ہے۔

ایک کنڈر گارٹن میں بجز خاص حالات کے ۱۲۰ طلبہ سے زیادہ درج رجسٹر

نہیں ہو سکتے اور ۲۰۰ طلبہ سے زیادہ کسی حالت میں ایک مدرسہ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک اُستانی کے زیر نگرانی چالیس سے زیادہ بچے نہیں دئے جاتے۔

اندھوں گونگوں بہروں کے مدارس

ٹوکیو میں ایک سرکاری مدرسہ اندھوں کے لئے اور ایک گونگوں بہروں کے لئے قائم ہے۔ اس کے علاوہ ایسے ۳۶ مدارس میونسپلٹیوں کی طرف سے اور ۵۷ مدارس پرائیویٹ موجود ہیں۔ اسی طرح کل ایسے مدارس کی تعداد ملک میں ۱۲۲ ہے۔ ان میں تعلیم دینے والے استادوں کی تعداد ۹۴۷ اور طالب علموں کی تعداد ۴۰۸۸ اندھوں اور ۳۶۴۰ گونگوں پر مشتمل ہے۔ گونگوں کے لئے ٹوکیو میں ایک کنڈر گارٹن بھی قائم ہو چکا ہے۔

ثانوی تعلیم

پرائمری سکول کا عام نصاب ختم کرنے کے بعد لڑکے مڈل اسکولوں (چوگکو) میں، اور لڑکیاں گرل ہائی سکولوں (کوتوجوگکو) میں داخل ہو سکتی ہیں۔ دونوں کا نصاب چہار سالہ ہے۔

مارچ ۱۹۳۰ء کے آخر میں لڑکوں کے لئے دو سرکاری ۴۳۴ میونسپل اور ۱۱۹ پرائیویٹ مڈل اسکول قائم تھے۔ ان سب میں اساتذہ کی مجموعی تعداد ۱۲۶۷۴ اور طلبہ کی کل تعداد ۳۴۹۰۸۴ اور لڑکیوں کے لئے تین سرکاری ۷۲۳ میونسپل اور ۲۳۵ پرائیویٹ ہائی اسکول قائم ہیں۔ ان میں استانیوں کی تعداد ۱۴۸۳۵ ہے اور طالبات کی تعداد ۳۶۷۷۲۲ ہے۔

مندرجہ بالا دونوں نصابوں میں انگریزی کی تعلیم لازمی ہے۔ اور بعض بڑے بڑے مدارس میں فرانسیسی یا جرمن زبانیں اختیاری مضامین ہیں۔ چار سال کے بعد اگر چاہیں تو لڑکے ایک سال اور تعلیم پا سکتے ہیں۔ اور لڑکیاں مزید تین سال تک خاص نصاب تیار کر سکتی ہیں۔ لڑکیوں کے لئے خانہ داری۔ موسیقی۔ آرائش گل اور چائے کی رسم

علیحدہ علیحدہ لازمی مضامین ہیں۔

ہائی اسکول

ہائی اسکول تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔ اس لئے ان میں داخلہ کے لئے ایک نہایت سخت انتخابی امتحان پاس کرنا پڑتا ہے۔
جاپان میں ان مدارس کا وہی معیار ہے جو ہمارے ملک میں انٹرمیڈیٹ کالجوں کا ہے ان کا مقصد بھی یونیورسٹیوں کے لئے طلبا تیار کرنا ہے۔ نصاب چہار سالہ ہے۔ تمام پرائیویٹ یونیورسٹیوں کے ساتھ ایک سہ سالہ نصاب ہے۔ جس میں مڈل اسکول پاس کرنے والے طلبہ داخل کئے جاتے ہیں۔ اور تین سال کا کورس پورا کرنے کے بعد کامیاب طلبہ یونیورسٹی میں لے لئے جاتے ہیں۔

معدودے چند ہائی اسکول ایسے بھی ہیں جن میں چہار سالہ عام نصاب کے بعد مزید تین سال کا نصاب تیار کرایا جاتا ہے۔

ہائی اسکولوں کی مجموعی تعداد ۳۲ ہے جن میں ۱۸۹۰ اساتذہ ہیں اور ۱۳۵۷ طلبہ۔

یونیورسٹی

اگرچہ اب ملک میں بیس سرکاری چار میونسپل اور ۲۴ پرائیویٹ یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ مگر داخلے کی خواہش کرنے والوں کی تعداد اس قدر ہوتی ہے کہ بہت بڑی تعداد میں طلبہ داخلے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بالخصوص سرکاری یونیورسٹیوں میں تو نصف تعداد کو صاف جواب دے دیا جاتا ہے۔ ہائی اسکول کے کامیاب طلبہ داخلے کے لئے مجاز ہیں مگر ہر یونیورسٹی داخلے کے وقت ایک سخت انتخابی امتحان لیتی ہے۔

چہار سالہ کورس ختم کرنے کے بعد کامیاب طلبہ کو "گاکوشی" یا ایم۔ اے کی ڈگری دی جاتی ہے۔

مارچ ۱۹۳۰ء کے اختتام پر یونیورسٹیوں میں اساتذہ کی تعداد ۰ ۱۹۱۴ اور

طلبہ کی تعداد ۶۴،۲۸۷ اور گریجویٹس کی تعداد ۱۶،۷۸۴ تھی۔

یونیورسٹی کے پریسیڈنٹ کو "ہاکوشی" یا ڈاکٹر کی ڈگری دینے کا اختیار ہے اس وقت تک جس قدر لوگ یہ ڈگری لے چکے ہیں اور حیات ہیں اُن کی تعداد ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگی۔

قانون	طب	فارمیسی (دواسازی)	انجینیرنگ	ادب	سائنس
۱۹۰	۴۴۰۲	۵۵	۴۵۲	۱۷۲	۳۱۱

زراعت	علاج حیوانات	تجارت	اقتصادیات	سیاسیات	کل تعداد
۲۰۵	۱۸	۵	۲۱	۲	۵۸۸۰

نارمل اسکول

ہر ضلع کے لئے کم از کم ایک نارمل اسکول قائم رکھنا لازمی ہے۔ اور ہر نارمل اسکول میں دو قسم کا نصاب ہوتا ہے۔ چہار سالہ نصاب کے لئے پرائمری مدارس کے کامیاب طلبہ لئے جاتے ہیں اور ایک سالہ کورس کے لئے مڈل پاس طلبہ لئے جاتے ہیں۔ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء کے آخر میں ایسے اسکولوں کی تعداد ۱۰۵ تھی۔ ان میں ۲۷۸۰ اساتذہ تعلیم دیتے تھے۔ اور ۲۹،۳۴۱ لڑکے اور ۱۴۵۲۶ لڑکیاں ٹریننگ حاصل کر رہی تھیں۔ ان کے علاوہ ۴ سرکاری ٹریننگ کالج ہیں، جن میں سے دو ٹوکیو میں اور دو ہیروشیما میں واقع ہیں۔ اور دو لڑکوں کے لئے ہیں۔ اور دو ہی لڑکیوں کے لئے۔ ان میں ۱۸۷۲ لڑکے اور ۷۸۴ لڑکیاں ٹریننگ حاصل کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ چار سرکاری ٹریننگ انسٹیٹیوٹ اور بھی ہیں۔ جن میں ۱۳۲۲ طلبہ وطالبات تعلیم پاتے ہیں۔

زراعتی تجارتی اور حرفتی مدرسہ

زراعتی، تجارتی وحرفتی مدارس ایک سرکاری ۷۲۵ میونسپل اور ۲۱۲ پرائیویٹ قائم ہیں۔ ان میں ۱۵،۵۴۵ اساتذہ تعلیم دیتے ہیں۔ اور ۱۸۰،۰۵۵ طلبہ

تعلیم پاتے ہیں۔ نصاب سہ سالہ ہے۔ ان درسگاہوں کے کامیاب طلبہ میں سے جو اعلیٰ تعلیم پانے کے خواہاں ہوتے ہیں وہ اسی قسم کے کالجوں میں جاتے ہیں جن میں سے ۲۴ سرکاری۔ ۲ پبلک اور ۶ پرائیویٹ ہیں۔ ان میں ۱۷۷۶ مدرس اور ۱۷۹۱۱ طلبہ ہیں ان کا کورس تین یا چار سال کا ہے۔ اور ان میں مڈل پاس یا ثانوی ٹیکنیکل اسکولوں کے کامیاب طلبا داخل کئے جاتے ہیں۔ مگر داخلہ کے لئے امیدوار زیادہ ہوتے ہیں۔ اور مدارس میں گنجایش اس قدر کم ہے کہ داخلہ کے لئے ایک سخت انتخابی امتحان ہوتا ہے اور نصف سے زائد امیدوار واپس کردئے جاتے ہیں۔

۲۴ سرکاری کالجوں میں سے ۶ زراعتی ہیں۔ ۳ ریشم کی صنعت سکھلانے کے لئے ۱۱ تجارتی۔ ۱۷ دستکاری سکھانے کے لئے۔ ایک کان کنی سکھانے کے لئے ۲ دواسازی سکھانے کے لئے اور ایک دندان سازی کے لئے۔

مندرجہ بالا مدارس کے علاوہ ۷ سرکاری ۷ میونسپل اور ۸۸ پرائیویٹ مخصوص درسگاہیں ہیں۔ جن میں علیحدہ علیحدہ فنون لطیفہ۔ نقاشی۔ خطاطی۔ سنگتراشی۔ موسیقی۔ یا جہازرانی یا السنہ خارجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس قسم کے مخصوص یا ٹیکنکل مدرسے تقریباً تمام یونیورسٹیوں سے بھی ملحق ہیں جو اوپر کے اعداد شمار میں شامل نہیں ہیں۔

مندرجہ بالا تمام اسکول۔ کالج اور یونیورسٹیاں بالواسطہ یا بلاواسطہ وزارت تعلیم کے ماتحت ہیں۔ وہ مدارس اور درسگاہیں ان کے علاوہ ہیں جو دوسری وزارتوں کے ماتحت قائم ہیں۔ مثلاً جنگی مدارس، وزارت افواج برّی یا وزارت افواج بحری کے ماتحت ہیں۔ شہزادوں اور امرا کے لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے دو علیحدہ علیحدہ مدارس ہیں جو محکمہ خانوادۂ شاہی کے زیر انصرام ہے۔ یا ماہی گیری کا مدرسہ محکمہ زراعت و جنگلات کے ماتحت ہے۔

حکومت کی طرف سے تقریباً ۱۶۰۰ درسگاہیں ایسی قائم ہیں جو ینگ مین

ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کہلاتی ہیں۔ ان میں سولہ سال سے بیس سال کی عمر تک کے نوجوانوں کو صفت اخلاق، آئین حکومت، فوجی ڈرل اور چند دستکاریاں اور عام معلومات پیدا کرنے والے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ نصاب چہار سالہ ہے۔

غیر ملکوں میں تعلیم ہر سال حکومت طلبہ کی ایک تعداد کو وظیفہ دے کر غیر ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجتی ہے۔ ہر محکمہ علیحدہ علیحدہ ایسے طلبہ کا انتخاب سرکاری درسگاہوں سے کرتا ہے اور وظائف دیتا ہے۔

مارچ ۱۹۲۸ء کے آخر تک صرف محکمہ تعلیم کی طرف سے گئے ہوئے طلبہ کی تعداد ۴۷۴ تھی۔ عموماً ان کو یورپ و امریکہ جانے کے لئے ۳۲۰۰ ین سالانہ وظیفہ ملتا ہے اور جاتے وقت سفر خرچ کے علاوہ ۷۰۰ ین رخت سفر مہیا کرنے کے لئے دے جاتے ہیں۔

تعلیم کی چند خصوصیات (۱) اس ملک میں تعلیم کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ پرائمری اسکول سے یونیورسٹی تک تمام علوم و فنون جاپانی زبان کے ذریعہ سے سکھائے جاتے ہیں اور درسی کتب کی فراہمی محکمہ تعلیم کے فرائض میں سے ہے۔ جس کو یہ محکمہ بوجوہ احسن پورا کرتا ہے۔ اب تک مغربی علوم و فنون پر درسی کتابیں یورپ و امریکہ کی درسی کتابوں کا ترجمہ ہوتی ہیں۔ ایسی علمی کتابیں جو جاپانی زبان ہی میں تصنیف ہوتی ہیں دس فی صدی سے زیادہ نہیں ہیں۔ علمی اصطلاحات میں اب تک یہ طریقہ رائج ہے کہ جاپانی اصطلاح کے ساتھ ساتھ بریکٹ میں انگریزی فرانسیسی یا جرمن اصطلاح لکھ دی جاتی ہے۔

(۲) اب سے تیس سال پیشتر تک غیر ملکی معلمین کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن رفتہ رفتہ کمی ہوتی گئی۔ اب معدودے چند رہ گئے ہیں جو بیشتر حالتوں میں صرف غیر ملکی زبانیں سکھاتے ہیں۔

(۳) جاپانی زبان میں چینی الفاظ کے استعمال سے جو دشواریاں پیدا ہوتی ہیں

اُن کے باعث تعلیم میں وقت بھی زیادہ لگتا ہے۔ اور محنت بھی بہت صرف ہوتی ہے۔

(۴) سوسائٹی میں معلم کی حیثیت جس قدر بلند ہے اُس قدر اُس کی اوسط آمدنی نہیں ہے۔ تمام معلمین کو خواہ یونیورسٹی پروفیسر ہوں، خواہ پرائمری اسکول کے مدرس سنسے (آقا) کے لقب سے خطاب کیا جاتا ہے۔ مدرسین اعلیٰ سے اعلیٰ طبقے میں عزت نفس قائم رکھتے ہوئے راہ و رسم رکھ سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں بھی دولت مدرسین پر ناجائز دباؤ ڈالتی ہے، اور اکثر کمزور طبائع اس دباؤ کے نیچے جھک جاتی ہیں۔

یونیورسٹیوں اور کالجوں میں معلمین کی تنخواہ سو ین ماہوار سے ۶۰۰ ین ماہوار تک ہوتی ہے اور اوسط ۲۰۰ ین ماہوار ہے۔

ابتدائی مدارس میں معلمین کی تنخواہ کم از کم آٹھ ین ماہوار اور زیادہ سے زیادہ ۱۴۰ ین ہوتی ہے۔ اوسط ماہوار آمدنی ۶۰ ین ہے۔

(۵) اسکولوں اور کالجوں میں منتظم ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل نہیں کہلاتا۔ بلکہ ڈائرکٹر کہلاتا ہے۔ ڈائرکٹر کے سپرد صرف انتظامی امور ہوتے ہیں۔ تعلیم دینے میں وہ بالکل حصہ نہیں لیتا۔ سرکاری اسکولوں اور کالجوں کے ڈائرکٹر دوسری درسگاہوں کا معائنہ بھی کرتے ہیں۔ سررشتہ تعلیم علیحدہ انسپکٹنگ اسٹاف بالکل نہیں رکھتا۔ انھیں ڈائرکٹروں سے یہ کام بھی لیتا ہے۔

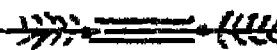
آخر میں چند کلمے طبقہ طلبہ کے متعلق بھی کہنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ مڈل اسکول کے بعد بیشتر طلبہ نہایت عسرت و سختی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ درسگاہوں کے ساتھ ہوسٹلوں کا رواج جاپان میں بالکل نہیں ہے۔ اس لئے جو طلبہ دیہات و قصبات سے شہروں یا دوسرے شہروں سے توکیو میں بغرض تعلیم آتے ہیں وہ اکثر اپنے قیام و طعام کا انتظام کسی خاندان کے ساتھ کر لیتے ہیں۔ اکثر ایسا انتظام بالکل مفت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو لوگ طلبہ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے طالب علم کو گھر میں رکھ کر

ایک مفت کا محافظ و ملازم مل جاتا ہے۔ جو بہت سے چھوٹے چھوٹے کام اوقات فرصت میں کرتا رہتا ہے۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جاپانی طالب علم اس قدر ذہین نہیں ہوتا جیسا محنتی و مستقل مزاج۔ وہ عام حالات میں نہایت خاموش۔ مودب اور فرمانبردار ہوتا ہے۔ وقت پر مدرسہ میں حاضر ہوتا ہے اور مدرسہ کے قوانین کی حتی الامکان پابندی کرتا ہے۔ لیکن سزا کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور زبانی سرزنش بالخصوص ہمچشموں کی موجودگی میں اُس کو حد سے زیادہ برافروختہ کر دیتی ہے۔ اور اکثر ایسی حالت میں اُستاد کے ساتھ نازیبا حرکت کر بیٹھتا ہے۔ معاملہ زیادہ بڑھ جائے تو پوری جماعت یا تمام مدرسہ ایک طالب علم کی ناخوشی میں شریک ہو کر بیچارے مدرس سے انتقام لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

بعض غیر ملکی معلمین جو حالات سے واقف نہیں ہوتے اپنے فرائض کو سرانجام دینے میں بڑے جوش و سرگرمی سے کام لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر کوئی طالب علم ناراض ہو جائے تو نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے استاد سے انتقام لینے کا ایک شرمناک مگر نہایت دلچسپ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ یعنی مدرسہ ختم ہونے کے بعد طالب علم سیدھا کسی شراب خانے یا معصیت خانے میں جاتا ہے اور وہاں جانے والوں کے رجسٹر میں اپنے استاد کا نام درج کرا دیتا ہے۔

یہ بات صرف سُنی سنائی ہے۔ میرا ذاتی تجربہ نہیں۔



کھیل تماشے

جاپانی لوگ طبعاً کھیل تماشوں کے نہایت شوقین ہوتے ہیں۔ اگر ذرا بھی موسم خوشگوار یعنی برفباری یا بارش بند ہو تو فوراً گھر سے باہر نکل پڑتے ہیں۔ موسم بہار میں جب چیری کا پھول کھلتا ہے۔ جابجا کھلے میدانوں میں یا دریاؤں ندّی نالوں کے قریب امیر و غریب مرد و عورت بوڑھے جوان اور بچّے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے اور رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اسی طرح خزاں میں میپل کے سرخ پتے اور گل داؤدی کو دیکھنے کے لئے بڑے بڑے اجتماع ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بڑے مندروں میں تمام سال مختلف تاریخوں میں مختلف مقامات پر بڑے بڑے میلے لگتے ہیں۔ پھر نمائشوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے کہیں فنون لطیفہ کی نمائش ہو رہی ہے کہیں پھولوں کی نمائش۔ اور کہیں تجارتی صنعتی زراعتی نمائشیں منعقد ہوتی ہیں۔ ہر جگہ لوگوں کا اجتماع خوب ہوتا ہے۔

جاپان میں ہزاروں تفریحگاہیں موجود ہیں۔ باوجود اقتصادی کشمکش کے ہر جگہ آنے جانے والوں کا میلہ لگا رہتا ہے۔

مغربی کھیل جو جاپان میں کھیلے جاتے ہیں

مغربی کھیلوں میں بیس بال۔ باسکٹ بال۔ فٹ بال والی بال۔ ٹینس۔ بیڈمنٹن۔ گالف اور رگبی کا کھیلے جاتے ہیں۔ کرکٹ اور ہاکی کا رواج نہیں ہے سب سے زیادہ ہر دلعزیز کھیل بیس بال ہے۔ جو امریکہ سے جاپان آیا ہے۔ جب اس کے میچ ہوتے ہیں تو گراؤنڈ میں پانچ سے دس ین تک کے ٹکٹ خرید کر پچاس ساٹھ ہزار تماشبین جمع ہو جاتے ہیں۔ اِن میچوں کے نتائج لحظہ بلحظہ براڈکاسٹ کرتے رہتے ہیں اور جن لوگوں کے گھروں پر ریڈیو کا آلہ نہیں ہوتا وہ پبلک مقامات پر گھنٹوں کھڑے رہ کر

یہ نتائج ذوق و شوق کے ساتھ ریڈیو کے ذریعہ سے سنتے رہتے ہیں۔

پیراکی کا شوق

لوگ پیراکی کا بھی بہت شوق رکھتے ہیں۔ موسم گرما میں اس کے مقابلے ہوتے ہیں۔ اور ان میں حصّہ لینے کے لئے یورپ اور امریکہ سے لوگ آتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوستان کے استادانِ فنِ شناوری کبھی نہیں جاتے۔ پیراکی کے ساتھ ساتھ کشتی رانی کے بھی مقابلے ہوتے ہیں۔

موسم سرما میں لوگ سکیٹنگ اور سکی انگ سے بھی شوق کرتے ہیں۔ اور یہ کھیل روز بروز زیادہ شہرت حاصل کر رہے ہیں۔

کھیلوں کی انجمنیں

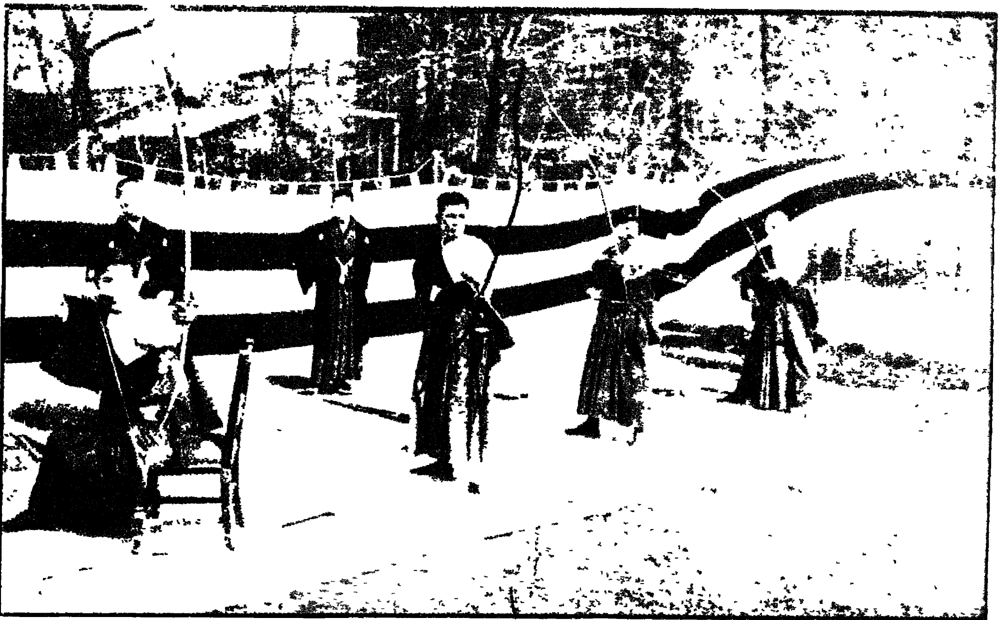
بڑے شہروں میں کارخانوں اور دکانوں کے ملازمین نے اپنی انجمنیں قائم کر رکھی ہیں۔ ان کی طرف سے اکثر ورزشی کھیلوں اور کرتبوں کے مقابلے ہوتے رہتے ہیں۔ مختلف درسگاہیں بھی اکثر ایسے مقابلے منعقد کرتی ہیں۔ بعض اوقات مقتدر اخبارات کی جانب سے بھی عام مقابلوں پر انعامات مقرر ہوتے ہیں۔

سپاہیانہ کھیل

سپاہیانہ کھیلوں میں تیراندازی۔ نیزہ بازی۔ کشتی[1] اور پٹہ نہایت قدیم زمانے سے اس ملک میں رائج ہیں اور جاپانیوں نے

[1] جاپانی کشتی یا جوجتسو ایک حیرت انگیز فن ہے جس کا دارومدار رگ پٹھوں اور جوڑوں کے مکمل علم پر ہے۔ اس کے ذریعہ سے ایک کمزور آدمی اپنے مدمقابل کو خواہ وہ کتنا ہی قوی اور جسیم ہو مار سکتا ہے بیہوش کر سکتا ہے۔ ایسی ترکیب سے اٹھا سکتا ہے کہ آدمی بیہوش نہ ہو۔ بلکہ ایسی سخت اذیت جسمانی پہنچے کہ ہار مان لے۔ یا جس بات پر اس کو مجبور کیا جائے اس سے انکار نہ کر سکے۔ نیز اس فن میں یہ بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ اندھیرے میں اس کا ماہر اس طرح نقل و حرکت کر سکتا ہے کہ اسکے مخالفین کو اس وقت تک اس کی موجودگی کا علم بھی نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ان کے سر پر نہ پہنچ جائے، اور دو چار کا خاتمہ نہ کر دے۔

ہر جاپانی کشتی و پٹہ کے فنون سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام مدارس میں پرائمری سے لے کر یونیورسٹی تک ان کی مشق کرائی جاتی ہے۔ ان فنون کو سیکھنے کے لئے یورپ و امریکہ سے لوگ جاپان آتے ہیں۔ اور امریکہ و جرمنی میں تو باقاعدہ مدارس قائم ہیں جن میں جاپانی استادانِ فنون کی تعلیم دیتے ہیں۔



تیر اندازی کا مقابلہ

موجودہ زمانے میں ان کو خوب ترقی دے کر مستقل فن بنا دیا ہے۔ جن پر متعدد کتابیں تصنیف ہوتی رہتی ہیں اور جن کو سکھانے کے لیئے باقاعدہ مدرسے کھلے ہوئے ہیں۔

عام کھیل جو جاپان میں رائج ہیں

مجلسی کھیلوں میں مغربی کھیلوں کا رواج بہت کم ہے۔ مگر جاپانی کھیل بکثرت موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور یہ ہیں۔

(۱) ایک قسم کا تاش جو گنجفہ سے ملتا جلتا ہے۔ مگر اس میں صرف پھولوں کی تصاویر ہوتی ہیں۔

(۲) **شوجی**۔ یہ ایک قسم کا شطرنج ہے جس کی بساط پر سو خانے ہوتے ہیں۔ اور ایک ایک طرف بیس بیس مہرے ہوتے ہیں۔ ان مہروں پر طرح طرح کے چینی الفاظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

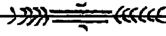
(۳) **گو بانگ**۔ ایک قسم کی چوپڑ ہوتی ہے۔ مگر اس کی بساط شطرنج کی بساط جیسی مربع ہوتی ہے۔ اس پر ۳۶۱ خانے ہوتے ہیں۔ گوٹیں سفید اور سیاہ بٹن جیسی ہوتی ہیں۔ بساط پر جو کھلاڑی زیادہ سے زیادہ جگہ گھیر سکتا ہے وہی جیت جاتا ہے۔

(۴) **گو مکو**۔ اس کھیل کے لئے بساط اور مہرے گو بانگ ہی کے استعمال ہوتے ہیں۔ مگر قواعد بالکل مختلف ہیں۔ اس میں جو کھلاڑی ایک لائن میں پہلے پانچ گوٹیں رکھ دیتا ہے، وہ جیت جاتا ہے۔

(۵) **موجونگ**۔ چینی کھیل ہے جو جاپان میں عرصہ سے مروج ہے۔ اس میں ہاتھی دانت کے بنے ہوئے کئی سو مہرے ہوتے ہیں۔ اور ان پر چینی الفاظ کئی طرح کے پھول اور تاش کی طرح دوگی۔ تگی۔ چوا۔ پنجہ۔ چھکا۔ ستا۔ اٹھا۔ نہلا۔ دہلا۔ بنے ہوتے ہیں۔ اس کے قواعد بھی بہت پیچیدہ ہیں۔ اکثر اس کھیل پر قماربازی ہوتی ہے۔ اگرچہ قماربازی قانوناً ممنوع ہے۔

بچّوں کے کھیل

طفلانہ کھیلوں میں آنکھ مچولی۔ ٹھیکریوں کے کھیل۔ اور جھولا جھولنا بہت عام ہیں۔



صنعت و حرفت اور تجارت

۱۔ تجارت

بینک اس دورِ جدید میں تجارت کا دار و مدار بینکوں پر ہے۔ جاپان میں سب سے پہلا بینک "دائی اچی کوکو رتیسو گنکو" ٹوکیو میں ۱۸۷۳ء میں قائم ہوا۔ ۱۸۷۹ء کے اختتام پر قومی بینکوں کی تعداد ۱۵۳ تک پہنچی۔ ان سب کو بینک نوٹ جاری کرنے کی اجازت تھی۔ ۱۸۸۰ء میں "یوکوہاما سپیشی بینک" یوکوہاما میں قائم ہوا۔ اس کا ابتدائی مقصد غیر ملکی بیوپار میں مدد دینا تھا۔ ۱۸۸۲ء میں حکومت نے ٹوکیو میں بینک آف جاپان قائم کر کے بینک نوٹ جاری کرنے کا حق صرف اس کے لیے مخصوص کر دیا اور دوسرے قومی بینکوں سے اس امر کی اجازت واپس لے لی۔ ۱۸۹۶ء اور ۱۸۹۹ء کے درمیان تمام ایک سو ترپن (۱۵۳) قومی بینک بند کر دیئے گئے۔ اور ان کی جگہ اتنے ہی عام بینک قائم ہوئے اسی دوران میں متعدد عام بینک نئے کھل گئے۔ ان سب کا نظام تجارتی تھا۔ مگر ان میں سے اکثر جو مفصلات میں واقع تھے بیشتر زراعتی قرضے دینے کا کام کرتے تھے۔

۱۸۸۰ء میں سب سے پہلا سیونگ بینک قائم ہوا۔ ۱۸۹۸ء میں زراعتی و صنعتی بینک ہر ضلع میں قائم ہوئے۔ ۱۸۹۹ء میں بینک آف تیوان (فارموسا) اور ۱۹۰۰ء میں ہوکیڈو بینک اور ۱۹۰۹ء میں بینک آف چوزن (کوریا) قائم کئے گئے۔

اگرچہ گذشتہ تیس سال میں بینک کے کاروبار، سرمایہ اور تنظیم نے بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی ہے۔ لیکن اس لحاظ سے جاپان ہنوز یورپ اور امریکہ سے بہت پیچھے ہے۔ قانوناً اب مفصلات میں بینک کم از کم دس لاکھ ین سرمایہ سے اور ٹوکیو یا اوساکا میں کم از کم بیس لاکھ ین سرمایہ سے کھولے جا سکتے ہیں۔ ۱۹۱۳ء سے عام پالیسی یہ ہے کہ

چھوٹے چھوٹے بینک بڑے بینکوں کے ساتھ ملحق کردیئے جائیں۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء سے قبل ملک میں کل ۲۱۵۷ بینک تھے۔ مگر ۱۹۳۰ء کے آخر میں یہ تعداد صرف ۸۹۷ رہ گئی حالانکہ کل سرمایہ اُس وقت پچاس کروڑ ین تھا۔ اور اب ڈھائی ارب ین ہے۔

تجارت کے لیئے عمدہ وسائل نقل و حرکت کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں ریلوے اور جہاز رانی کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ریلوے

سب سے پہلی ریلوے لائن ۱۸۷۲ء میں ٹوکیو اور یوکوہاما کے درمیان کھولی گئی تھی۔ گذشتہ پچاس سال میں حیرت انگیز توسیع و ترقی ہو چکی ہے ۱۹۳۰ء کے آخر میں سرکاری لائنوں کی لمبائی ۱۴۱۲۱ کلومیٹر اور مقامی ریلوے اور ٹریم لائنوں کی لمبائی ۹۲۲۹ کلومیٹر تک پہنچ چکی ہے۔ حکومت سرکاری لائنوں میں ۴۸۶۳ کلومیٹر لمبی لائن کی منظوری دے چکی ہے۔ اس میں سے ۱۹۳۰ء کے آخر تک ۹۸۰ کلومیٹر تیار ہو چکی ہے۔ مگر ہنوز اس پر نقل و حرکت جاری نہیں ہوئی۔

جاپان میں لمبی لائینیں تمام سرکاری ہیں۔ اور مقامی ریلیں یا ٹریم جو شہروں کے اندر یا ان کے گرد مضافات کے درمیان چلتی ہیں بعض سرکاری ہیں مگر اکثر پرائیویٹ یا میونسپل انتظام کے ماتحت ہیں۔

سرکاری ریلوں پر (لمبی لائینیں) ۱۹۲۹-۳۰ء کے آخر تک ۲،۴۸۵،۱۶۵،۸۹۳ ین سرمایہ لگ چکا ہے۔ ۱۹۲۹-۳۰ء میں ۵۱۸،۰۱۶،۴۵۲ ین مجموعی آمدنی تھی۔ اور ۳۰۴،۱۴۲،۷۴۹ ین مجموعی خرچ تھا۔ اور ۲۱۳،۸۷۳،۷۰۳ ین خالص منافع تھا۔ ۱۹۲۸-۲۹ء میں منافع بائیس کروڑ پچاسی لاکھ ین تھا۔ ۱۹۲۷-۲۸ء میں بائیس کروڑ چوالیس لاکھ ین اور ۱۹۲۶-۲۷ء میں اکیس کروڑ تیس لاکھ ین تھا۔ ایک سال میں ان ریلوں میں چھیاسی کروڑ مسافروں نے سفر کیا۔ اور ساڑھے سات کروڑ ٹن بوجھ ڈھلا

مقامی ریلوں پر ۱،۱۷۵،۸۴۴،۳۸۱ ین۔ اور ٹریموں پر

۲۵۶،۰۷۰،۵۹۵،۰۶۳،۳ ین سرمایہ لگا ہوا ہے۔ اور ۷۰۰،۳۷۶،۳۰۹ ین مقامی ریلوں سے اور ۳۰۰،۷۴۰،۴۰۰ این ٹریموں سے آمدنی ہوئی۔ اور کل منافع دونوں سے ۰۰۰،۴۸۰،۱۰ این ہوا۔ مقامی ریلوں اور ٹریموں سے ایک سال میں دو ارب تئیس کروڑ پچاس لاکھ آدمیوں نے سفر کیا اور دو کروڑ بیاسی لاکھ ٹن وزن ڈھویا گیا۔

سرکاری لمبی لائنوں میں سے زیادہ اکہری۔ کچھ دہری اور بہت کم تہری و چوہری ہیں۔ لمبی و مقامی ریلوں اور ٹریموں کو چلانے کے لیئے دخانی۔ برقی اور گیس کی طاقت استعمال کی جاتی ہے۔ مگر بیشتر حالات میں بجلی استعمال کی جاتی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ کچھ عرصہ بعد صرف برقی طاقت کا استعمال ہونے لگیگا۔

لمبی لائنوں پر اوّل درجہ نہیں ہوتا۔ صرف دوسرا اور تیسرا درجہ ہوتا ہے۔ اور مقامی ریلوں اور ٹریم کاروں میں صرف ایک درجہ ہوتا ہے۔ گاڑیوں کی ساخت میں مسافروں کے آرام اور صفائی کا لحاظ رکھا جاتا ہے نشستیں تمام مخملی گدے دار ہوتی ہیں۔ لمبی لائنوں پر نشستیں ایسی ہوتی ہیں کہ صرف دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ لیٹنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ ہر ٹرین کے ساتھ علیحدہ علیحدہ تیسرے اور دوسرے درجے کی سلیپنگ کاریں (سونے کی گاڑیاں) اور دونوں درجوں کے لیئے یکجا ڈائننگ کار (کھانے کی گاڑی) اور صرف دوسرے درجہ کے لیئے آبزرویشن کار (سیر کی گاڑی) ملحق ہوتی ہے۔

جہازرانی

اگرچہ ۱۸۸۰ء کے قریب قریب کئی جہازران کمپنیاں جاپان میں منظم ہو چکی تھیں۔ لیکن ۱۸۹۵ء سے قبل تک یہ حالت تھی کہ ان جہازران کمپنیوں کا غیر ملکی تجارت میں کوئی حصہ نہ تھا۔ صرف ساحل جاپان پر کچھ تجارت کر لیا کرتے تھے۔ اُس وقت تک مشرقِ بعید میں شانگھائی اور ہانگ کانگ کی بندرگاہیں غیر ملکی تجارت کا مرکز تھیں۔ جنگ چین و جاپان میں جنگی ضروریات کو پورا کرنے کے لیئے

بہت سے جہاز غیر ممالک سے خریدے گئے۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو یہ جہاز بیکار ہو گئے اور اُن کو لازمی طور پر بیرونی تجارت کا کام کرنا پڑا۔

۱۸۶۸ء سے جبکہ جاپان نے بیرونی دنیا سے تجارتی تعلقات قائم کئے ۱۸۸۰ء تک جاپان کی تمام غیر ملکی تجارت یورپین یا امریکن تاجروں کے ہاتھ میں تھی۔ مگر جاپان نے بہت جلد اس کو محسوس کر کے تجارتی آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد شروع کر دی اِس راستہ میں بہت سی مشکلات حائل تھیں۔ مثلاً جاپانی تاجر تجارت کے مغربی طریقوں سے واقف نہ تھے۔ ملک میں اتنا سرمایہ موجود نہ تھا کہ غیر ملکی تجارت میں حصہ لیا جا سکے۔ ملک میں ایسے معقول بینک موجود نہ تھے جو تجارت کے لئے ایک لازمی ذریعہ اور واسطہ ہوتے ہیں۔ اور نہ جاپان کے پاس اچھے تجارتی جہاز موجود تھے وغیرہ وغیرہ مدبّرین نے اس مجبوری کو محسوس کیا۔ اس کے اسباب کی تحقیقات ہوئی اور تمام قوم اِن اسباب کو دور کرنے میں دل و جان سے مصروف کار ہو گئی۔ چنانچہ ۱۸۹۴ء تک رفتہ رفتہ بہت بڑی بڑی امریکن و یورپین آڑھتیں بند ہو گئیں اور ان کی جگہ جاپانی آڑھتوں نے لے لی۔

دس برس کے بعد ۱۹۰۴ء میں جنگ روس و جاپان ہوئی تو وہی پُرانا تجربہ دہرایا گیا۔ مگر بہت بڑے پیمانے پر یعنی جو نئے جہاز جنگی ضروریات پورا کرنے کے لئے خریدے گئے وہ جنگ کے بعد بڑھتی ہوئی تجارتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے کام آئے۔ جنگ یورپ سے کچھ دنوں قبل نوبت یا یں جا رسید کہ کوبے مشرق بعید میں بین الاقوامی تجارت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ اور اس کے مقابلے میں شانگھائی اور ہانگ کانگ کی اہمیت کم ہو گئی۔ جنگ عظیم میں ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جبکہ مغربی اقوام کشت و خون میں مصروف تھیں جاپان نے اپنی غیر ملکی تجارت کو خوب فروغ دیا۔ اور جاپانی جہازران کمپنیوں۔ جہازوں کے ذریعہ مال باہر بھیجنے والی ایجنسیوں اور دلالوں نے بے شمار نفع کما کر

اپنی حیثیت اتنی بڑھائی کہ جنگ کے بعد جاپان نے اس لحاظ سے صف اوّل میں جگہ پائی۔
آج کل بڑی بڑی جاپانی جہازران کمپنیاں جن کے تمام جہاز کم از کم ۳ ہزار ٹن تک بوجھ لاد سکتے ہیں، حسب ذیل ہیں۔

نام	جہازوں کی تعداد
نیپان یوزن کیشا (N.Y.K)	۱۰۱
اُوساکاشوزن کیشا (O.S.K)	۱۱۳
کے کے کے (K.K.K)	۶۵
کے وائی کے (K.Y.K)	۴۷
متسوئی بُسان کیشا۔	۲۹
کواساکی شیپنگ کمپنی۔	۱۸
کواساکی ڈاک یارڈ۔	۱۲
تو یو شیپنگ کمپنی۔	۱۱
تتسو ماکمپنی۔	۱۵
اشی ہاراکومے ای کیشا۔	۱۰
ریلوے ڈیپارٹمنٹ۔	۱۵
ہاماشیتا کمپنی۔	۱۰
کیورتسو کمپنی۔	۱۲
نیشین کمپنی۔	۲۱
کیشی موتو کمپنی۔	۶
کرافوتو کمپنی۔	۷
نیپّان تنکار کمپنی۔	۴

نام	جہازوں کی تعداد
متسوبشی شوجی کیشا۔	۵

کل ایسے جاپانی تجارتی جہاز جو ۱۰۰۰ ٹن وزن سے زیادہ بار کر سکتے ہیں۔ تعداد میں ۱۰۳۴ ہیں۔ ان میں سے ۳۴۰ جہاز ساحلی تجارت کرتے ہیں۔ ۲۴ ولاڈی واسٹک (روسی بندرگاہ سائبیریا) تک جاتے ہیں۔ ۹۴ کوریا تک ۸۸ شمالی چین تک ۶۰ وسطی چین تک ۶۷ فارموسا تک ۴۶ جنوبی چین تک ۱۱ جزائر بحر الکاہل تک ۱۸ جاوا تک ۲۱ سنگاپور و پنانگ تک ۵ ہندوستان تک ۳۱ آسٹریلیا تک ۳۹ یورپ تک ۵ مشرقی افریقہ تک ۱۸ شمالی امریکہ تک ۱۸ جنوبی امریکہ تک باقی ۲۷ متفرق مقامات تک جاتے ہیں۔

تمام جہاز مجموعی طور پر ۳۸۵۹۰۰۰ ٹن تک بوجھ لاد سکتے ہیں۔

جاپان میں جہاز رانی کی صنعت بھی پوری طرح ترقی کر چکی ہے۔ اور جاپانی ڈاک یارڈز میں ساڑھے ستائیس ہزار ٹن تک جنگی جہاز اور بیس ہزار ٹن تک کے تجارتی جہاز نہایت عمدہ بن سکتے ہیں۔

غیر ملکی تجارت

سنہ ۱۹۳۰ء میں اسباب برآمد و درآمد کی مجموعی قیمت بالترتیب ایک ارب اکیاون کروڑ اسی لاکھ ین اور ایک ارب اڑسٹھ کروڑ ین تھی۔ گویا درآمد برآمد سے بقدر ۱۶ کروڑ ین زائد ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۹ء سے مقابلہ کرتے ہوئے درآمد و برآمد دونوں کافی گھٹ گئیں۔

سنہ ۱۹۳۱ء کے نصف اول میں جاپان نے مندرجہ ذیل اشیاء باہر بھیجیں۔

اشیاء	قیمت
(۱) اغذیہ و اشربہ (چاول۔ دالیں۔ آٹا چائے۔ شکر۔ شراب۔	۶۵۹۱۹۰۰۰ ین

اشیاء	قیمت
(۲) خام اجناس (ریشم۔ کوئلہ۔ لکڑی وغیرہ)	۲،۰۱،۸۸،۰۰۰ ین
(۳) ساختہ اجناس (نباتاتی روغن۔ کافور۔ ریشمی سوتی تاگا۔ لوہا۔ فولادی چادریں)	۲۳،۸۰،۵۱،۰۰۰ ین
(۴) مصنوعات (صابون۔ دیاسلائی ریشمی کپڑا۔ سوتی کپڑا۔ اونی کپڑا۔ اور سامان سوتی کمبل۔ ریشمی رومال۔ موزہ بنیان وغیرہ ہیٹ وغیرہ۔ بٹن۔ کاغذ۔ سیمنٹ چینی برتن شیشہ آلات۔ لوہے کا سامان۔ ربر ٹائر۔ مشینیں اور پرزے۔ چھتریاں۔ برش۔ لیمپ اور کھلونے	۳۰،۷۸،۵۱،۰۰۰ ین

نوٹ:۔ مصنوعات میں سب سے بڑا حصّہ سوتی کپڑوں (ساڑھے چودہ کروڑ) اور ریشمی کپڑوں (چھ کروڑ) ہوزیری۔ کاغذ اور چینی کے برتنوں کا ہے۔

۱۹۳۱ء کے نصف اوّل میں جاپان میں مندرجہ ذیل اشیاء باہر سے آئیں۔

(۱) اغذیہ (چاول۔ گیہوں۔ موٹھ۔ مٹر۔ انڈے۔ شکر۔ گوشت وغیرہ)۔	پونے آٹھ کروڑ ین
(۲) خام اجناس (تیل نکالنے کے بیج۔ انڈیا ربر۔ کیمیائی اجزاء۔ کھلی۔ روئی۔ اون۔ کوئلہ۔ کچی دھاتیں اور لکڑی۔	اکتالیس کروڑ سولہ لاکھ ین
(۳) ساختہ اجناس (کھالیں۔ چمڑا۔ کاسٹک سوڈا۔ رنگ۔ اونی تاگا۔ کاغذ بنانے کا گودا۔ لوہے کی تختیاں اور سلاخیں۔ سیسے کی تختیاں۔ جست کی تختیاں۔	پونے سات کروڑ ین

(۴) مصنوعات (روغنیات۔ مٹی کا تیل۔ سوتی۔ اونی کپڑا۔ کاغذ۔ موٹر کاریں مشینیں اور پرزے۔ } پونے چھ کروڑ ٹن

ہندوستان سے تجارت

جاپان نے سنہ ۱۹۳۱ء میں ہندوستان سے مندرجہ ذیل اشیا خریدیں۔

چاول	موٹھ مٹر	تیل نکالنے کے بیج	کھالیں
۲۰۰۰ ین	تیرہ لاکھ چھتیس ہزار ین	۷ لاکھ پچپن ہزار ین	۱۲ ہزار ین
چمڑا	انڈیا ربر اور گٹاپرچہ	روئی	
۱۹ لاکھ پینسٹھ ہزار ین	۳۷ لاکھ ۵۷ ہزار ین	۱۴ کروڑ ۷۶ لاکھ ۸۸ ہزار ین	
سن سنی پٹ سن وغیرہ	کچی دھاتیں	لوہا	سیسہ
۲۹ لاکھ ۶۸ ہزار ین	۴ لاکھ ۱۸ ہزار ین	۷۶ لاکھ ۶۷ ہزار ین	۱۲ لاکھ ۸۰ ہزار ین
ٹین	کھلی		
ایک ہزار ین	۸ لاکھ ۹ ہزار ین		

ہندوستان نے جاپان سے مندرجہ ذیل اشیا سنہ ۱۹۳۱ء میں خریدیں۔

شراب	کافور	دیا سلائی	منتھل کرسٹل
۶ لاکھ ۳۴ ہزار ین	۶ لاکھ ۸۵ ہزار ین	۱۲ ہزار ین	۲ لاکھ ۶۰ ہزار ین
سوت	سوتی کپڑا	ریشمی کپڑا	
۶۵ لاکھ ۷۶ ہزار ین	۶ کروڑ ۱۲ لاکھ ۱۶ ہزار ین	ایک کروڑ ۶۷ لاکھ ۱۲ ہزار ین	
سوتی کمبل	ریشمی رومال	ہوزیری (موزہ بنیان وغیرہ)	
۴ لاکھ ۱۰ ہزار ین	۴ لاکھ ۱۳ ہزار ین	۷۹ لاکھ ۹۴ ہزار ین	
ہیٹ ٹوپیاں وغیرہ	بٹن	کاغذ	سیمنٹ
۵ لاکھ ۷ ہزار ین	۴ لاکھ ۱۳ ہزار ین	۹ لاکھ ۲۵ ہزار ین	۷ لاکھ ۶۴ ہزار ین

چینی کے برتن	شیشہ آلات	لوہا	لوہے کا سامان
۱۸ لاکھ ۶۷ ہزار ین	۲۸ لاکھ ۸۸ ہزار ین	۱۵ ہزار ین	۱۷ لاکھ ۱۳ ہزار ین
مشینیں	لکڑی	چھتریاں	سیپ
۷ لاکھ ۲۹ ہزار ین	۲۵ لاکھ ۱۹ ہزار ین	۲۹ ہزار ین	۴ لاکھ ۸۱ ہزار ین
کھلونے۔			
دس لاکھ ۶۹ ہزار ین۔			

سنہ ۱۹۳۰ء میں جاپان نے ہندوستان سے ۸۱ کروڑ ین کا مال خریدا اور ۱۳ کروڑ ین کا مال ہندوستان کے ہاتھ بیچا۔ بلحاظ برآمد ہندوستان تیسرے درجہ پر ہے۔ کیونکہ امریکہ کے ہاتھ ساڑھے پچاس کروڑ کا مال بیچا گیا اور چین کے ہاتھ چھبیس کروڑ کا مال فروخت ہوا۔ برطانیہ اس لحاظ سے چھٹے درجہ پر ہے۔ کیونکہ برطانیہ کو جاپان نے صرف ۶ کروڑ کا مال بھیجا۔

بلحاظ درآمد ہندوستان دوسرے درجے پر ہے۔ کیونکہ امریکہ سے ۴۴ کروڑ کا مال خریدا گیا۔ برطانیہ اِس لحاظ سے ساتویں درجے پر ہے۔ کیونکہ اُس سے صرف سوا نو کروڑ کا مال خریدا گیا۔

صنعت و حرفت کسی ملک کی تجارت کا دارومدار صنعت و حرفت۔ زراعت کان کنی یا جنگلات پر ہوتا ہے۔ یہاں خاص صنعتوں کا ذکر کیا جائے گا۔ اور ان کے اعداد شمار سے ان کی اہمیت واضح کی جائے گی۔

سنہ ۱۹۲۹ء کے آخر میں تمام ملک میں ۶۰ ہزار فیکٹریاں قائم تھیں جن کی مشینیں مجموعی طور پر ۹۴ ہزار گھوڑوں کی طاقت سے چلتی تھیں۔ اور جن میں سوا اٹھارہ لاکھ آدمی کام کرتے تھے۔ ان امور میں جس تیزی سے ترقی ہو رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ سنہ ۱۹۲۸ء کے آخر میں فیکٹریوں کی تعداد ۵۶ ہزار اور سنہ ۱۹۲۷ء کے آخر میں

ساڑھے ترپن ہزار تھی۔

سنہ ۱۹۲۹ء کے آخر میں علیحدہ علیحدہ مختلف صنعتوں میں مشغول فیکٹریوں اور مزدوروں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

	فیکٹریوں کی تعداد	مزدوروں کی تعداد
پارچہ بافی	۱۹۷۰۶	۹۹۷۶۹۰
میکینکی صنعتیں	۳۷۸۲	۹۰۹۳۹
کیمیائی صنعتیں	۳۱۹۹	۱۲۲۲۵۰
آتشگیر مادے بنانا	۱۱۸۹۴	۱۴۲۹۹۸
مشینیں اور اوزار بنانا	۵۲۹۶	۱۹۰۱۵۴
چینی برتن بنانا	۳۲۵۳	۷۰۱۱۷
لکڑی کی مصنوعات	۴۷۳۰	۵۸۹۹۶
مطابع کے متعلق مصنوعات	۲۵۸۶	۵۲۰۱۵
گیس اور بجلی کی تیاری	۴۵۷	۸۰۳۸
متفرقات	۴۹۸۴	۹۱۸۲۵
گورنمنٹ کے کارخانہ جات	۳۸۸	۳۱۷۱۹۸
پبلک ورکس	۱۲۷	۷۰۶۶

ریشم

ریشم کی پیداوار جاپان کی سب سے بڑی صنعت ہے۔ اور اس صنعت میں دنیا کا کوئی ملک اُس کا حریف نہیں۔ تمام دنیا میں جس قدر ریشم پیدا ہوتا ہے اُس میں سے ۶۹ فی صدی جاپان سے آتا ہے۔ ۱۸ فی صدی چین سے اور ۱۰ فی صدی اٹلی سے۔ بقیہ تین فی صدی تمام دیگر ممالک سے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ جس قدر ریشم سال بھر میں تمام دوسرے ممالک سے خریدتا ہے اس کا ۸۶ فی صدی جاپان سے آتا ہے

ریشمی کیڑا پالنا جاپان میں کسانوں کے لئے اسی قدر منفعت بخش ہے جس قدر زراعت۔ اور سچ تو یہ ہے کہ غریب کسانوں کے پاس اگر یہ کام نہ ہوتا تو ہرگز اپنا پیٹ نہ پال سکتے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک ریشم کے کیڑے انڈوں سے صرف موسم بہار میں نکلتے تھے مگر اب جاپان نے کیمیائی طریقہ سے موسم گرما اور موسم خزاں میں بھی کیڑے پیدا کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ اور اب بڑی کامیابی کے ساتھ سال میں تین بار کیڑا پیدا ہوتا ہے اور ریشم کی پیداوار قریب قریب پیشتر سے تگنی ہوگئی ہے۔ جاپانی ریشم میں چمک بہت زیادہ ہوتی ہے اور ایک کوئے سے ایک ہزار گز تار کھینچ سکتا ہے۔

سنہ ۱۹۳۰ء کے آخر میں ریشم کا کیڑا پالنے والے خاندانوں کی مجموعی تعداد ۲۱۵،۶۷۴ ، ۲ تھی اور خام ریشم کا وزن جو سال بھر میں تیار ہوا ایک کروڑ ۶ لاکھ ۶۴ ہزار ۴ سو باون من تھا

ریشم کا بازار سنہ ۱۹۳۰ء میں نہایت خراب رہا۔ قیمت بڑی تیزی کے ساتھ گرتی رہی جنوری میں فی گانٹھ قیمت بارہ سو ین تھی۔ مگر گرتے گرتے دسمبر میں صرف ۶۶۰ ین رہ گئی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں بھی حالات کچھ بہتر نہیں ہوئے۔

سوت کاتنا

اس صنعت نے گذشتہ تیس برس میں حیرت انگیز ترقی کی ہے حتیٰ کہ اب جاپان کی اشیائے برآمد میں تیس فی صدی حصہ سوت یا سوتی کپڑوں کا ہے۔ جاپان کی یہ ترقی اور بھی حیرت افزا ہو جاتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جاپان روئی کی فراہمی کے لئے غیر ممالک کا محتاج ہے۔ مگر اس کمی کو پورا کرنے کے لئے جاپان اپنی میلوں میں عورت مزدور استعمال کرتا ہے۔ جن کو مزدوری نسبتاً کم دینی پڑتی ہے نیز جاپان نے امریکن۔ چینی۔ ہندوستانی اور مصری روئیوں کو مخلوط کرنے میں بھی بڑی مہارت حاصل کی ہے۔

سنہ ۱۹۳۰ء کے آخر میں صرف سوت کاتنے والی ۲۶۲ میلیں موجود تھیں۔ جن کا

مجموعی سرمایہ ۳۴ کروڑ ۳۰ لاکھ ین تھا۔ اور جن میں ۱۷ لاکھ تکلے کام کرتے تھے۔ تکلوں کی تعداد کے لحاظ سے جاپان دنیا بھر میں ساتویں درجہ پر ہے۔

کچھ عرصہ سے جاپان اپنے سرمایہ سے چین میں اس صنعت کو خوب فروغ دے رہا ہے اور اب چین میں جاپانی سرمایہ سے ۱۵ لاکھ تکلے چل رہے ہیں۔ اس طرح گویا جاپان چین کی اس صنعت میں چالیس فی صدی کا حصّہ دار بن گیا تھا۔ مگر ۱۹۳۱ء میں سیاسی کشمکش کے باعث جاپان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

روئی کی درآمد امریکہ۔ ہندوستان۔ چین اور مصر سے ہوتی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں

جاپان نے ہندوستان سے ۱۵ لاکھ ستائیس ہزار گانٹھیں
امریکہ سے ۱۰ لاکھ ترانوے ہزار گانٹھیں
چین سے ۴ لاکھ ترپن ہزار "
مصر سے ۳۴ ہزار "
دیگر ممالک سے ۴۷ ہزار "

خریدیں (ایک گانٹھ کا وزن ۵ من یا ۴۰۰ پونڈ ہوتا ہے)

ریشم کاتنا

ریشم کاتنے کا کام بھی چند ایسی میلیں کرتی ہیں جو اصل میں سوت کاتنے والی ہیں۔ ۱۹۲۹ء کے آخر میں سال بھر کے کتے ہوئے ریشم کی قیمت ۸ کروڑ ۱۰ لاکھ ین ہوتی تھی۔ یہ صنعت بھی روز بروز روبہ ترقی ہے۔

سن یا سنی کاتنا

یہ صنعت ابھی زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے۔ ۱۹۲۹ء کے آخر میں ۴۷ میلیں کام کر رہی تھیں۔ اور تیار شدہ مال کی کل قیمت ایک کروڑ اسی لاکھ تھی۔

پارچہ بافی

اِس صنعت کی ترقی مندرجہ ذیل نقشہ سے ظاہر ہوگی۔

کپڑے کی قسم	سنہ ۱۹۲۹ء میں فیکٹریوں کی تعداد	سنہ ۱۹۲۹ء میں کل پیداوار کی قیمت
سوتی کپڑے	۷۴۷۳۴	۷۳،۶۵،۳۴،۰۰۰ ین
ریشمی یا ریشمی و سوتی مخلوط	۸۳۱۰۷	۴۹،۳۸،۵۱،۰۰۰ ین
اونی کپڑے	۹۲۴	۲۱،۰۵،۱۲،۰۰۰ ین

کاغذسازی

کاغذسازی کی صنعت بھی خوب فروغ پاچکی ہے - اور دنیا کی کاغذساز اقوام میں جاپان کا نمبر پانچواں ہے - جاپانی میلیں سال بھر میں ۸ لاکھ ٹن کاغذ تیار کرتی ہیں - جس سے ملکی ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں - اور دو کروڑ بتیس لاکھ ین کا کاغذ سنہ ۱۹۳۰ء میں باہر بھیجا گیا - چین - ہندوستان اور امریکہ جاپانی کاغذ کے بڑے خریدار ہیں - سب سے بڑی کاغذساز کمپنیاں اُوجی اور فُوجی ہیں -

کاغذ کی تیاری کے لئے لکڑی کے گودے کی ضرورت ہوتی ہے - اگرچہ اب بھی یہ گودا بہت زیادہ مقدار میں غیر ممالک سے آتا ہے - لیکن کاغذسازی کی صنعت کے ساتھ ساتھ ملک میں یہ صنعت بھی ترقی کر رہی ہے - چنانچہ سنہ ۱۹۳۰ء میں پونے دو کروڑ ہن گودا جاپانی فیکٹریوں میں تیار ہوا اور غیر ممالک کنیڈا، امریکہ، سوئیڈن وغیرہ سے صرف ۲۲ لاکھ ۳۲ ہزار من گودا منگایا گیا، جس کی قیمت ایک کروڑ بیس لاکھ ۴۸ ہزار ین ہوئی -

مذکورہ بالا صنعتوں کے علاوہ چند اور ترقی یافتہ قابل ذکر صنعتیں حسب ذیل ہیں -

چمڑا رنگنا، ربڑ کا سامان بنانا، بٹن کاغذ یا لکڑی پر لاکھ کا روغن کرنا، روغنیات اور موم بنانا، پیپرمنٹ بنانا - دیاسلائی بنانا - سیلولائڈ کی چیزیں تیار کرنا - سیمنٹ بنانا شیشہ آلات اور چینی کے برتن بنانا، مصنوعی کھاد اور سوڈا ایش، کاسٹک سوڈا اور بلیچنگ سوڈا تیار کرنا -

اغذیہ و اشربہ میں شکر - آٹا - شراب اور چائے کی صنعتیں قابل ذکر ہیں -

میکینکی صنعتوں نے بھی موجودہ زمانے میں غیر معمولی رفتار کے ساتھ ترقی کی ہے۔ جاپان ان کی مدد سے اپنی تمام ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔ غیر ممالک کا محتاج نہیں ہے۔ اگرچہ اب بھی ایک محدود مقدار میں بعض اس قسم کی اشیاء، بیرون ممالک سے منگائی جاتی ہیں۔ مگر جاپان بھی اپنی مصنوعات جو ملکی ضروریات سے فاضل ہوتی ہیں باہر بھیجتا ہے۔ ان میں سے چند قابل ذکر ہیں۔ مثلاً برقی موٹر اور دخانی کلیں، پٹرول سے چلنے والے انجن، ہوائی جہاز ریلوے انجن اور گاڑیاں، بجلی کا سامان، خشک بیٹریاں، گھڑیاں، بائیسکلیں، آلات موسیقی، آلات سرجری، سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی مشینیں وغیرہ وغیرہ۔

جاپان میں موٹر ٹرک۔ موٹر سائکلیں، اور موٹر کاریں بنانے کی صنعت ہنوز ابتدائی حالت میں ہے۔ حالانکہ ان کی مانگ دن دونی رات چوگنی ہے، اور ضرورت کا بیشتر حصہ بیرونجات سے حاصل کیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے بائیسکلیں تیار کرنے کے لئے دو ہزار بڑی بڑی فیکٹریاں ملک میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض اس قدر بڑی ہیں کہ ان میں روزانہ ایک ہزار بائیسکلیں تیار ہوتی ہیں۔

بجلی و گیس برقی روشنی اور قوت کی مانگ اور فراہمی جاپان میں جس تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگ سکتے ہیں کہ سنہ ۱۹۲۹ء کے آخر میں روشنی کے لئے ۸ لاکھ ۶۳ ہزار کلوواٹ اور برقی قوت کے لئے ۳۱ لاکھ ۶۶ ہزار کلوواٹ کی ضرورت تھی۔ ۳۵ کروڑ نوّے لاکھ لیمپ روشن کئے جاتے تھے۔ اور برقی قوت پیدا کرنے کی صنعت میں چار ارب اڑتالیس کروڑ ین سرمایہ لگا ہوا ہے۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں تمام برقی قوت پیدا کرنے والی کمپنیوں کی مجموعی آمدنی ساڑھے اٹھاسی کروڑ ین اور ساڑھے اٹھاون کروڑ ین خرچ۔ یعنی تیس کروڑ ین نفع تھا۔ اور شرکاء کو دس فی صدی نفع تقسیم کیا گیا۔ غرض اس صنعت کے لحاظ سے جاپان دنیا بھر میں اوّل درجہ رکھتا ہے۔

گیس کی صنعت بھی ۱۹۲۳ء سے خوب ترقی کر رہی ہے۔ اگرچہ روشنی کے لئے اب گیس کا استعمال کم کیا جاتا ہے۔ لیکن کھانا پکانے اور دوسرے خانہ داری کے کاموں میں اس سے زیادہ مدد لی جا رہی ہے۔ اور روز بروز اس صنعت کی وسعت بڑھ رہی ہے۔

کان کنی

جاپان میں معدنیات کی بہت زیادہ کمی ہے۔ صرف تانبا اتنی مقدار میں پیدا ہوتا ہے کہ ضروریات سے بچ رہے۔ باقی تمام معدنیات باہر سے منگانی پڑتی ہیں۔
سنہ ۱۹۳۰ء میں مختلف معدنیات کی حسب ذیل مقدار جاپانی کانوں سے نکالی گئی۔

نام دھات	مقدار		قیمت ین میں
سونا۔	۱۲۰۷۱	کلوگرام	ایک کروڑ اکسٹھ لاکھ باون ہزار
چاندی۔	۱۷۵۰۶۳	〃	۵۴ لاکھ دس ہزار
تانبا۔	۷۹۰۳۲۰۰۰	〃	پانچ کروڑ دو لاکھ اکتیس ہزار
سیسہ۔	۳۵۸۱۰۰۰	〃	چھ لاکھ چھیاسی ہزار
بسمتھ۔	۵۴	〃	دو لاکھ سینتیس ہزار
ٹین۔	۹۳۰	〃	بارہ لاکھ اڑتیس ہزار
پارہ۔	۴۱۷۸	〃	چوبیس ہزار
جست۔	۲۴۶۶۹۰۰۰	〃	ساٹھ لاکھ بیالیس ہزار
لوہا۔	۷۵۳۵۴	ٹن	اکتیس لاکھ اٹھاسی ہزار
فولاد۔	۵۲۳۴۶	〃	چھتیس لاکھ چوسٹھ ہزار

نام دھات	مقدار	قیمت ین میں
گندھک (خام)	۵۶۱۳۹۸ ٹن	ستر لاکھ انتیس ہزار
مینگنیز	۱۹۵۵۸۸ "	تین لاکھ ستاون ہزار
فاسفورس (خام)	۲۷۷۱۳ "	تین لاکھ گیارہ ہزار
کوئلہ	۳۱۳۷۶۰۰۰ "	انتیس کروڑ تیئیس لاکھ
پٹرولیم	۳۱۶۵ لیٹر	ایک کروڑ بیالیس لاکھ بہتر ہزار
پٹرولیم گیس	۰۰۲،۰۵،۳۳۴ مکب میٹر	نو لاکھ اٹھاسی ہزار

مجموعی قیمت سنہ ۱۹۳۰ء میں تینتیس[۳۳] کروڑ چھہتر[۷۶] لاکھ بہتر[۷۲] ہزار ین تھی۔

" سنہ ۱۹۲۹ء میں اڑتیس[۳۸] کروڑ پینتالیس[۴۵] لاکھ ستاون[۵۷] ہزار ین تھی۔

اور " سنہ ۱۹۲۸ء میں سینتیس[۳۷] کروڑ ستاسی[۸۷] لاکھ ستتر[۷۷] ہزار ین تھی۔

کانکنی کی صنعت میں ایک ارب ین (اداشدہ) سرمایہ لگایا ہوا ہے اور تمام کانوں میں کام کرنے والے مرد مزدوروں کی تعداد ۰۶۸،۱۳۱،۲ اور عورتوں کی تعداد ۴۰۱،۵۵ ہے۔

زراعت

جاپان پہاڑی ملک ہے۔ سلسلہ ہائے کوہ کے درمیان تنگ وادیاں واقع ہیں۔ سمندر کا کنارہ جہاں کشادہ ہے۔ وہاں بڑے بڑے شہروں یا بندرگاہوں کی آبادیاں ہیں۔ اس لئے قابل زراعت زمین کی بہت قلت ہے۔ کل رقبہ ساڑھے نو کروڑ ایکڑ ہے۔

اس میں سے ڈیڑھ کروڑ ایکڑ زمین زیر کاشت ہے، چھٹے حصے میں زراعت بدشواری ہوتی ہے۔ کسان خاندانوں کی تعداد پچپن لاکھ ہے۔ یعنی ہر خاندان کے پاس اوسط تین ایکڑ سے بھی کم زمین ہے۔ پچپن لاکھ خاندانوں میں سے صرف چار ہزار ایسے ہیں کہ اُن کے قبضہ میں سوا سو ایکڑ سے زائد زمین ہے۔ اور ساڑھے چوالیس ہزار ایسے ہیں کہ سوا سو سے کم۔ مگر ۲۵ ایکڑ سے زائد زمین اُن کے پاس ہے۔ پچیس لاکھ خاندانوں کے پاس ایک ایکڑ سے بھی کم زمین زیر کاشت ہے۔ اور ساڑھے بارہ لاکھ خاندانوں کے پاس ڈھائی ایکڑ سے کم اور نو لاکھ کے پاس سات ایکڑ سے کم۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جاپانی کسانوں کی حالت ہندوستانی کسانوں سے کچھ بہتر نہیں ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں آج کل زمینداری طبقہ نہیں ہے۔ کسان براہ راست زمین حکومت سے حاصل کرتا اور حکومت کو مالگذاری ادا کرتا ہے۔ مالگزاری جنس میں ادا ہوتی ہے۔ پھر بھی اکثر کسان سودخوار ساہوکاروں کے ہاتھ سے تباہ حال رہتے ہیں۔ کسانوں کو زراعت سے اس قدر فائدہ نہیں ہے۔ جتنا ریشم کے کیڑے پالنے سے نیز اگر کسی سال چاول کی فصل خراب ہو جاتی ہے تو کم از کم اس دوسری صنعت کی بدولت فاقہ کشی اور بربادی سے بچ جاتے ہیں۔

جاپان نے مصنوعات میں بہت کچھ ترقی کر لی ہے اور یہ ترقی روزافزوں ہے

مگر اب بھی کل آبادی میں سے چوالیس فی صدی لوگ کاشتکار ہیں۔ جاپانی کسان آئک زراعت کے جدید طریقوں سے ناواقف ہے۔ اس کے آلات کشاورزی نہایت قدیم زمانے کی یادگار ہیں۔ ڈیڑھ ہزار برس سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ مگر نہایت قدیم زمانے سے جاپان میں کھادوں کا استعمال بکثرت ہوا کرتا تھا۔ اب مصنوعی سائنٹفک کھادیں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ آبپاشی اس ملک میں اس قدر اہم مسئلہ نہیں ہے جیسا گرم ممالک میں۔ سال کے ۳۶۵ دن میں اوسط دوسو دن بارش کے ہیں۔ گرمی نہ ہونے کی وجہ سے زمین کی رطوبت کبھی خشک نہیں ہوتی۔ دھان کو زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ نشیب کی زمینوں میں بویا جاتا ہے۔ جہاں برساتی پانی ہمیشہ جمع رہتا ہے۔ نہ یہاں نہروں اور نالایوں کی ضرورت ہوتی ہے نہ کنوؤں پر رہٹ و چرس کا لگانا ضروری ہے۔ دریا تیز ہونے کے باعث آبپاشی کے قابل نہیں ہیں۔

جاپانی ہل ہندوستانی ہلوں سے بھی ہلکے ہوتے ہیں۔ ان کو عموماً بیل یا گھوڑے کھینچتے ہیں۔

سب سے بڑی پیداوار چاول ہیں۔ کل ملک کی زیر کاشت زمین میں سے نصف دھان کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ محدود مقدار میں جو جئی۔ گیہوں موٹھ۔ مٹر۔ مکی۔ ترکاریاں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ تمباکو کی کاشت پر حکومت کا اجارہ ہے۔

جنگلات

جاپانِ خاص میں جنگلات کا رقبہ کل رقبہ میں سے ۵۱ فی صدی ہے۔ ان میں قریباً ایک ہزار مختلف قسم کے درخت اُگتے ہیں۔

قدیم جنگلات کا تحفظ اور نئے جنگلات کا اُگانا محکمہ جنگلات سے متعلق ہے جنگلات سے حکومت کو بتفصیل ذیل ۱۹۲۹ء میں آمدنی ہوئی۔

اشیاء	قیمت
تعمیری لکڑی۔	۱۰،۳۴،۶۲،۰۰۰ ین
سوختہ۔	۶،۲۳،۰۸،۰۰۰ ″
بانس۔	۴۹،۱۸،۰۰۰ ″
مجموعہ	۱۷،۰۶،۸۸،۰۰۰ ″
بیج۔ پھل۔ چھال۔ پھول۔ گوند گھاس۔ کوئلہ وغیرہ وغیرہ۔	۱۲،۸۰،۱۷،۰۰۰ ین

کل مجموعہ ۲۹،۸۷،۰۵،۰۰۰ ین

ماہی گیری

چونکہ سلطنت جاپان بیشتر جزائر پر مشتمل ہے۔ اس لئے کیا تعجب ہے کہ وہاں کی آبادی میں سے پندرہ لاکھ آدمی ماہی گیری کا پیشہ کرتے ہیں۔ اور ماہی گیری سے ۳۵ کروڑ ین سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔

ماہی گیر نہ صرف خوراک کے لئے مچھلیاں پکڑتے ہیں بلکہ سنہری مچھلیاں پال کر فروخت کرتے ہیں۔ بعض مچھلیاں صرف تیل اور سریش کے لئے پکڑی جاتی ہیں۔ مثلاً وھیل وغیرہ۔ بعض مچھلیوں سے ادویات حاصل ہوتی ہیں۔ بعض مچھلیوں سے کھاد بنائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں ماہی گیر سیپ گھونگے۔ مونگا اور سمندری گھاس (خوراک کے لئے) بھی سمندر سے نکالتے ہیں۔

جاپانی قوم اور اُس کی زندگی کے مختلف شعبوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد اس کتاب کا دوسرا حصہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دو تتمے شامل کئے جاتے ہیں۔ جن میں سیاحوں کے لئے چند مفید اور ضروری معلومات اور توسیع مطالعہ کے لئے جاپان کے متعلق انگریزی زبان میں چند مستند کتابوں کی ایک مختصر فہرست درج ہے۔

تتمہ اوّل

جاپان کے سیّاحوں کے لئے مفید معلومات

ہندوستان سے جاپان جانے کے لئے تین بندرگاہیں مخصوص ہیں۔ بمبئی۔ کولمبو اور کلکتہ۔

کلکتہ سے صرف چھوٹے چھوٹے جہاز جاتے ہیں۔ یہ جہاز یا تو برٹش انڈیا کمپنی کے ہوتے ہیں یا جاپانی لائن O.S.K کے ہوتے ہیں۔ یہ جہاز مال لے جانے والے ہوتے ہیں اس لئے ان میں نہ آرام ملتا ہے نہ سفر کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ مگر بمبئی کے مقابلہ میں کرایہ اور وقت کم لگتا ہے۔ بمبئی سے انگریزی لائن P.&.O. کمپنی کے بڑے بڑے خوشنما اور آرام دہ جہاز ملتے ہیں۔ نیز جاپانی کمپنی N.H.K کے وہ جہاز ملتے ہیں جو بمبئی ہی سے روانہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی چھوٹے پرلے تکلیف دہ مال لے جانیوالے جہاز ہیں۔ اس کمپنی کے بڑے جہاز جو یورپ سے آتے اور جاپان جاتے ہیں بمبئی نہیں آتے۔ عدن سے سیدھے کولمبو نکل جاتے ہیں۔ جو لوگ ان سے سفر کرنا چاہیں ان کو مدارس سے ریل میں ٹوٹی کارن کی بندرگاہ تک جانا پڑتا ہے۔ اور وہاں سے کشتی میں کولمبو جائیں۔ پھر کولمبو سے ان جہازوں پر سوار ہوں۔ یہ جہاز خوشنما بھی ہوتے ہیں آرام دہ بھی۔ کھانا بھی اچھا ملتا ہے۔ اور ملازم بھی خدمتگذار ہوتے ہیں۔ ان میں یہ بھی فائدہ ہے کہ جہاز ہی سے آدمی جاپان اور جاپانیوں سے متعارف ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ تمام جاپانی صرف اپنے ملکی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ اس لئے ان جہازوں میں ایسے جاپانیوں سے ملاقات ہو جاتی ہے کہ جاپان پہنچ کر ان کی دوستی اور ملاقات بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔

فرانسیسی جہاز جو فرانس سے جاپان جاتے ہوئے ہندوستان ہی گذرتے ہیں،

بمبئی نہیں آتے۔ کولمبو سے مل سکتے ہیں۔ جہاز کا کرایہ بمبئی سے جاپان کی بندرگاہوں کوبے یا یوکوہاماتک اوّل درجے کا پچاس پونڈ اور دوسرے درجے کا اٹھائیس پونڈ ہے۔ مگر کلکتہ سے اوّل درجے کا ۴۸ پونڈ اور دوسرے درجہ کا ۴۲ پونڈ ہے۔ کھانے کا خرچ کرائے میں شامل ہوتا ہے۔ مگر جو لوگ کھانا نہ لینا چاہیں اُن کے کرائے میں سے سو روپے وضع ہو جاتے ہیں۔ مگر ایسا کرنا نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ کھانا پکانے کے لئے باورچی خانے میں جانا پڑتا ہے اور نیز خام جنس رکھنا بھی دشوار ہے۔

کلکتہ سے یوکوہاماتک ۲۴ دن کا سفر ہے اور بمبئی سے یوکوہاماتک ۲۷ روز صرف ہوتے ہیں۔ اگر کوبے جائیں جو جاپان کی مغربی بندرگاہ ہے، تو دو دن کم لگتے ہیں۔ کوبے سے یوکوہاماتک ریل کا سفر دس گھنٹے کا ہے۔ جو لوگ یوکوہاماتک ٹکٹ خریدیں اور کوبے کی بندرگاہ پر اتر کر ریل سے یوکوہاما یا ٹوکیو جائیں تو ان کو جہاز کی کمپنی یوکوہاماتک ریل کا ٹکٹ مفت دیدیتی ہے۔ جہاز ہی میں پرسر سے یہ ٹکٹ لے لینا چاہیئے۔ جو لوگ سیر و سیاحت کے لئے جانا چاہتے ہیں، اُن کے لئے ایسا کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ کوبے اتر کر وہ پہلے کوبے کی سیر کریں۔ پھر موٹر ٹیکسی، بس ٹریم، یا ریل سے اوساکا جائیں جو کوبے سے بالکل ملحق ہے۔ اُوساکا بلحاظ آبادی جاپان کا سب سے بڑا شہر اور عظیم الشان تجارتی وصنعتی مرکز ہے۔ ایک دن اوساکا قیام کر کے پھر اپنے مفت ٹکٹ سے کیوتو جائیں۔ ایک روز یا دو روز وہاں قیام کریں اور مشہور تاریخی عمارات کی سیر کریں۔ یہ جاپان کا قدیم پایہ تخت ہے۔ یہاں سے برقی ٹریم کے ذریعہ نارا جائیں۔ اور وہاں کی تاریخی عمارات دیکھیں، اور واپس کیوتو آجائیں۔ اور کیوتو سے پھر اپنے مفت ٹکٹ کو استعمال کر کے سیدھے یوکوہاما اور وہاں سے ٹوکیو پہنچ سکتے ہیں۔ ٹوکیو میں مستقل قیام رکھتے ہوئے اردگرد کے قابل دید مقامات کماکورہ۔ ینکو۔ چوزنجی۔ اٹامی۔ فوجی۔ ہاکونے وغیرہ کی سیر کریں اور مراجعت کے وقت یوکوہاما سے جہاز میں سوار ہوں۔

جہازوں کی روانگی کی تاریخیں مہینے دو مہینے پیشتر سے انگریزی اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ نیز تھامس کک کمپنی سے بھی دریافت کر سکتے ہیں۔ اُن کے دفاتر کلکتہ۔ بمبئی۔ مدراس دہلی اور شملہ پر قائم ہیں۔ سفر کے متعلق ہر قسم کی معلومات یہ کمپنی مفت فراہم کرتی ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے جہاز کا ٹکٹ بھی خریدا جا سکتا ہے۔ جہاز ران کمپنیوں کے اپنے دفاتر بھی کلکتہ اور بمبئی میں موجود ہیں۔ اور ٹکٹ کی خریداری کے لئے اگر چاہیں تو براہ راست ان سے خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ اگر کافی وقت پہلے سے ٹکٹ خریدنے کا انتظام کریں تو اچھا کیبن مل سکتا ہے۔ اگر کیبن انتخاب کرنے کا موقعہ ملے تو چند امور ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ کیبن جس قدر اوپر ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ یعنی عرشہ الف عرشہ ب سے اور عرشہ ب عرشہ ج سے بہتر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ کیبن جس قدر وسط میں ہو بہتر ہے۔ جس قدر آگے یا پیچھے ہوگا چکر زیادہ آئیں گے۔ جہاز کی چوڑائی میں بھی جو کیبن بالکل کنارے پر ہوتے ہیں۔ اچھے نہیں ہوتے جو ذرا اندر کی طرف ہوتے ہیں وہ بہتر خیال کئے جاتے ہیں۔ جو لوگ تنہا سفر کریں وہ ایک برتھ کا کیبن نہ لیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ ایسے کیبن بہت گرم اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

پاسپورٹ سفر سے تقریباً ایک ماہ پیشتر حاکم ضلع کے یہاں پاسپورٹ کی درخواست کرنی چاہیئے۔ تین روپے کورٹ فیس اور دو چھوٹے فوٹو، صرف سر اور گردن کے، بغیر دفتی پر چپکائے ہوئے کسی مجسٹریٹ سے تصدیق کرا کر پاسپورٹ کی درخواست کے ہمراہ بھیجیں۔ پاسپورٹ صرف تین سال کے لئے جاری ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں اگر کئی بار آئیں جائیں دوبارہ پاسپورٹ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر تین سال سے زائد ہندوستان سے باہر قیام رہے تو وہیں ۵ شلنگ فیس ادا کر کے اس پاسپورٹ کی تجدید مزید تین سال کے لئے ہو جاتی ہے۔

لہ (حاشیہ صفحہ ۲۰۸) جو لوگ N.Y.K لائن سے سفر کریں اور واپسی کا ٹکٹ خریدیں وہ تمام گورنمنٹ ریلوں پر جب تک جاپان میں مقیم رہیں مفت سفر کر سکتے ہیں۔

ویزہ پاسپورٹ ملنے کے بعد جاپانی کونسل سے جو کلکتہ بمبئی اور شملہ میں قیام رکھتے ہیں۔ پاسپورٹ پر ویزہ کرانا چاہیئے جس کی فیس چار روپیہ ہے۔ اور یہ ویزہ صرف ایک بار جاپان میں داخل ہونے کے لئے کافی ہے۔ ویزہ نہایت ضروری چیز ہے۔ اس کو ہرگز نہ بھولنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر پاسپورٹ پر جاپانی ویزہ نہ ہو تو جاپانی پولیس ساحل جاپان پر قدم رکھنے کی ہرگز اجازت نہ دے گی۔ اور اپنے خرچ پر ہندوستان واپس آنا پڑے گا۔

روانگی سے قبل پاسپورٹ اور ویزہ اچھی طرح دیکھ لینا چاہیئے تاکہ اندراج میں کوئی غلطی یا سہو نہ رہ جائے، ورنہ غیر ممالک میں تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔

ہمراہ نقدی رکھنا روپیہ ساتھ لے جانے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ تمام روپیہ نقد نوٹوں کی شکل میں لے جانا چاہیئے۔ مگر تانبے اور چاندی کے سکّے نہ لیجانا چاہئیں۔ کیونکہ تانبے کا سکّہ تو چل ہی نہیں سکتا۔ چاندی کے سکّے کی قیمت بھی بہت کم ملتی ہے۔ نوٹ آسانی سے اور مناسب شرح تبادلہ کے حساب سے تبدیل ہوسکتے ہیں۔ اور اُن کا لے جانا بھی آسان ہے۔ لیکن اس صورت میں چوری کا اندیشہ ضرور باقی رہ جاتا ہے۔

ایک دوسری نہایت محفوظ صورت یہ ہے۔ کہ تھامس کُک کے ٹریولر چیک خرید لے۔ یہ چیک ہر جگہ بُھنائے جاسکتے ہیں۔ اور گم ہوجانے کی حالت میں ان کی تحقیقات بھی ہوسکتی ہے۔ اس صورت میں صرف نقصان یہ ہے کہ یہ کمپنی اپنے چیک صرف پونڈ یا امریکن ڈالر میں جاری کرتی ہے۔ روپے میں یا جاپانی سکے ین میں نہیں دیتی اس لئے دو دوبار سکّہ تبدیل کرانے میں کچھ تھوڑا سا نقصان ضرور ہوجاتا ہے۔

بیمہ تھامس کُک اور جہازران کمپنیاں مسافروں کے جان و مال کا بیمہ صرف دوران سفر کے لئے کرتی ہیں۔ ان کی شرح بہت کم ہوتی ہے۔ اور ایک حد تک بڑی حفاظت ہوجاتی ہے اس لئے بیمہ کرا لینا ہی مناسب ہے۔

سفر کا موسم جاپان کی سیاحت کے لئے بہترین وقت شروع مارچ میں روانہ ہوکر شروع اپریل میں پہنچنا اور اکتوبر یا نومبر میں واپس آنا ہے۔ اس طرح سیاح وہاں کی سخت سردی سے بھی بچ سکتا ہے۔ اور اپنا بیشتر وقت تمام تفرج گاہوں اور قابل دید مقامات کے دیکھنے میں صرف کرسکتا ہے۔ سفر کے لئے جون سے ستمبر تک نہایت نامناسب وقت ہے

کیونکہ موسمی ہواؤں کے باعث بحرِ ہند سخت متلاطم رہتا ہے۔ دسمبر میں بحرِ چین متلاطم ہوتا ہے صرف موسم سرما میں جاپان کی سیر کا لطف نہیں ہے۔ اوّل تو اکثر پہاڑی مقامات تک سرما میں جا نہیں سکتے۔ اور جہاں جا بھی سکتے ہیں وہاں بھی شدّتِ موسم سرما کے باعث لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔

رختِ سفر

جو لوگ صاحب ثروت ہیں اُن کو موجودہ دورِ ترقی میں سفر کے وقت بجز روپے کے اور کچھ ساتھ لے جانے کی حاجت نہیں۔ تمام ضروریات اور آسانیاں ہر جگہ فراہم ہو جاتی ہیں۔ لیکن ممکن ہو تو بعض چیزیں ہمراہ لے جانا آرام کا باعث بھی ہوتا ہے اور کفایت بھی ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی چند چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ بحری سفر میں امتلا کے خیال سے اچار مربے چٹنیاں اور لیموں سنترے وغیرہ ترش چیزیں لیجانے کا غلط مشورہ دیا کرتے ہیں اس کا ہرگز خیال بھی نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی بہت سی چیزیں آپ کو مفت جہاز ہی پر ملتی ہیں۔ اور جتنی آپ کھا سکیں کھائیں کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی۔ پھر خواہ مخواہ بوجھ باندھ کر لے جانے اور فضول خرچی کرنے سے کیا نتیجہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر بندرگاہ پر کچھ پھل خرید لیجئے۔

جہاز پر اوّل و دوسرے درجے کے مسافروں کو آرام دہ تکئے بچھونے کمبل تولئے صابون ملتے ہیں۔ اور جاپان میں ہر چھوٹے سے چھوٹے ہوٹل سرائے میں یہ چیزیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی بھی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ہاں خواتین کے ہمراہ سامان آرائش اور مرد اپنے لئے شیونگ کا سامان اور اس کے ساتھ دو چار تولئے رکھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ حالانکہ ضرورت تو اس کی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر جہاز میں نائی موجود ہوتا ہے۔

کپڑے وافر ہمراہ لے جانے ضروری ہیں۔ جہاز میں دھوبی خانہ بھی ہوتا ہے۔ اور جاپانی ہوٹل بھی اس کا انتظام رکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کپڑوں کی کمی سے مسافر کو اکثر

تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

کپڑوں میں نہانے کی گون اور سونے کی گون اور برساتی ضرور ہمراہ رکھنی چاہیئے۔ اگر جاڑوں میں سفر کریں نہایت موٹا اونی سیاہ رنگ کا اوور کوٹ ہمراہ لے جانا چاہیئے۔ سردیوں کے لئے سوٹ بھی سیاہ یا گہرے رنگوں کے ہونے چاہئیں۔ برخلاف اس کے گرمیوں کے لئے سفید ریشمی یا سوتی اور بہار و خزاں کے لئے ہلکے رنگوں کے اونی سوٹ درکار ہیں۔

مارچ سے اکتوبر تک سفر کرنے والے کو بھی اپنے ہمراہ ہلکا اوور کوٹ ساتھ رکھنا چاہیئے کیونکہ اکثر اس موسم میں بھی صبح و شام سردی ہونے لگتی ہے۔ یا پہاڑوں پر جائیں تو ان کی فوری ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

کپڑے رکھنے کے لئے ٹین یا لوہے کے بکس نہ استعمال کریں۔ کیونکہ یہ بھاری ہوتے ہیں اور اکثر سفر میں ٹوٹ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ چمڑے کے مضبوط کیبن ٹرنک اس کام کے لئے نہایت موزوں ہوتے ہیں۔

جہاز کے سفر میں استعمال کرنے کے لئے فل سلیپر یا ڈیک شوز اگر ساتھ لے جائیں تو آرام ملتا ہے۔

ڈیک چیئر (کرسچ یا بید کی آرام کرسی) بھی ساتھ ہو تو بہتر ہے۔ اس کے بغیر کھلے ہوئے عرشہ جہاز پر بیٹھنے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر یہ کرسیاں ساتھ نہ لیجا سکیں تو بمبئی میں وہارف پر ہی خریدی جا سکتی ہیں۔

فوٹو کیمرا اور دوربین اگر ساتھ ہو تو ذاتی شوق پورا کرنے کے لئے بہت اچھی چیزیں ہیں۔ مگر جاپانی بندرگاہوں میں فوٹو کیمرے کی بڑی پوچھ گچھ ہوا کرتی ہے۔

جہاز میں دیا سلائی۔ اسپرٹ یا دوسرے آتشگیر مادے اور اسلحہ قانوناً اپنے ہمراہ نہیں رکھ سکتے۔ سگرٹ یا کسی قسم کا تمباکو اگر ہمراہ لے جائیں تو صرف اسی قدر ہو کہ جاپان پہنچتے تک ختم ہو جائے۔ ورنہ کسٹم والے اس پر ساڑھے تین سو فی صدی محصول وصول کرتے ہیں۔

چیچک کا ٹیکہ

روانگی سے قبل چیچک کا ٹیکہ لگوا کر اپنے شہر کے ہیلتھ افسر سے سرٹیفکٹ لے لینا چاہیئے۔ ہندوستانی بندرگاہوں پر اس کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔

دَورانِ سفر میں

دورانِ سفر میں زیادہ وقت سیر تفریح کھیل اور گفتگو میں صرف کرنا چاہیئے یا مطالعہ میں۔ ورنہ تعطل یا ہر وقت لیٹے اور سوتے رہنے سے دورانِ سر اور امتلا پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر باوجود مصروفیت چکر آئیں اور طبیعت کسلمند ہو اور اس کے ساتھ قبض بھی ہو تو شب کو سونے سے قبل سمندر کا نمکین پانی یا فروٹ سالٹ استعمال کرنا چاہیئے۔ مگر مسہل ادویات استعمال نہ کرنی چاہئیں۔ اگر مرض شدید لاحق ہو تو فوراً جہاز کے ڈاکٹر کو مطلع کرنا چاہیئے۔ لیکن صرف متلی وقے سے یہ اندیشہ نہ کرنا چاہیئے کہ مرض شدید لاحق ہوا ہے۔ کیونکہ یہ ایک معمولی بات ہے۔ جو بغیر دوا دور ہو جاتی ہے۔

بندرگاہوں پر جو راستہ میں آتی ہیں۔ اگر اتر کر سیر کریں تو پہلے کسی بڑے انگریزی ہوٹل میں قیام کریں اور پھر ہوٹل کی موٹر پر سیر کریں۔ یا کسی مشہور بین الاقوامی یا انگریزی کلب کے ذریعہ سے بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔ خود ٹیکسی یا کار میں سیر کے لئے جانا بعض اوقات خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح بندرگاہوں میں چھوٹی چھوٹی دوکانوں پر بڑے بڑے سودے کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ بڑی دوکانوں پر دام کسی قدر زیادہ ہوتے ہیں۔ مگر دھوکہ نہیں ہوتا۔

جاپانی بندرگاہ میں داخل ہونے سے قبل پاسپورٹ کا معائنہ ہوتا ہے۔ جاپان میں داخل ہونے کے بعد سیاحوں کو ہر وقت اپنا پاسپورٹ اپنے ہمراہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ پولیس کو یہ اختیار ہے کہ جب چاہے پاسپورٹ طلب کرے۔ لیکن پاسپورٹ کھو جانے کے اندیشہ کو دور کرنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو کسی انگریزی کونسل کے یہاں اپنا پاسپورٹ رجسٹر کرا دے تاکہ اگر کھو جائے تو دوسری نقل مل سکے۔

وطنِ غیر میں اگر کوئی جاننے والا موجود نہ ہو اور کوئی مصیبت پیش آجائے تو فوراً

انگریزی کونسل کو مطلع کر کے مدد کی درخواست کرنی چاہیئے۔ اگرچہ جاپان میں ایسی صورت شاذونادر ہی پیش آتی ہو گی۔ جاپان میں قیام اور سیاحت کے متعلق ہر قسم کی معلومات اور مدد جاپان ٹیورسٹ بیورو سے بلامعاوضہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان کے دفاتر تقریباً تمام بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ ان کی اطلاع قابل اعتماد ہوتی ہے۔ ریل کے ٹکٹ بھی خرید کر دیتے ہیں۔ موٹروں کا کرایہ بھی طے کرا دیتے ہیں۔ اور معاوضہ پر گائڈ بھی مہیا کرتے ہیں

سکّے

جاپان کا معیاری سکہ ین ہے۔ جنگ یورپ کے بعد ین کی قیمت تقریباً عہ پر قائم ہو گئی تھی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں اس کی قیمت دفعتاً بڑھنے لگی۔ حتےٰ کہ دو روپیہ کے برابر ہو گئی۔ سنہ ۱۹۳۲ء کے اوائل ہی سے پھر قیمت گرنے لگی۔ یہاں تک کہ اب کم ہوتے ہوتے صرف ۱۳۱۰ر (ساڑھے تیرہ آنے) رہ گئی ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ ابھی اور کمی ہو گی۔

ایک ین کا سکہ نہیں ہوتا۔ چاندی کا سکّہ نصف ین کے برابر ہوتا ہے۔ ین کو سو سین میں تقسیم کرتے ہیں۔ سین تانبے کا سکّہ ہے۔ اور موجودہ شرح تبادلہ سے تقریباً دھیلہ کے برابر ہوتا ہے۔ نکل کے سکّے ۵ سین اور ۱۰ سین کے ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا سکّے عام طور پر رائج ہیں۔ مگر ان کے علاوہ چاندی کے سکّے ۲۰ سین اور ۱۰ سین کے ہوتے ہیں۔ اور سونے کے سکّے ۵ ین ۱۰ ین اور ۲۰ ین کے ہوتے ہیں۔ سرکاری نوٹ ایک ین پانچ ین دس ین اور سو ین کے عام طور پر رائج ہیں۔ مگر اس سے بڑے نوٹ بھی ہوتے ہیں۔

غیر ملکی سکوّں کا تبادلہ جاپانی سکّہ میں کروانے کے لئے بہترین صورت یہ ہے کہ یا تو تھامس کُک کے دفتر سے کیا جائے۔ یا یوکوہاما سپیشی بینک سے۔ کیونکہ ان میں بہترین شرح پر تبادلہ ہو سکتا ہے۔

ڈاکخانے کی شرح محصول

بیرونجات کے لئے لفافے پر ۱۰ سین کا ٹکٹ لگانا چاہیئے۔ اس محصول میں صرف ۲ تولہ وزن تک کا لفافہ جاسکتا ہے۔ اس سے زیادہ وزن ہو تو ۶ سین فی تولہ کے حساب سے اضافہ

ہو جاتا ہے۔

کارڈ چھ سین میں جاتا ہے۔ اندرون ملک میں کارڈ ڈیڑھ سین کا اور لفافہ تین سین کا ہے فیس رجسٹری بیرونجات کے لئے ۱۶ سین اور اندرون ملک کے لئے ۱۰ سین ہے۔

اندرون ملک میں تار کی شرح اگر جاپانی زبان میں دیا جائے تو کم از کم تیس سین ہے اور انگریزی یا کسی دوسری یورپین زبان میں دیا جائے تو ۵ سین فی لفظ ادا کرنے پڑتے ہیں۔

اوزان وپیمایش

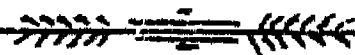
کپڑے کا پیمانہ شاکو ہے جو ایک فٹ کے برابر ہوتا ہے۔

فاصلے کا پیمانہ یہ ہے۔

SHOKU.	ایک شاکو = ایک فٹ
KEN.	ایک کین = ۶ شاکو = ۶ فٹ یا دو گز
BHO.	ایک چو = (۶۰ کین) = ۱۲۰ گز
Ri.	ایک ری = ۲½ میل

تول کر بکنے والی چیزیں مومے کے حساب سے بکتی ہیں۔

۱۰۰ مومے (ہیاکومے) تقریباً ڈیڑھ پاؤ ہوتا ہے۔



تتمہ ثانی

چند ضروری جاپانی الفاظ کی فہرست

	اردو	جاپانی			
اعداد	ایک	ایچی (Ichi)	یا	ھِتاتسو	(Hitatsu)
	دو	نی	یا	فُتاتسو	(Futatsu)
	تین	سان	یا	مِتسو	(Mitsu)
	چار	شی یا یون	یا	یوتسو	(Yotsu)
	پانچ	گو (go)	یا	اِتسواِتسو	(Itsuitsu)
	چھ	روکو (roku)	یا	مُتسو	(Muitsu)
	سات	شی چی	یا	ناناتسو	(NANATSU)
	آٹھ	ہاچی (Hachi)	یا	یاتسو	(Yatsu)
	نو	کیو (Kyo)	یا	کوکوناتسو	(Kokonatsu)
	دس	جو (Ju)	یا	تُو	(To)

اس کے بعد مخلوط اعداد شروع ہوتے ہیں جیسے جوایچی گیارہ۔ جونی بارہ جوسان تیرہ۔ جُویون چودہ۔ جُوگو پندرہ۔ جُوروکو سولہ۔ جُوشی چی یا جُوناناسترہ۔ جو ہا اٹھارہ جُوکیو انیس۔ اور نی جُو بیس۔

اس کے بعد دہائیاں۔ سان جُو تیس۔ یون جُو چالیس۔ گوجُو پچاس علیٰ ہذا القیاس نوّے تک۔ پھر سو کو ہیاکُو (Hyaku) اور ہزار کو سین اور لاکھ کو مان کہتے ہیں۔ آدھی کو ہام بون یا خالی ہان کہتے ہیں۔

وقت		
کیا بجا ہے ؟	نان جی دس کا ؟	Nan ji dis ka ?
سات بجے ہیں۔	شی چی جی دس۔	Shichi ji dis
ساڑھے چار بجے ہیں۔	یون جی ہان دس۔	'Yon ji han dis ۔
ایک بجکر دس منٹ ہیں۔	اِچی جی جوپون دس	Ichi ji Juppun dis

گھنٹہ۔ جیکان (جس کا مخفف جی وقت بتاتے ہوئے گھنٹوں کے بعد آتا ہے)
دیکھئے اوپر کی امثلہ

منٹ۔ " فون " یا "پون "

گھڑی۔	توکے۔	toke

گاڑیاں		
جہاز۔	فونے۔	(Fune)
دخانی ریل۔	کشا۔	(Kisha)
بجلی کی ریل اور ٹریم۔	ڈینشا۔	(densha)
موٹر کار یا بس	جیدوشا	jidosha
ٹیکسی	تاکوشی	takushi
اسٹیشن	اِیکی	(Iki)
جگہ۔ مقام	توکورو	tokoro
سڑک	میچی	michi
بندرگاہ	ھِتوبا	hitoba
کسٹم آفس	زائی کان	zaikan
ٹکٹ	کِپّو	(Kippu)
اوّل درجہ	اِتّو	(itto)
دوسرا درجہ	نِتّو	(nitto)

تیسرا درجہ	سان تو	(Santo)
ہوٹل	جادویا	(Jadoya) یا ہوتیرو

کھانے کی چیزیں

پکے ہوئے چاول - گو ہانگ
شکر - ساتّو

نمک۔	شوآ	(Showa)
کالی مرچیں۔	کوشو	(Kosho)
مچھلی۔	سکانا	(Sakana)
انڈے۔	تماگو	(Tamago)
گوشت۔	نیکو	(Niku)
آملیٹ۔	اُوموریتو	(Omoritu)
پھل۔	کوداموno	(Kodamono)
ترکاریاں۔	آؤمونو	(Aomono)
ڈبل روٹی۔	شوکوپان	(Shukupan)
دودھ۔	گیونیو	(Gyu nyu)
مکھن۔	بتہ	(Bata)
چائے۔	کوچا	(Kocha)
پینے کا پانی۔	نومومیزو	(Nomu Mizu)
گرم پانی۔	اُویُو	(Oyu)
برف کا پانی۔	کوری میزو	(Kori) Mizu)
پلیٹ	سارا	(Sara)
چھری	نائی فو یا ہوچو	(Hochu)

متفرق الفاظ

چمچہ۔	ساجی	
کانٹا۔	ہوکو	
گلاس۔	کپ پو	(Kappu)
ٹوپی۔	بوشی	(Boshi)
جوتا۔	کتسو	(Katsu)
سوٹ۔	یوفوکو	(Yofuku)
بکس۔	ہاکو	(Hako)
کنجی۔	کاگی یا کانگی	(Kagi)
کمرہ۔	ہیا	(Heya)
جائے ضرور۔	ہباکاری	(Habakari)
آئینہ۔	کاگامی	
کنگھا۔	کوما	
تیل۔	ابورا	
غسل خانہ۔	فوروبا	(Furoba)
ڈاکٹر۔	اوایشاسان	(Oisha san)
دوا	کھسری	
شفاخانہ۔	بیواین	(Byoin)
بیمار۔	بیوکی	
ڈاک خانہ۔	یوبین کیوکو	(Yubin Kyuko)
ڈاک خانے کا ٹکٹ۔	کتے	(Kitte)
کارڈ۔	ہاگاکی	(Hagaki)

تارگھر	ڈیپو کیو کو	
خط	تگامی	(tagami)
کاغذ	کامی	(Kami)
قلم	پین	((Pen)
روشنائی	انکی	(Inki)
پنسل	ایمپٹسو	(empitsu)
اخبار	شمبو	(Shimbu)
یہ	کورے	(Kure)
وہ	سورے	(Sure)
ہاں	ہائی	
نہیں	ای اے	
میں	واتاشی	(Vatashi)
تم یا آپ	انت	(Anata)
وہ	انوہیتو	(Anohito)
سب یا سارا	مِنّا	(Minna)
ایک اور	موہتاتسو	(Mohitatsu)
تھوڑا سا اور	موسکوشی	(Moskoshi)
بس	موتکسان	(Motaksan)
بہت	تکسان	
کم	اسکوشی	(iskoshi)
اب یا ابھی	ایما	

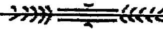
ابھی نہیں۔	مادا		
کب۔	اتسو	Itsu	
کہاں۔	ڈوکو		
کون	دارے		
کیا	نان یا نانی		
شکریہ	اری گاتو	(Arigato)	
شکریہ کا جواب	دواتاشی ماشیتا	(Do itashi mashita)	
صبح کا سلام	اوہایو	صبح	آسا
دوپہر کا سلام	کانیچیوا	دوپہر	اُدہیرو
شام کا سلام	کوم باوا	شام	یوبان
رات کا سلام	اویاسومی ناسائی		
رخصتی سلام	سایونارا		
سے۔ کارا	تک۔ مادے		اُوپر۔ اوئے
نیچے۔ شیتا	پاس۔ چیکائی	سستا۔ یاسی	مہنگا۔ تاکایا
آج۔	کیو	(Kyo)	
کل (گذرا ہوا)	کینو	(Kino)	
کل (آئندہ)	آشتا	Ashita.	

چند فقرے

کیا ہے ؟	نان دس کا ؟
کون ہے ؟	دارے دس کا ؟
کہاں ہے ؟	دوکو دس کا ؟
کیا قریب ہے ؟	چیکائی دس کا ؟

بہت مہنگا ہے۔	تکسان تاکائے دِس	
اچھا ہے۔	ای دِس	
بُرا ہے۔	واروئی دِس	
جلدی کرو۔	ہیاکو	
ذرا ٹھیرو۔	چِتّو متّے	
یہیں ٹھیر جاؤ۔	مُتّے کداسائی	
لادو۔	مُتّو کیتّے کداسائی	
دو۔	کداسائی	
لیجاؤ یا لو۔	کھتّے کداسائی	
جائیے۔	اِتّے کداسائی	
آئیے۔	او ای دے نسائی	Oide nasai
بیٹھئے۔	او کاکے نسائی	
بلائیے یا پڑھئے۔	یاندے کداسائی	
لکھئے۔	کتّے کداسائی	(Katte Kudasai
خریدئے۔	کائی تے کداسائی	(Kaite Kudasai
کیا وہ آگیا۔	کیماس کا	
کیا وہ آیا تھا۔	کیماشتہ کا	
میں گیا تھا۔	اکیماشتہ	
میں جاؤں گا۔	اکیماس	
میں نہیں جاؤں گا۔	اکیماسین	
میں جاپانی نہیں سمجھتا۔	نی ہان گو واکاری ماسین۔	

کیا تم سمجھتے ہو ؟	واکاری ماسکا ؟
ٹھیروں گا۔	توماری ماس ؟
کھانا چاہتا ہوں۔	تابے تائی
کھانا نہیں چاہتا۔	تابے تاکونائی
کیا دیکھ سکتا ہوں۔	می ماشوکا۔
کیا یہ چیز موجود ہے ؟	اری ماس کا ؟ (Arimaska
نہیں ہے۔	اری ماسین . Arimasen) یانائی دس
یہ چیز کتنے کی ہے ؟	ایکورا دس کا . Ikura dis ka



تتمہ ثانی - انگریزی زبان میں جاپان کے متعلق مستند کتابیں

موضوع	نام کتاب	نام مصنف	سن تصنیف
(۱) آرٹ	جاپانیز آرٹ موٹیوز (Japan Art Motives)	ایم آر ایلن-	سنہ ۱۹۱۷ء
(۲) 〃	دی فلور آرٹ آف جاپان (The flower art of Japan)	ایم ایوریل-	سنہ ۱۹۱۵ء
(۳) 〃	دی آرٹس آف جاپان (The arts of Japan)	ای ڈیلن-	سنہ ۱۹۰۶ء
(۴) 〃	دی گارڈنز آف جاپان (The gardensof Japan)	جے ہراوا-	سنہ ۱۹۲۸ء
(۵) 〃	آرٹس اینڈ کرافٹس آف اولڈ جاپانی (The arts and crafts of old Japan)	ایس ڈِکس-	سنہ ۱۹۰۵ء
(۶) 〃	کلر پرنٹس آف جاپان (Colour prints of Japan)	ای ایف اسٹرینج	سنہ ۱۹۰۳ء
(۷) 〃	دی آرٹ آف جاپان (The art of Japan)	لیڈ ولوئی-	سنہ ۱۹۲۷ء
(۸) 〃	دی پینٹرز آف جاپان (The painters of Japan)	اے ماریسن	سنہ ۱۹۱۱ء
(۹) تاریخ	کرانیکلز آف جاپان (ترجمہ نہانگی) CHRONICLES OF JAPAN	ایسٹن	سنہ ۱۸۹۶ء
(۱۰) 〃	ہسٹری آف دی ایمپائر آف جاپان (ترجمہ) ایف برنکلی	BRINKLY	سنہ ۱۸۹۶ء
(۱۱) 〃	ہسٹری آف دی جاپانیز پیپل 〃	〃	سنہ ۱۸۹۶ء
(۱۲) 〃	ہسٹری آرٹ اینڈ لٹریچر 〃	〃	سنہ ۱۹۱۰ء
(۱۳) 〃	مختصر تاریخ جاپان (A short History of Japan)	کلیمنٹ	سنہ ۱۹۲۷ء
(۱۴) 〃	خلاصہ تاریخ جاپان (An outline history of Japan)	گوون	سنہ ۱۹۳۰ء

موضوع	نام کتاب	نام مصنف	سن مصنف
(۱۵) تاریخ	جاپانی قوم کا ارتقا (The Japanese nation in evolution)	ڈبلیو۔ای گریفیس	سنہ ۱۹۰۷ء
(۱۶) ״	سلطنت میکاڈو (Mikado's Empire)	״	سنہ ۱۹۱۳ء
(۱۷) ״	جاپان۔ تاریخ۔ روایات اور آرٹ۔	״	سنہ ۱۹۰۰ء
(۱۸) ״	جاپان جدید کا ظہور (Making of modern Japan)	گوبنیز GUBBINS	سنہ ۱۹۲۲ء
(۱۹) ״	جاپان اور جاپانی (تیسرا اڈیشن)	لیفکیڈیو ہرن (L.HEARN)	سنہ ۱۹۲۹ء
(۲۰) ״	تاریخی کہانیاں۔ چین وجاپان۔	ماریسن۔	سنہ ۱۸۹۸ء
(۲۱) ״	جاپان قدیم کی کہانی (History of old Japan)	لانگ فرڈ۔	سنہ ۱۹۱۰ء
(۲۲) ״	تاریخ جاپان (تین مجلدات)	موڈاک۔	سنہ ۱۹۱۰-۲۶ء
(۲۳) لٹریچر	تاریخ ادبیات جاپان۔	ایسٹن	سنہ ۱۸۹۹ء
(۲۴) ״	جاپانی کہانیاں۔	چیمبرلین	سنہ ۱۹۰۸ء
(۲۵) سفرنامے اور معاشرتی حالات	معاشرت جاپان (Japanese civilization)	اکاگی۔	سنہ ۱۹۲۷ء
(۲۶) ״	جاپان جدید اور اس کے مسائل (Modern Japan and its problems)	ایلن	سنہ ۱۹۲۸ء
(۲۷) ״	جاپان پاجامے میں (JAPAN IN TROUSERS)	وائینزا	سنہ ۱۹۲۷ء
۲۸ ״	پُراسرار جاپان (Mysterious Japan)	اسٹریٹ	سنہ ۱۹۲۴ء

موضوع	نام کتاب	نام مصنف	سن تصنیف
(۲۹) لٹریچر	سفر نامے اور عام معاشرتی حالات - جاپان کا پول - (Japan revealed)	جان پیرس	۱۹۲۴ء
(۳۰) ″ ″	جاپان جدید - (Contemporary Japan)	سورومی	۱۹۲۵ء
(۳۱) ″ ″	دل - (Kokuro)	لیفکیڈیو ہرن	۱۹۹۶ء
(۳۲) ″ ″	جاپان تیشریح کی کوشش (Japan-an attempt at interpretation)	″	۱۹۰۴ء
(۳۳) ″ ″	مشرق سے نکل کر - (Out of East)	″	۱۸۹۵ء
(۳۴) ″ ″	مزرع گوتم سے خوشہ چینی - (Gleanings in Budha field)	″	۱۸۹۶ء
(۳۵) ″ ″	اسپرٹ آف جاپان -	ڈاکٹر ٹیگور	۱۹۱۶ء
(۳۶) ″ ″	جاپان کا تعلیمی نظم ونسق (انگریزی اور اردو) (Educational system of Japan)	ڈاکٹر راس مسعود	۱۹۲۶ء
(۳۷) ″ ″	جاپانی باتیں - (Things Japanese 5th edition)	چمبرلین -	۱۹۲۷ء
(۳۸) ″ ″	شب جاپان - (Nightside of Japan)	فوجی موتو -	
(۳۹) ″ ″	توکیو میں خانگی زندگی (Home life in Tokyo)	جے انواودے	۱۹۱۰ء
(۴۰) ″ ″	اینو اور اُن کی روایات (Ainu and their folk-lore)	بیچلر - (BATCHELOR	۱۹۱۰ء
(۴۱) ″ ″	اینو آف جاپان (جاپانی اینو)	″	۱۸۹۳ء
(۴۲) ″ ″	اینو لائف اینڈ لور (معاشرت اینو)	″	۱۸۹۳ء

اُردُو

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہی جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کیجاتی ہی۔ اس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن پر تبصرے اس رسالہ کی ایک خصوصیت ہے۔

یہ رسالہ سہ ماہی ہی اور ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے، رسالہ کا حجم ڈیرھ سو صفحے ہوتا ہے اور اکثر اس سے زیادہ۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکہ انگریزی۔ آٹھ روپے سکہ عثمانیہ۔

المشتہر۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

Anjuman - i - Taraqqi - e - Urdu Series No. 79

THE REAL JAPAN

IN TWO PARTS

with

AN ACCOUNT

of

a tour in Japan, its History, Language, Art, Religion, System of Education, Social Life, etc.

by

Sh. M. BADAR UL ISLAM FAZLI, *B. A., B. T.,*

ANJUMAN-I-TARAQQI-E-URDU,

AURANGABAD, DECCAN

1934